حیا کی سُولی پر
محی الدین نواب

تمام مخلوقات میں صرف انسان ہی ایسا ہے جو آزاد رہنے کے لئے پیدا ہوتا ہے لیکن پیدا ہونے کے بعد اپنے اعمال کے باعث طرح طرح کے مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے اور کسی نہ کسی مسئلے کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے۔

ایسے ہی بدنصیب اور بدمزاج لوگ ہوتے ہیں جو اپنے لئے نہ سہی دوسروں کے لئے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو خطرناک درندوں کی طرح پنجرے میں قید کردیا جاتا ہے۔

عدنان کو بھی سنٹرل جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا گیا تھا۔ وہ پچھلے ایک برس سے قیدی کی زندگی گزار رہا تھا۔ قیدی بن کر آنے والے جیل کے اندر پہنچتے ہی سب سے پہلے جو کام کرتے ہیں' وہ یہ کہ نمازی بن جاتے ہیں اور کلامِ پاک کی تلاوت کرنے لگتے ہیں۔

ایسے قیدیوں سے خاکروب اور بھنگیوں کے کام نہیں لئے جاتے۔ ان سے گندگی نہیں اٹھوائی جاتی۔ عدنان نے سن رکھا تھا کہ ایسے قیدی جو پاک صاف رہتے ہیں' ان کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ ان سے نرمی بھی برتی جاتی ہے۔ اس لئے وہ بھی جیل میں قدم رکھتے ہی عبادت گزار اور دین دار بن گیا تھا۔

وہ بچپن میں کلامِ پاک پڑھتا رہا تھا پھر جوانی میں راستہ بدل گیا۔ برگر فیملی کے جوانوں کی طرح انگریزی بولنے لگا تھا۔ سیر و تفریح میں زیادہ وقت گزارتا تھا۔ اخراجات پورے کرنے کے لئے الٹے سیدھے دھندوں میں پڑ گیا تھا۔ وہ سال میں دو بار عید کے دنوں میں نمازیں پڑھ لیتا تھا۔ اس کے بعد پھر اسے فرصت نہیں ملتی تھی۔

اسے دن چڑھے تک سونے کی عادت تھی۔ جیل میں آکر صبح ہی اذان سے پہلے بیدار ہونا پڑتا تھا۔ پانچ وقت کی نمازیں ضروری تھیں لہٰذا فجر کی نماز کے لئے بھی جبراً تیار

ہونا پڑتا تھا۔ اس طرح وہ صبح سویرے بیدار ہونے کا عادی ہو گیا تھا۔

جیل کی اس مسجد میں تمام نمازی قیدیوں کے لباس میں ہوتے تھے حتیٰ کہ پیش امام بھی قیدیوں کے لباس میں رہتا تھا۔ اس نے بھی کسی کو قتل کیا تھا اور اس جرم میں وہاں سزا کاٹ رہا تھا۔

جب وہ پہلے دن جیل میں آیا تو یہ سوچ کر پریشان ہوتا رہا کہ پورا ایک سال کیسے گزارے گا؟ لیکن رفتہ رفتہ پانچ وقت کی نمازوں نے اور کلامِ پاک کی تلاوت نے بڑی سہولت سے وقت گزار دیا۔ محنت و مشقت کم کرنی پڑتی تھی۔ قالین بننا' جوتے' چپلیں گانٹھنا یا پتھر توڑنا' کوئی سا بھی کام ہو اور کتنا ہی سخت کام ہو' نماز کا وقت ہوتے ہی چھٹی مل جایا کرتی تھی۔ جیل میں رہ کر یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ مشکل وقت میں نماز ہی کام آتی ہے۔

اگر آدمی سونے کے وقت سوئے' تفریح و عیاشی میں وقت نہ گزارے اور صبح فجر کی اذان سے پہلے ہی بیدار ہو جایا کرے تو دن بڑا لگتا ہے۔ سوچنے سمجھنے اور اچھے کام کرنے کے لئے بہت سارا وقت ملتا ہے۔ کوئی مسئلہ پیش آجائے ذہنی پریشانی بہت زیادہ ہو اور ایسے میں نماز کا وقت ہو جائے تو نماز شروع اور ختم ہونے کے درمیانی حصے میں ذہنی پریشانیوں سے نجات مل جاتی ہے اور انسان دنیاوی مسائل سے ذرا دیر کے لئے دور ہو جاتا ہے کم از کم عدنان کو محنت و مشقت سے تھوڑی دیر کے لئے نجات مل جایا کرتی تھی۔

اس نے جیل میں آتے ہی سوچا تھا کہ پورا ایک برس یعنی تین سو پینسٹھ دن کیسے گزریں گے؟ دیکھتے ہی دیکھتے سارے کے سارے دن گزر گئے۔ فجر کی نماز کے بعد پیش امام صاحب مختصر سی تقریر کرتے تھے اور نصیحتیں فرماتے تھے۔ اس دن انہوں نے کہا۔

"یہ سورۃ العصر کی پہلی آیت ہے۔"

"زمانے کی قسم' انسان درحقیقت بڑے خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔"

"اس سورۃ میں زمانے کی قسم کھائی گئی ہے۔ زمانے سے مراد ہے کہ ہر گزرتا ہوا لمحہ۔"

"تمہاری زندگی ایک ایک سیکنڈ کے حساب سے گزرتی ہوئی تمہارے آج' ماضی میں بدلتی جا رہی ہے اور ماضی کا ایک سیکنڈ بھی تمہیں واپس نہیں ملے گا۔"

"وہ جو لمحہ گزر چکا ہے۔ وہ گزرا ہوا زمانہ بن چکا ہے۔ لہٰذا آج کے زمانے اور آنے والے زمانے میں ایک ایک پل کا حساب رکھنے کے لئے دانائی سے کام لو۔"

"کیا تمہارا ایک پل ایمان سے بھرپور تھا؟"

"کیا تمہارا ایک پل نیک عمل سے گزرا تھا؟"

"کیا تم نے ایک پل میں دوسروں کو حق کی نصیحت کی تھی؟ اور ایک پل میں صبر کی تلقین کی تھی؟"

اگر نہیں کی تھی تو کسی بزرگ کے اس قول کو سمجھو جسے امام رازی نے نصیحت کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ وہ قول یہ ہے۔

"ایک برف فروش آواز لگا رہا تھا۔ رحم کرو.......... اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ عمر کی جو مدت انسان کو دی گئی ہے۔ وہ برف کی طرح تیزی سے گھل رہی ہے۔ اس عمر کو غلط کاموں میں گھلنے دو گے تو یہ محض پانی رہ جائے گی.......... نہ آب رہے گی ایمان کی.......... نہ تاب رہے گی انسان کی۔"

قیدی پیش امام نے کہا۔ "یہ جیل صرف سزا پانے کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں ہمیں اپنے جرائم پر پچھتانے اور توبہ کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ خداوند کریم نے ہمیں آزاد فضاؤں میں سانس لینے کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہم ناشکرے ہیں۔ آزاد فضاؤں سے محروم ہو کر یہاں کی چار دیواری میں رہتے ہیں۔"

قیدی پیش امام نے سامنے بیٹھے ہوئے عدنان کو دیکھا پھر کہا۔ "عدنان! کل صبح تمہیں رہائی ملنے والی ہے۔ آؤ ہم سب مل کر توبہ کریں۔ جنہیں رہائی ملنے والی ہے' ان کے حق میں دعا کریں کہ وہ باہر جا کر نیکی اور شرافت کی زندگی گزاریں اور یہ ثابت کریں کہ ہم جیل سے نکلنے کے بعد مجرم نہیں رہتے۔ ہمیں یہاں کی پابندیوں میں رہ کر زندگی گزارنے کا سلیقہ آجاتا ہے اور ہم ایک مکمل انسان بن جاتے ہیں۔"

عدنان نے کہا۔ "جناب! میں تعلیم یافتہ ہوں۔ اچھے کو اچھا اور برے کو برا سمجھتا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر برا نہیں کیا لیکن انسان کو اس قدر مجبور کر دیا جائے کہ وہ

انتقاماً برا بن جائے تو پھر وہ بن ہی جاتا ہے۔"

پیش امام نے کہا۔ "جو ہوگیا ہے اسے بھول جاؤ۔ آئندہ تمہارے اعمال ایسے ہوں کہ پچھلے تمام داغ دُھلتے چلے جائیں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے' جب میں یہاں آیا تو مجرم بن چکا تھا۔ عدالت کے فیصلے نے اس پر مہر لگا دی۔ یعنی تصدیق کردی کہ میں مجرم ہوں۔ اب جہاں بھی جاؤں گا تو وہاں باتوں باتوں میں طعنے ملیں گے اور اگر کوئی منہ پر کچھ نہیں کہے گا تب بھی نظروں سے ضرور گرائے گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر بولا۔ "ہم اس دنیا میں اپنی مرضی سے جیتے تو ہیں لیکن دوسروں کی مرضی کے مطابق بھی جینے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ یا پھر حالات مجبور کردیتے ہیں کہ جو ہم نہیں ہیں وہ ہوجائیں۔ یہ بات آپ کی سمجھ میں آنی چاہئے کیونکہ آپ بھی ایک دین دار ہوتے ہوئے اپنے حالات کے آگے بے بس ہوگئے اور آپ نے مشتعل ہوکر کسی کو قتل کیا۔ ہم بعض اوقات اپنے آپ میں نہیں رہ پاتے۔ ہمارے ساتھ اور ہمارے آس پاس رہنے والے ایک ذرا سا دھکا دیتے ہیں اور ہم دلدل میں گر پڑتے ہیں۔ آپ شاید یقین نہیں کریں گے کہ مجھے دلدل میں گرانے والے غیر نہیں تھے۔ میرے اپنے ہی تھے.......... میرے اپنے پیدا کرنے والے.........."

☆======☆======☆

وہ تیزی سے چلتا ہوا مسجد سے باہر آگیا۔ مشقت کرنے کے دوران میں سوچتا رہا کہ باہر اس کے اپنے کتنے ہی ہیں جن میں کچھ اسے دل سے چاہتے ہیں اور باقی اوپری دل سے پوچھ لیتے ہیں۔ جہاں دل سے چاہنے کی بات آتی تھی تو وہاں عینی چھم سے خیالوں میں آجاتی تھی۔ ہنستی تھی' بولتی تھی اور دونوں بانہیں پھیلا کر اس کی طرف دوڑتی چلی آتی تھی۔

جب وہ کالج میں تھا تو روز ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں پھر اس نے تعلیم چھوڑ دی تھی۔ دوسری راہ پر لگ گیا تھا۔ اس کے باوجود روز اس سے ملنا ضروری تھا۔ کسی دن وہ مصروف ہوجاتا یا شہر سے باہر چلا جاتا تو وہ ناراض ہوجایا کرتی تھی۔ اس کے غصے اور ناراضگی سے بھی بھرپور پیار جھلکتا تھا۔ وہ اسے گھنٹوں مناتا رہتا تھا۔ ہائے یہ محبت بھی کیا

ہوتی ہے؟ ایک نازک اور کمزور سی لڑکی کے سامنے ایسے شہ زور جوان کو بھی کمزور بنا دیتی ہے۔ کبھی کبھی اپنی محبت کے سامنے کمزور بن جانا بہت اچھا لگتا ہے۔

اسے آخری ملاقات یاد آرہی تھی۔ گرفتاری سے ایک ہفتہ پہلے اس نے راوی کے کنارے بارہ دری میں اس کے ساتھ کئی گھنٹے گزارے تھے۔ اسے تصویریں اتارنے کا بہت شوق تھا۔ وہ ایک کیمرا ساتھ لئے پھرتی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی ڈھیروں تصویریں اتاری تھیں۔ آٹو میٹک کیمرا تھا اسے آن کرکے دونوں نے ایک ساتھ بڑے ہی رومانی انداز میں ان لمحات کو یادگار کے طور پر محفوظ کرلیا تھا۔

عینی نے واپسی کے وقت کہا۔ "میرے ڈیڈی تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کیا تمہارے ڈیڈی سے فون پر بات کرلوں؟" عدنان نے کہا۔

"نہیں.......... تم خود ان سے ملو تو بہتر ہے۔ شکایت کررہے تھے کہ آج کل ملنے نہیں آتے ہو؟"

"پھر ایسا کرتے ہیں پہلے میں تمہارے گھر جاتا ہوں۔ تم تھوڑی دیر کے بعد آجانا تاکہ یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے ایک ساتھ وقت گزارا ہے۔"

وہ دونوں راوی سے گلبرگ مارکیٹ تک ٹیکسی میں ایک ساتھ ہی بیٹھ کر آئے۔ پھر وہاں سے جدا ہوگئے۔ عینی نے کہا۔ "یہاں میری ایک سہیلی ہے۔ میں اس کے پاس پندرہ منٹ تک وقت گزاروں گی۔ اس کے بعد آجاؤں گی میرے وہاں آنے سے پہلے نہ جانا۔ نہیں تو جھگڑا ہوجائے گا۔"

وہ بڑی محبت سے وعدہ لے کر چلی گئی۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر سیدھا اس کے بنگلے میں آیا۔ عینی کا باپ جلال اکبر اس وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ سنٹر ٹیبل پر تاش کے پتوں سے ایک گھر بنا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا۔ "آہا.......... عدنان میاں تشریف لائے ہیں۔ بڑے دنوں کے بعد جناب کو فرصت ملی ہے۔"

اس نے سلام کیا۔ پھر قریب آکر مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "آپ تو جانتے ہیں میں ملازمت کے سلسلے میں مارا مارا پھرتا ہوں۔ آپ سے بھی کہا ہے دوسروں سے بھی کہہ رکھا ہے اور خود بھی کوشش کررہا ہوں۔"

"سامنے بیٹھو اور یہ بتاؤ کہ ابھی کس کے ہاں ملازمت کررہے ہو؟"

وہ ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”یوں تو ان کا نام بختاور خان ہے لیکن سب انہیں مُلا بختاور کہتے ہیں۔ وہاں میری ملازمت پکی نہیں ہے بس عارضی ہے۔ وہ کسی دن بھی مجھے جواب دے سکتے ہیں۔“

”میں ڈی آئی جی پولیس ہوں۔ ایسے مجرموں کو بھی جانتا ہوں جو اپنے پیچھے جرائم کے ثبوت نہیں چھوڑتے لیکن وہ بلیک لسٹ میں ہوتے ہیں۔ تمہارا مُلا بختاور بھی میری بلیک لسٹ میں ہے۔“

”انکل.......... وہ تو نہایت ہی شریف اور دین دار بندہ ہے۔ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہے اور ہمیشہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرتا رہتا ہے؟ میں آپ کو بتاؤں کہ اس نے اب تک کتنے بڑے بڑے فلاحی کام کیئے ہیں؟“

”مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ابھی جوان ہو۔ تم نے ابھی صرف ان آنکھوں سے دنیا دیکھی ہے میں دماغی آنکھوں سے دیکھتا ہوں۔ تجربات کی بھٹی میں جلنے کے بعد ہی دماغی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کی نوکری چھوڑ کر کوئی دوسرا کام پکڑو۔“

”آپ کہتے ہیں تو یہی کروں گا۔“

”پتہ نہیں.......... تم کیا کرو گے؟ پہلے ماں باپ کے گھر سے نکل گئے۔ پھر کالج چھوڑ دیا۔ تعلیم بھی ادھوری رہ گئی۔ نہ تعلیم مکمل ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی ہنر سیکھا ہے۔ اس کے باوجود اچھا کھا رہے ہو' پہن رہے ہو۔ کسی کرائے کے فلیٹ میں رہتے ہو۔ پتہ نہیں.......... اتنے سارے اخراجات کیسے پورے کر رہے ہو۔“

”میں محنتی ہوں۔ کام نہ ملے تو مٹی کھود سکتا ہوں۔ پتھر اٹھا سکتا ہوں۔“

”میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا اب بھی سمجھا رہا ہوں کہ کسی غلط دھندے میں نہ پڑنا۔ ورنہ پھر انکل کا رشتہ نہیں رہے گا۔ تمہارا باپ میرے بچپن کا یار ہے۔ یہ یاری بھی ختم ہو جائے گی۔ میں قانون کے آگے کسی کا بھی لحاظ نہیں کرتا۔“

اس وقت عینی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ باپ کو دیکھ کر چہکتے ہوئے بولی۔

”ڈیڈی! اسلام علیکم.......... آپ آج اس وقت گھر میں ہیں؟“

”آؤ بیٹی.......... ! بیٹھو۔ ابھی عدنان آیا تو میں سمجھ گیا کہ ابھی تم بھی تھوڑی دیر میں

پہنچنے والی ہو۔“

اس نے چونک کر کچھ گھبرا کر عدنان کی طرف دیکھا پھر سنبھل کر بولی۔ ”ڈیڈی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ عدنان کے یہاں آنے سے میرا کیا تعلق ہے؟“

جلال اکبر نے پوچھا۔ ”کیا آج تم دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی یا تم دونوں الگ الگ رہے ہو؟“

”جی ہاں.......... میں تو ابھی انہیں یہاں دیکھ رہی ہوں۔“

”اگر ابھی دیکھ رہی ہو تو اپنے گھر میں آنے والے کو پہلے وش کیا جاتا ہے۔ ہائے ہیلو کچھ تو کہا جاتا ہے۔ مگر تم ایسے نظرانداز کر رہی ہو جیسے باہر مل چکی ہو؟“

”ڈیڈ.......... ! آپ کا اندازہ غلط ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ جب تک عدنان آپ کی ہدایات پر عمل نہیں کریں گے اپنے والدین سے معافی نہیں مانگیں گے اس وقت تک میں عدنان سے نہیں ملوں گی۔“

”یہ تو اچھی بات ہے کہ تم میری ہدایت پر عمل کر رہی ہو۔“

اس نے تاش کے پتوں سے بنے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ دیکھو.......... میں نے کیسے تاش کے ایک ایک پتے سے گھر بنایا ہے لیکن اتنی محنت سے بنایا ہوا یہ گھر ایک ہی پھونک سے ڈھے جائے گا۔“

اس نے ایک پھونک ماری تو وہ تاش کے پتوں والا گھر گر پڑا پتے اِدھر اُدھر بکھر گئے اس نے کہا۔ ”دیکھا.......... اعتماد کا رشتہ جتنا مضبوط ہوتا ہے۔ اتنا ہی کمزور بھی ہوتا ہے۔ بے اعتمادی کی ایک پھونک مارتے ہی سارا اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے۔“

عینی نے پریشان ہو کر چور نظروں سے عدنان کو دیکھا پھر پوچھا۔ ”ڈیڈ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“

وہ بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میں ابھی آدھ گھنٹہ پہلے راوی کے کنارے بارہ دری میں تھا۔“

عینی کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ عدنان سمجھ گیا کہ چوری پکڑی گئی ہے۔ جلال اکبر نے پہلے عدنان کو دیکھا پھر اپنی بیٹی کو دیکھ کر کہا۔ ”بیٹی اکثر بھول جایا کرتی ہے کہ اس کا باپ پولیس والا ہے اور بہت بڑا افسر ہے۔ اس افسر سے بڑے بڑے مجرم چھپ نہیں

پاتے۔ پھر یہ کل کی بچی مجھ سے کیا چھپے گی؟"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر باپ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ پھر اس کے ہاتھ کو پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی ننھی بچی کی طرح لاڈ کرتے ہوئے بولی۔ "ڈیڈ! آپ بڑے وہ ہیں۔ میرے پیچھے پولیس والوں کو لگائے رکھتے ہیں۔"

"میں پہلے ایسا نہیں کرتا تھا لیکن جب سے عدنان نے نافرمانی شروع کی ہے تب سے میں بہت محتاط ہوگیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ لڑکا کیا کرتا پھر رہا ہے؟ اگر گمراہی کے راستے پر چل پڑا ہے تو اس کا اثر تمہاری زندگی پر بھی پڑے گا۔ یہ لڑکا ہے اس کی ذرا سی بدنامی ہوگی تو تم ساری زندگی کے لئے بدنام ہو جاؤ گی۔"

عینی نے عدنان کو شکایت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "عدنان! تم میرے ڈیڈی کی بات کیوں نہیں مان لیتے؟ کیوں نہیں اپنے والدین سے صلح کر لیتے؟ آخر یہ ناراضگی کتنے عرصے تک چلے گی؟"

وہ منہ پھیر کر بولا۔ "میں کسی سے بھی ناراض نہیں ہوں۔"

جلال اکبر نے کہا۔ "بیٹے! میں تمہیں بچپن سے جانتا ہوں تم ضدی اور گرم مزاج ہو۔ تمہیں بہت جلدی غصہ آجاتا ہے اور تم غلط فیصلہ کر لیتے ہو۔ کیا تمہیں اب تک اپنی احساس نہیں ہو رہا ہے کہ تم اپنے بزرگوں کی عزت نہیں کر رہے ہو؟"

"میں عزت کرتا ہوں کیا آپ میرے بزرگ نہیں ہیں؟ کیا میں آپ کی عزت نہیں کرتا ہوں؟"

"میری عزت اس لئے کرتے ہو کہ میں لڑکی کا باپ ہوں۔ میرے اور تمہارے باپ کے درمیان یہ طے پا چکا ہے کہ تم آئندہ کسی قابل ہو جاؤ گے تو عینی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔"

عینی سر جھکا کر شرما کر زیر لب مسکرانے لگی۔ جلال اکبر نے کہا۔ "ہمیں معلوم تو ہونا چاہئے کہ آخر والدین سے ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ جنہوں نے تمہیں پیدا کیا' پرورش کی' تعلیم دلوائی تم انہیں چھوڑ کر گھر سے نکل گئے ہو۔"

"انکل! اپنی کوئی ذاتی پسند اور ناپسند بھی ہوتی ہے ہم کبھی کسی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور کبھی کسی کے ساتھ رہتے ہوئے بے زاری محسوس کرتے ہیں۔ آپ اسے میری

حماقت سمجھیں یا بدمزاجی سمجھیں۔ وہ مجھے پیدا کرنے والے میرے ذہن پر گراں گزرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔"

"تعجب ہے تمہیں پیدا کرنے والے تمہارے ذہن پر گراں گزر رہے ہیں؟ تم ان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ اپنے ماں باپ سے بے زار ہو تو کل میری بیٹی سے بھی بے زار ہو سکتے ہو؟ اسے بھی چھوڑ کر کہیں جا سکتے ہو؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہوگی انکل! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اور عینی ایک دوسرے کو بچپن سے چاہتے ہیں۔"

"تم بچپن سے ماں باپ کو بھی چاہتے رہے ہو جس ماں کا دودھ پیا ہے جس باپ کے نام سے نیک نام ہوتے آئے ہو۔ جب ان سے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر سکتے ہو تو پھر میری بیٹی کیا چیز ہے؟"

وہ تھوڑی دیر تک سر کو جھکا کر بیٹھا رہا پھر بولا۔ "میں مجبور ہوں میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر کہوں گا کہ عینی میری زندگی ہے اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔"

جلال اکبر نے اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں اکثر سوچتا ہوں اور یہ اچھی طرح سمجھنے لگا ہوں کہ ضرور کوئی ایسی بات ہے جسے تم چھپا رہے ہو۔ ہم نہیں چاہتے۔ میں نے تمہاری ماں سے پوچھا۔ تمہارے باپ کو بھی کریدنے کی کو لی لیکن وہ بھی انجان بن رہے ہیں' کہتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے بس تم ذرا بدمزاج ہو۔ غصے کے تیز ہو۔ دماغ جلدی گرم ہو جاتا ہے۔ بات بے بات پر جھگڑا کرتے ہو۔ گھر میں سکون سے نہیں رہتے اس لئے گھر چھوڑ کر چلے گئے ہو۔"

عدنان نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ عینی اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی اور یہ چاہتی تھی کہ عدنان جواب میں کچھ بولے۔ اس کے باپ کی تسلی کرے لیکن وہ گم صم بیٹھا ہوا تھا۔ آخر جلال اکبر نے کہا۔ "میں تمہیں جانتا ہوں تم میری بیٹی کو بہت چاہتے ہو لیکن میں اس وقت تک اپنی بیٹی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں نہیں دوں گا جب تک کہ تمہارے سر پر تمہارے ماں باپ کا سایہ نہیں ہوگا اور وہ سرپرست بن کر یہاں رشتہ مانگنے اور تاریخ مقرر کرنے نہیں آئیں گے۔ تم موجودہ حالات میں دنیا کے کسی بھی ماں باپ

سے اس کی لڑکی کا رشتہ مانگو تو وہ تمہیں کبھی قبول نہیں کریں گے کیونکہ نہ تمہارا گھر ہے اور نہ ہی تم اپنے بزرگوں سے محبت کئے بغیر اور ان کا اعتماد حاصل کئے بغیر اپنا حسب و نسب بیان کرسکتے ہو اور یہ ثابت کرسکتے ہو کہ تم ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ اگر تعلق رکھتے ہو تو کہاں ہے وہ خاندان؟ کہاں ہے وہ گھرانہ؟ تمہیں کسی گھر میں عزت نہیں ملے گی۔ یقین نہیں ہے تو جاؤ کسی بھی گھر سے رشتہ مانگ کر دیکھو کیا جواب ملتا ہے؟"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر بولا۔ "میں اجازت چاہتا ہوں۔"

"بے شک جاؤ.......... لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ جب تک تمہارے سر پر تمہارے ماں باپ کا سایہ نہیں ہوگا اور تم ان سے معافی نہیں مانگو گے اس وقت تک میں اپنی بیٹی کو تم سے ملنے بھی نہیں دوں گا۔ تم اس کا نام بھی نہیں لو گے۔ اس سے فون پر بھی بات نہیں کرو گے۔"

اس نے بڑے دکھ اور کرب سے عینی کو دیکھا پھر تیزی سے پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ڈرائنگ روم اور پھر اس بنگلے سے باہر آگیا۔ وہ عینی سے اس کی آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد ملنے یا فون کرنے کا موقع نہیں ملا۔ تقدیر اسے اس جیل خانے میں لے آئی تھی۔

☆------☆------☆

وہ جیل خانے میں اس کی آخری رات تھی۔ وہاں کے اندھیرے میں وہ فرش پر بیٹھا رہا۔ کبھی لیٹا رہا کبھی کروٹیں بدلتا رہا۔ اسے رہائی کی خوشی میں سو جانا چاہئے تھا لیکن فکر پریشان کر رہی تھی۔ عینی اس کے اندر آکر پوچھ رہی تھی۔ "تم جیل سے باہر آؤ گے تو تمہارا رویہ کیا ہوگا؟ کیا تم میرے ڈیڈی کی بات مان لو گے؟ اپنے ماں باپ سے صلح کرلو گے؟ کیا میری خاطر اتنا نہیں کرو گے؟"

ایک برس کی طویل جدائی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ اسے ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ بھی اس کے لئے تڑپ رہی ہوگی۔ اس سے ملنا چاہتی ہوگی لیکن بڑی سعادت مند بیٹی تھی۔ ماں باپ کی ہدایت پر عمل کرتی تھی۔ ایک بار والدین کو دھوکہ دے کر اس سے بارہ دری میں ملنے آئی تھی۔ پھر اس کے بعد ملاقات کا کوئی موقع ہی نہیں ملا۔ اب وہ جانتا

تھا کہ جیل سے باہر جائے گا تب بھی وہ اس سے ملنے نہیں آسکے گی۔ بہت مجبور ہوگی۔

وہ سوچتا رہا اور کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر پتہ نہیں کب نیند آگئی۔ اس ایک برس میں وہ صبح فجر کے وقت بیدار ہونے کا عادی ہوگیا تھا۔ اس کی آنکھ آپ ہی آپ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نمازیوں کے لئے وضو وغیرہ کا معقول انتظام تھا۔ وہ غسل اور وضو سے فارغ ہوکر نماز پڑھنے چلا گیا۔ اس روز اسے حکم دیا گیا کہ نماز کے بعد مشقت کے لئے نہ جائے۔ جیلر کے دفتر کے سامنے جاکر بیٹھ جائے۔

اس نے حکم کی تعمیل کی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہاں دفتر کے باہر آکر بیٹھ گیا تھا اور انتظار کرتا رہا تھا۔ صبح جیلر نے اسے اپنے آفس میں بلوایا اس نے اندر آکر اسے سلام کیا۔ جیلر نے پوچھا۔ "تمہارا نام؟"

اس نے کہا۔ "راؤ عدنان علی۔"

"باپ کا نام؟"

وہ خاموش رہا۔ جیلر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "باپ کا نام؟"

وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولا۔ "یاد نہیں ہے۔"

جیلر نے اسے چونک کر دیکھا پھر تعجب سے پوچھا۔ "واٹ.........؟ یاد نہیں ہے؟"

وہ کچھ نہ بولا۔ خاموش سر جھکائے کھڑا رہا۔ جیلر نے ناگواری سے کہا۔ "دنیا کا کوئی انسان آخری سانس تک اپنے باپ کا نام نہیں بھولتا اور تم کہتے ہو کہ یاد نہیں ہے۔ بی ہیو یور سیلف۔ باپ کا نام بتاؤ؟"

اس نے جیلر کے سامنے رکھے ہوئے رجسٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کے سامنے رجسٹر پر باپ کا نام لکھا ہوا ہے۔"

اس نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری زبان سے نام سننا چاہتا ہوں۔"

"نام بھولنے کے جرم میں آپ میری سزا بڑھا سکتے ہیں۔"

جیلر نے اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر ذرا نرمی سے کہا۔ "تمہاری سزا ختم ہوچکی ہے۔ ہماری کوشش یہ ہوتی ہے کہ مجرم اپنے پچھلے جرائم کو بھول کر یہاں سے جائیں اور تم ہو کہ باپ کا نام بھول رہے ہو۔ کیا باپ سے تمہارا جھگڑا ہے؟"

"آپ ایسی ہی کوئی بات سمجھ لیں۔"

"اگر کوئی جھگڑا ہے تو اسے گھر کی چار دیواری میں ہی رہنا چاہئے۔ باہر تم باپ کے نام سے انکار کرو گے تو تمہیں نیک نامی نہیں بدنامی ملے گی کیا دنیا والوں کو یہ جتلانا چاہتے ہو کہ تمہارا کوئی باپ نہیں ہے؟"

اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے غصے سے دیکھا۔ جیلر نے کہا۔ "میری اس بات سے تمہیں اچانک غصہ آیا ہے اس کا مطلب ہے کہ باپ سے تعلق نہیں ٹوٹا۔ وہ تمہارے اندر موجود ہے اور غیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ بیٹے کو باپ ہی کے نام سے اور اس کی ذات سے ملا رہنا چاہئے۔"

وہ عاجزی سے بولا۔ "پلیز......... آپ اس موضوع پر بات نہ کریں۔"

"ہم یہاں سے رہائی پانے والے ہر قیدی کو اچھی باتیں سکھاتے ہیں۔ میں تم سے زیادہ نہیں بولوں گا۔ صرف آخری ایک بات کہوں گا کہ اگر باپ غلطی پر ہے اور تم اس سے ناراض ہو تو ناراضگی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ باپ کو غلطی کا احساس دلاؤ اور اس کی غلطی کو معاف کردو۔ جب بزرگ اپنے بچوں کی بڑی سے بڑی غلطیاں معاف کرسکتے ہیں تو کیا تم اپنے باپ کو معاف نہیں کرسکتے؟"

وہ بے چینی سے سر جھکا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جیلر سے نظریں چرانے لگا۔ اس نے کہا۔ "اور اگر باپ غلطی پر نہیں ہے تو پھر تم اپنی غلطی کو سمجھو اور اپنے باپ سے معافی مانگو۔ بس یہی میری آخری نصیحت ہے۔ اس کے آگے کچھ نہیں کہوں گا۔"

اس نے گھنٹی بجا کر محرر کو بلایا پھر کہا۔ "اس سے رہائی کے کاغذات سائن کراؤ اور اسے جانے دو۔"

اس نے اپنے سامنے رکھے ہوئے رجسٹر کو اٹھا کر محرر کے حوالے کیا۔ محرر نے عدنان سے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

عدنان نے جیلر کو سلام کیا پھر پلٹ کر محرر کے پیچھے اس کمرے سے چلا گیا۔

☆======☆======☆

دیوار پر عدنان کی ایک بہت بڑی تصویر لگی ہوئی تھی۔ اسماء ایک کرسی پر چڑھی ہوئی اسے اپنے آنچل سے صاف کر رہی تھی۔ بڑے پیار سے اسے دیکھتی جارہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے بیٹا بھی اسے دیکھ رہا ہے۔ دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈوبے

ہوئے ہیں۔ وہ تو اس طرح ڈوب گئی تھی کہ تصویر کو صاف کرنا بھول گئی تھی۔ ٹھہر گئی تھی۔ اپنے بیٹے کی آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوب کر ابھرنا بھول گئی تھی۔

ایک ملازمہ اور دو ملازم پورے ڈرائنگ روم کی صفائی میں مصروف تھے۔ آج شام سالگرہ کی تقریب تھی اور آج بیٹا جیل سے بھی رہا ہو کر آنے والا تھا۔ ایک ساتھ دو خوشیاں تھیں۔ بیٹے کی رہائی اور اس کی آمد ذہن پر زیادہ چھائی ہوئی تھی۔ زیادہ اہمیت بیٹے کی تھی۔ سالگرہ کی تقریب تو دنیا والوں سے میل ملاپ رکھنے کا ایک بہانہ تھا۔

وہ ناراض ہو کر گیا تھا۔ پھر گھر لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ وہ بیٹے کی آس لگائے رہتی تھی۔ اپنے میاں فرمان علی سے کہا کرتی تھی کہ اسے تلاش کریں۔ اسے میری ممتا کا واسطہ دیں۔ کسی بھی طرح اسے میرے پاس لے آئیں۔ میں اسے منالوں گی۔ اس کا غصہ دور کردوں گی۔ وہ بچہ ہے نادان ہے۔ اسے سمجھانا ہمارا فرض ہے۔

وہ پچھلے کئی برس سے دل کی مریضہ تھی۔ حالات نے اس کا دل اس طرح توڑا تھا کہ وہ ٹوٹ کر بری طرح بکھر گئی تھی۔ بری طرح برباد ہوگئی تھی۔ نہ گھر رہا تھا نہ شوہر رہا تھا۔ پھر اولاد بھی نہیں رہی تھی۔

پھر جب حالات درست ہونے لگے۔ بات بننے لگی۔ شوہر اس کی زندگی میں واپس آگیا تو بیٹا اس کی زندگی سے دور نکل گیا۔ اس پر دو بار دل کا دورہ پڑ چکا تھا۔ ڈاکٹر نے سختی سے تاکید کی تھی کہ اسے کسی طرح کا صدمہ نہ پہنچایا جائے ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کی جائے۔ پھر ان حالات میں دمے کا مرض بھی رفتہ رفتہ جڑ پکڑتا گیا تھا۔ اس کی سانس اچانک ایسے رکنے لگی تھی جیسے دم نکلنے ہی والا ہو۔ ڈاکٹر نے اسے انہیلر لینے کے لئے کہا تھا۔ جب وہ اس کے ذریعے سانس کھینچتی تھی تو پھر جان میں جان آتی تھی۔ سانس پھر بحال ہوجاتی تھی۔

وہ انہیلر ایسی دوا تھی جو اس کے لئے لازمی ہوگئی تھی اور وہ اسے ہمیشہ پرس میں رکھا کرتی تھی۔

وہ کرسی پر چڑھی۔ تصویر کو بڑے ممتا بھرے جذبے سے دیکھ رہی تھی۔ دوپٹے کے آنچل سے ہلکے ہلکے اس کے شیشے کو پونچھ رہی تھی۔

پھر اس شیشے میں راؤ فرمان علی دکھائی دیا۔ وہ مسکرا کر بولی۔ "بیٹے کی تصویر پر آپ کا

عکس دکھائی دے رہا ہے۔ باپ بیٹا ایک ہوگئے ہیں۔"

اس نے پلٹ کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ فرمان علی نے بڑے دکھ سے بیٹے کی تصویر کو دیکھا۔ پھر ہمدردی سے اپنی بیوی کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "اسماء.........! بیٹے کے ذہن سے گرد جھاڑنے کی ضرورت ہے۔ تصویر کے شیشے کو صاف کرنے سے بیٹے کا ذہن صاف نہیں ہوگا۔"

وہ کرسی سے اتر کر بولی۔ "آپ نے کہا تھا گیارہ بجے تک میرے بیٹے کو رہائی ملے گی۔ ابھی نو بجے ہیں۔ اگر ہم اس کا استقبال کرنے جائیں گے تو اس کے دل سے سارا غبار دھل جائے گا۔"

راؤ فرمان علی نے اس کے شانے پر ہمدردی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ کوئی کارنامہ سرانجام دیتا تو میں ابھی پھولوں کے ہار لے جاتا۔ اسے ہار پہنا کر دھوم دھام سے یہاں لے کر آتا۔"

وہ مایوسی سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا۔ "میری بات کو سمجھو۔ اسے خود ہی یہاں آنے دو۔ اسے احساس ہونے دو کہ اس نے غلطی کی تھی اور غلطی کی سزا ہمارے جیسے رئیس اعظم کو بھی ملتی ہے۔"

"آپ ضدی ہیں۔ آپ کا بیٹا بھی ضدی ہے۔ جس طرح میں آپ کو سمجھا منا لیتی ہوں۔ آپ کی ضد کو ختم کر دیتی ہوں۔ اسی طرح اپنے بیٹے کی بھی ضد ختم کر سکتی ہوں۔ مگر وہ سامنے آئے تو سہی۔"

"جلال اکبر نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ سے فون پر کہا ہے کہ وہ جیل سے رہا ہونے کے بعد یہاں آئے گا۔ ضرور آئے گا اگر کسی وجہ سے ابھی نہ آسکا تو شام کو سالگرہ کے وقت تو ضرور یہاں پہنچے گا۔"

"آپ اپنے دوست کی بات پر بھروسہ کر رہے ہیں؟ خود وہاں جانا نہیں چاہتے۔"

"دوست کی بات کی زیادہ اہمیت ہے کیونکہ اس کی بیٹی کو تمہارا بیٹا چاہتا ہے اور تم اپنے بیٹے کو چاہتی ہو۔ اب ذرا سمجھو تو سہی یہ چاہت کیسے تڑپاتی ہے؟ کیسے انسان کو راہ راست پر لاتی ہے؟ وہ ہم سے ناراض سہی لیکن بیٹی کے باپ کو راضی رکھنے کے لئے وہاں اس سے ملنے ضرور جائے گا۔"

ایک ملازم نے آکر کہا۔ "سر! ایک من مٹھائی کا آرڈر دے دیا ہے۔ پکوان والے بھی کہہ رہے تھے کہ رات آٹھ بجے کھانا یہاں پہنچ جائے گا۔"

فرمان نے کہا۔ "وہ......... ٹیلر ماسٹر کے پاس گئے تھے؟"

"جی ہاں......... عدنان صاحب کا نیا سوٹ تیار ہوچکا ہے۔ وہ ابھی لے کر آ رہا ہے۔"

اسماء خوش ہو کر عدنان کی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ فرمان علی اس ملازم سے کہہ رہا تھا۔ "انتظامات ایسے ہوں کہ کسی کو کوئی شکایت نہ ہو۔ یہ ہماری شادی کی پچیسویں سالگرہ ہے۔ لوگ یہ کہنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ واقعی ہم نے شادی کی سلور جوبلی منائی ہے۔"

وہ چلا گیا۔ اسماء نے فرمان کا بازو اپنی طرف ایک جھٹکے سے کرتے ہوئے کہا۔ "ہم سالگرہ کی خوشی نہیں منا رہے ہیں۔ اپنے بیٹے کی آنے کی خوشیاں منا رہے ہیں۔"

وہ گہری گہری سانس لینے لگی۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر بڑی مشکل سے بولی۔ "آپ......... آپ کیوں حقیقت کو جھٹلا رہے ہیں؟ بولئے ناں......... ہم اپنے بیٹے کے آنے کی خوشیاں منا رہے ہیں۔"

اس نے جلدی سے اسماء کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "ہاں......... ہاں ہم اپنے بیٹے کے آنے کی خوشیاں منا رہے ہیں لیکن دنیا والوں سے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ جیل سے آرہا ہے اور ایک برس کے بعد آرہا ہے۔ خوشی منانے کا بہانہ تو چاہئے۔ اس لئے ہم یہ شادی کی سلور جوبلی منا رہے ہیں۔"

وہ گہری گہری سانس لے رہی تھی۔ اسے سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ فرمان نے اسے سہارا دے کر صوفے پر بٹھا کر کہا۔ "یہاں آرام سے بیٹھو۔ کیا انہیلر لینا چاہو گی؟"

اس نے انکار کر انداز میں ایک ہاتھ کو آگے بڑھایا پھر کہا۔ "نہیں......... ٹھیک ہوں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ڈاکٹر نے یہ بھی تو کہا ہے کہ بار بار انہیلر نہیں لینا چاہئے۔"

وہ اسے تھپک کر بولا۔ "ہاں......... شاباش خود کو سنبھالتی رہو گی تو بار بار ایسی دواؤں کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"آپ ایک کام کریں۔ جلال بھائی کو فون پر کہیں وہ ڈی آئی جی ہیں۔ پولیس کے

بہت بڑے افسر ہیں۔ وہ عدنان کو لینے چلے جائیں وہ خوش ہوجائے گا۔ اسے احساس ہوگا کہ اس کی غلطیوں کے باوجود ہم اسے کتنا چاہتے ہیں۔"

"پلیز اسماء.........! ایسی بے تکی باتیں نہ کرو۔ میرا دوست پولیس کا بہت بڑا افسر ہے وہ ایک مجرم کے استقبال کے لئے جائے گا تو پریس والے کیسی کیسی باتیں چھاپیں گے؟"

"جلال بھائی نے تو میرے بیٹے کو گرفتار کروا کے اپنا نام اونچا کیا ہے۔ لوگ تعریفیں کر رہے ہوں گے کہ انہوں نے دوست کے بیٹے کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ قانون کی بالادستی قائم کی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ہمارے دوست احباب تو کیا قریبی رشتہ دار بھی نہیں جانتے کہ عدنان پچھلے ایک برس سے جیل میں سزا کاٹ رہا ہے۔ ڈی آئی جی جلال اکبر کے حکم سے اس بات کو بہت راز میں رکھا گیا ہے۔ پریس والوں تک بھی یہ خبر پہنچنے نہیں دی گئی تھی۔ ہم نے آج جسے بھی دعوت پر بلایا ہے' اسے یہی کہا ہے کہ ہمارا بیٹا کاروباری سلسلے میں لندن گیا ہوا تھا۔ وہاں وہ کاروبار سنبھال رہا تھا۔ آج یہاں پہنچنے والا ہے۔"

وہ خوش ہوکر اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "آپ بہت اچھے باپ ہیں۔ بہت محبت کرنے والے باپ ہیں۔"

وہ آگے اور کچھ کہہ نہ سکی۔ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔ وہ اسے بڑی محبت سے تھپکتے ہوئے بولا۔ "آج یہاں آنے والے مہمان یہی سمجھیں گے کہ ہم اپنی شادی کی پچیسویں سالگرہ منا رہے ہیں کیا ہم نے پہلے کبھی سالگرہ منائی ہے؟"

وہ ایک توقف سے بولا۔ "نہیں......... میں اندر سے بیٹے کے آنے کی خوشیاں منا رہا ہوں۔ یہ سالگرہ تو ایک بہانہ ہے ہم اس کا استقبال کرنے والے ہیں۔ وہ آئے گا۔ ضرور آئے گا۔"

وہ اسماء کو تھپک رہا تھا۔ اسے تسلیاں دے رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں بہت اداس تھیں۔ چہرے کے تاثرات کہہ رہے تھے کہ شاید بیٹا نہیں آئے گا۔

☆=====☆======☆

مُلا بختاور مصلے پر بیٹھا ہوا تسبیح پڑھ رہا تھا۔ وہ نماز کا وقت نہیں تھا۔ کاروبار کا وقت تھا۔ وہ ایسے وقت بھی مصلے پر آکر بیٹھ جاتا تھا۔ پھر انگلیوں کے درمیان تسبیح کے دانے پھیرتا رہتا تھا۔ متعلقہ کاروباری لوگوں سے باتیں بھی کرتا رہتا تھا۔ یہ تاثر دیتا رہتا تھا کہ کاروبار کے وقت بھی وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانتا ہے اس لئے کاروبار میں نہ جھوٹ بولتا ہے نہ دھوکہ دیتا ہے۔ صاف اور سچی باتیں کرتا ہے اور کسی شک و شبہے سے بالاتر ہوکر اپنا دھندہ جاری رکھتا ہے۔

اس وقت بھی دو کاروباری حضرات اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور وہ ان سے کہہ رہا تھا۔ "اللہ ہی اللہ......... آج کے دن میں نے اپنا سارا کاروبار بند رکھا ہے۔"

ایک شخص نے پوچھا۔ "آج اتوار نہیں ہے کوئی تہوار نہیں ہے پھر کاروبار بند کیوں رکھا ہے؟"

اس نے تسبیح کے دانوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ "اللہ ہی اللہ......... آپ نے اخبارات میں پڑھا ہے کہ کتنا زبردست سیلاب آیا ہے کتنے ہی گھر بہہ گئے ہیں۔ لوگ گھر سے بے گھر ہوگئے ہیں۔ فاقے کر رہے ہیں۔ کھانے کے لئے اناج ہے نہ سونے کے لئے بستر ہے نہ پہننے کے لئے کپڑا ہے۔ سردیوں کے دن ہیں اور انہیں ایک کمبل بھی نصیب نہیں ہو رہا ہے......... اللہ ہی اللہ........."

دوسرے شخص نے پوچھا۔ "کیا آپ کے کاروبار بند رکھنے سے ان کی پریشانیاں دور ہوجائیں گی؟"

"اللہ ہی اللہ......... انسان کوشش کرے اور نیکی کرنا چاہے تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ میں نے اخبارات کے ذریعے اپیل کی ہے کہ جو صاحب ثروت ہیں وہ سیلاب زدگان کی امداد کے لئے کچھ نہ کچھ میرے پاس پہنچاتے رہیں میں وہ امدادی سامان آفت زدہ لوگوں تک پہنچاتا رہوں گا۔ کل رات ہی میں نے دو ٹرک سامان بھیجا ہے۔ جن میں اناج ہے دوائیں ہیں۔ کچھ پہننے کے کپڑے اور بستر وغیرہ ہیں۔"

ایک شخص نے کہا۔ "ہم نے آپ کو جب بھی دیکھا ہے نیکی کرنے میں سب سے

آگے دیکھا ہے۔ یہ کام تو ہمیں بھی کرنا چاہئے تھا مگر آپ ہمیشہ بازی لے جاتے ہیں۔"

مصلے کے پاس رکھا ہوا فون شور مچانے لگا۔ مُلا بختاور نے ریسیور کو اٹھا کر کان سے لگا کر کہا۔ "اللہ ہی اللہ............ میں ہوں مُلا بختاور............"

اس نے دوسری طرف کی باتیں سنیں پھر کہا۔ "نہیں جی............ ہم کیا اور ہماری بساط کیا؟ ہم سیلاب زدگان کی امداد آپ حضرات کے تعاون سے ہی کر رہے ہیں............ جی............ جی محترم............ جی ہاں یہی اناج............ دوائیں............ اور کمبل وغیرہ جو آپ دینا چاہیں۔ ہمارے کارکن آپ کے در پر حاضری دے کر لے آئیں گے۔"

وہ تھوڑی دیر تک دوسری طرف کی باتیں سنتا رہا پھر بولا۔ "سبحان اللہ............ اللہ ہی اللہ............ اللہ آپ کو اور زیادہ نیکی کی توفیق دے۔ آمین............ اچھا جی وعلیکم اسلام............ ایک ساتھ ہمارے ساتھ بولیں............ اللہ ہی اللہ۔" اس نے دوسری طرف کی آواز سن کر کہا۔ "شاباش............ اللہ ہی اللہ............"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا۔ "میں چاول دال اور آٹے کی دو دو بوریاں دینا چاہتا ہوں۔"

اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اللہ ہی اللہ............"

دوسرے شخص نے کہا۔ "آپ تو جانتے ہیں کہ میں دواؤں کا اسٹاکسٹ ہوں۔ شام تک مختلف امراض کے سلسلے میں دوائیں بھیج دوں گا۔"

"اللہ ہی اللہ............ آپ تکلیف نہ کریں۔ میرا آدمی خود آپ کے پاس آئے گا۔ آپ وہ سامان اس کے حوالے کر دیں۔"

اس نے ملازم کو آواز دی۔ وہ دوڑتا ہوا آیا۔ مُلا بختاور نے کہا۔ "تم ابھی ان کے ساتھ جاؤ گے اور ان کی دکانیں دیکھ لو گے۔ وہاں سے جو بھی امدادی سامان ملے وہ سب گاڑی میں رکھوا کر یہاں لے آؤ گے۔ آج رات کو بھی ہمارے دو ٹرک امدادی سامان لے کر جانے والے ہیں۔"

وہ دونوں شخص وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ ملازم بھی ان کے پیچھے چلا گیا۔ مُلا بختاور نے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے۔ پھر انتظار کیا دوسری طرف کی آواز سن کر کہا۔ "اللہ ہی اللہ............ میں مُلا بختاور بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "یس باس............!"

وہ بولا۔ "مجھے باس نہ کہو۔ میں اس وقت مصلے پر ہوں۔"

اس نے ایک انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت صرف وہی ایک باس ہوتا ہے میں تو اس کا ایک ناچیز بندہ ہوں۔ میں نے عدنان کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے فون کیا ہے۔ وہ اب تک رہا ہو چکا ہوگا؟"

"یس باس............! سوری معافی چاہتا ہوں............ ابھی آپ باس نہیں ہیں۔ ہمارے ان داتا ہیں۔ عدنان کو جیل سے لینے کے لئے جانا ہوگا؟"

"اب تو دس بج چکے ہیں۔ اسے رہائی مل چکی ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت وہ کہاں ہوگا............؟ اللہ ہی اللہ............"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ مصلے سے اٹھ کر اسے لپیٹ دیا۔ پھر ایک ملازم کو آواز دی۔ ملازم دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے کہا۔ "ہماری گاڑی نکالو ہم عدنان سے ملنے جائیں گے............ اللہ ہی اللہ............"

☆======☆======☆

سنٹرل جیل کے سامنے ایک کار اور دو بڑی ویگن کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان کے آس پاس نوجوان لڑکے اور لڑکیاں موجود تھے۔ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ جب سنٹرل جیل کا دروازہ کھلا اور عدنان باہر آیا تو سب ہی اچھل کر تالیاں بجانے لگے۔ کوئی گٹار سے کھیلنے لگا۔ سب تالیاں بجاتے شور مچاتے اس کے قریب آئے۔ ایک لڑکی نے اسے پھولوں کا ہار پہنایا۔ عدنان کی نظریں دور تک اپنے ساتھیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ کسی کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ نظر نہیں آرہی تھی۔

ایک نوجوان ساتھی نے کہا "............ ہیۓ عدنان............! تیرے جانے سے محفلوں کی رونق چلی گئی تھی۔"

دوسرے ساتھی نے کہا۔ "اب تیرے آنے سے بہار آئے گی۔"

ایک حسین لڑکی نے کہا۔ "میں تو آگئی ہوں۔"

دوسری لڑکی نے کہا۔ "بہار!............ یہ تجھے نہیں دوسری بہار کو کہہ رہا ہے۔"

بہار نے کہا۔ "اچھا............ تو دوسری بہار بھی ہے۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ میرا نام

یونیک ہے۔ سب سے منفرد ہے۔ کسی اور کا نام بہار نہیں ہوگا۔"

دوسری لڑکی نے تنک کر کہا۔ "پتہ نہیں.......... تم خود کو کیوں سدا بہار سمجھتی ہو؟"

ایک لڑکے نے کہا۔ "ارے تم لڑکیاں کس بحث میں پڑ گئی ہو؟ ہمیں اپنے دوست کی رہائی کی خوشیاں تو منانے دو۔"

عدنان کی نگاہوں نے جب اسے نہیں پایا تو وہ خیالوں میں نظر آنے لگی۔ دونوں بانہیں پھیلا کر دوڑتی ہوئی آنے لگی۔ عدنان خوش ہونے لگا لیکن ایک دوست نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ "بھئی..........! کہاں گم ہوگئے ہو؟ وہ جو بیچتے تھے دوائے دل۔ وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔"

ایک لڑکی نے کہا۔ "تم جسے مس کر رہے ہو۔ وہ مس نہیں آئے گی۔"

اس کے دوست شاکر نے کہا۔ "عینی کو تم ہی نہیں.......... ہم بھی مس کر رہے ہیں۔ وہ بے چاری مجبور ہے۔ اپنے والد کے حکم سے نیک پروین بن رہی ہے۔"

عدنان نے کہا۔ "انکل بہت کڑک ہیں۔ کاش وہ پولیس والے نہ ہوتے۔"

شاکر نے کہا۔ "پولیس والوں کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے انہیں تمہارے لئے کچھ تو نرم گوشہ رکھنا چاہئے۔"

بہار نے قریب آکر کہا۔ "آج رہائی کی خوشی میں ہم سب انجوائے کر رہے ہیں اور تم اداس دکھائی دے رہے ہو۔ بھئی یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اگر عینی نہیں آئی ہے تو ہم میں سے کسی کو عینی سمجھ لو۔ تم کہو تو میں اپنا نام بدل کر عینی کہلانے لگوں گی۔"

اس بات پر سب ہی ہنسنے لگے۔ عدنان نے کہا۔ "'بہار' میں تمہاری بہت قدر کرتا ہوں لیکن میری عینی جیسی کوئی نہیں ہوسکتی۔ پلیز.......... مائنڈ نہ کرنا۔"

پھر اس نے شاکر سے کہا۔ "اپنا موبائل فون دو۔"

کتنے ہی لڑکے لڑکیوں نے اپنے اپنے موبائل فون بڑھا دیئے اس نے ایک سے فون لیا پھر اس پر نمبر پنچ کرتا ہوا اس سے ذرا دور آگیا۔ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگا۔ بڑی دیر کے بعد وہ رس بھری آواز کانوں میں اترنے لگی۔ "ہیلو.......... کون..........؟"

عدنان نے آنکھیں بند کرلیں۔ اسے بند آنکھوں کے پیچھے سے دیکھنے لگا۔ وہ مسکرا

رہی تھی۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ "شاکر.......... یہ تم ہو؟ میں سی ایل آئی میں تمہارے فون کا نمبر دیکھ رہی ہوں۔"

عدنان نے ایک گہری سانس چھوڑی۔ دوسری طرف عینی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ بولی۔ "عدنان..........! تم.......... یہ تم ہو..........؟ میں تمہاری ایک ایک آہٹ.......... ایک ایک آواز کو.......... اور سانس کے ایک ایک ارتعاش کو پہچان سکتی ہوں.......... یہ تم ہو ناں عدنان..........؟

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "ہاں.......... یہ میں ہوں۔ انسانوں کے پنجرے سے باہر آکر دیکھ رہا ہوں۔ میری رہائی کی خوشی مجھے نظر نہیں آرہی ہے۔"

وہ بڑے دکھ سے بولی۔ "سو سوری عدنان..........! تم تو جانتے ہی ہو۔"

"ہاں.......... تمہارے ڈیڈی کچھ زیادہ ہی ظالم سماج بن رہے ہیں۔"

وہ التجا آمیز لہجے میں بولی۔ "پلیز.......... اسے ظلم نہ سمجھو.......... میرے پاپا نے میری بھلائی کے لئے ایسا کیا ہے۔"

وہ بولا۔ "اس کا مطلب ہے کہ میں برا ہوں۔ مجھ سے دور رہنا تمہاری بھلائی ہے۔"

"بات کو سمجھا کرو۔ میرے بزرگ ایسا سمجھ رہے ہیں تو تم خود کو اچھا ثابت کرو۔"

"اچھے کو اچھا ثابت کرنے کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

"سونے کو سونا ثابت کرنے کے لئے اسے کسوٹی پر چڑھانا پڑتا ہے۔ بزرگوں کے طرز عمل کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"بزرگ حضرات تو مجھے سمجھا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تم نے بھی مجھے سمجھانے کا بیڑہ اٹھا لیا ہے؟"

"دیکھو عدنان' میرے ڈیڈ کو تم سے یہی شکایت ہے کہ خود کو اوور اسٹیمیٹ کرتے ہو۔ تمہاری عقل جتنی ہے اس سے زیادہ ذہانت کا مظاہرہ کرنے لگتے ہو۔ اپنے سامنے دوسرے کو ذہین نہیں سمجھتے۔ سب کو ناتجربہ کار سمجھنے لگتے ہو۔"

"تم اپنے ڈیڈی کی زبان بول رہی ہو۔ کیا تمہاری یہی نصیحتیں سننے کے لئے جیل سے باہر آیا ہوں؟ کیا تم سمجھ سکتی ہو کہ اتنی بڑی دنیا میں میرے لئے کہیں محبت نہیں ہے

اور جس سے مل سکتی ہے وہ بوڑھی نصیحتیں کر رہی ہے۔"

"دیکھو عدنان..........! تمہارے لہجے سے پتہ چل رہا ہے کہ تمہارا دماغ پھر گرم ہو رہا ہے۔ تمہیں پھر غصہ آنے والا ہے۔ پلیز' غصہ کرو گے اور فون بند کرو گے تو میں دوسری بار فون نہیں کرسکوں گی اور نہ تم کرسکو گے۔ جانتے ہو کیوں..........؟"

"یہ بھی بتا دو کہ میں دوسری بار فون کیوں نہیں کرسکوں گا۔"

"ڈیڈی نے کہا تھا کہ ایک برس بعد جیل سے باہر آؤ گے تو مجھ سے فون پر ضرور بات کرنا چاہو گے لہٰذا میں تم سے صرف ایک بار بات کرسکتی ہوں۔ بار بار بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

"کیا تمہارے ممی اور ڈیڈی تمہارے آس پاس ہیں؟"

"نہیں..........وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں اپنے بیڈ روم میں ہوں۔"

"تو پھر میری ایک بات مانو.......... ان سے یہ نہ کہنا کہ میں نے ابھی تمہیں فون کیا تھا۔"

"عدنان..........! انہیں پوری امید ہے کہ تم جیل سے نکلتے ہی پہلے مجھے فون کرو گے اور ان کا یہ خیال درست ہے۔ دیکھو' تم مجھے فون کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا ہے کہ جیسے ہی تمہارا فون آئے تو انہیں بتایا جائے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ تم جیل سے باہر آچکے ہو۔"

"میری ایک بات مان لو۔ ابھی انہیں نہ بتاؤ کہ میں نے تمہیں فون کیا تھا۔"

"تم ہمیشہ جھوٹ بولنا ہی سکھاتے رہتے ہو۔"

"سچی محبت کی بقاء کے لئے کبھی جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے۔"

"یہ کیسی محبت ہے کہ تم خود ہی ہمارے درمیان دیواریں کھڑی کرتے جا رہے ہو؟"

"مجھے الزام نہ دو۔ دیوار ہمارے بزرگ کھڑی کر رہے ہیں۔"

"تم ان کی معقول باتیں تسلیم کر لو گے اور ان پر عمل کرو گے تو پھر انہیں کوئی شکایت نہیں رہے گی۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم بچپن سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور انہوں نے یہ طے بھی کیا ہے کہ ہماری شادی ہو سکتی ہے لیکن اب اس کا انحصار تم پر

ہے۔ بولو کیا کرو گے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ نہ میں یہ کرسکتا ہوں نہ وہ کرسکتا ہوں نہ تمہیں چھوڑ سکتا ہوں نہ والدین سے صلح کرسکتا ہوں۔"

"میری ایک بات مانو گے؟"

"ماننے والی بات ضرور مانوں گا۔"

"تمہاری ممی پاپا تمہارے آنے کی خوشیاں منا رہے ہیں لیکن دوسروں سے یہی کہہ رہے ہیں کہ شادی کی سلور جوبلی منائی جارہی ہے۔"

"اگر انہیں مجھ سے محبت ہے تو پھر جھوٹ کیوں بول رہے ہیں۔"

"یہ تم موٹی عقل سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ کوئی کارنامہ سرانجام دے کر نہیں آرہے ہو۔ کیا اس بات کی خوشی منائی جائے کہ جیل سے رہا ہو کر آئے ہو؟"

وہ طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔ "یقیناً پاپا نے سب سے کہا ہوگا کہ میں ان کا کاروبار سنبھالنے کے لئے لندن گیا ہوا ہوں اور آج واپس آرہا ہوں۔"

"جھوٹ تو بولنا ہی پڑتا ہے۔ وہ بھی تمہاری خاطر.........."

"وہ جھوٹ بول رہے ہوں یا سچ بول رہے ہوں۔ خوشیاں منا رہے ہوں یا ماتم کر رہے ہوں' میں وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"پلیز.......... میری ہی خاطر وہاں آجاؤ۔"

"میں نے کہا ناں.......... مجھے اس گھر میں کانٹے چبھتے ہیں۔ میں نہیں جاؤں گا۔"

وہ چپ رہی۔ اس نے تھوڑی دیر انتظار کیا پھر پوچھا۔ "چپ کیوں ہو؟"

"سوچ رہی ہوں کہ ڈیڈی نے ہماری ملاقات پر پابندی لگائی ہے۔ اب تم آگئے ہو تو مجھے گھر سے تنہا نکلنے نہیں دیں گے۔ کبھی ممی اور کبھی ڈیڈی میرے ساتھ رہا کریں گے۔"

"تم چپ چاپ فون تو کرسکتی ہو؟"

"وہ سی ایل آئی میں نمبر پڑھ لیا کریں گے کہ میں نے کس وقت کس کو فون کیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ آج کے بعد مجھ سے یہ موبائل فون بھی لے لیں۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"ہاں.......... یہ تو بڑا ظلم ہوگا۔"

"تم چاہو تو یہ ظلم نہیں ہوگا۔ تم میرا مان رکھ سکتے ہو۔ کیا میں ملنا چاہوں گی تو تم مجھ سے ملو گے؟"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "میں ساری پابندیاں توڑ کر تم سے ملنے آؤں گا۔"

"ہمارے ملنے کی یہی ایک صورت ہے کہ تم سالگرہ پر آجاؤ۔ وہاں میں رہوں گی۔ تم آؤ گے تو ممی ڈیڈی بھی خوش ہو جائیں گے۔ پھر مجھے تم سے ملنے اور فون پر بات کرنے کی اجازت دیں گے۔"

اس بات پر وہ چپ رہا۔ کچھ سوچنے لگا۔ اس نے پوچھا۔ "اب تم کیوں خاموش ہو.......... کیا سوچ رہے ہو؟ ایک برس کے بعد آرہے ہو۔ میری بے چینی اور دل کی حالت کو سمجھو۔ کیا میرا دل تمہیں دیکھنے کے لئے نہیں مچلتا ہوگا؟ آج وہ بزرگ سالگرہ منا رہے ہوں۔ یا تمہارے آنے کی خوشیاں منا رہے ہوں، ہمیں تو ملنے کا بہانہ مل رہا ہے۔ کیا اس بہانے تم نہیں آؤ گے؟ کیا ایک برس بعد بھی نہیں ملو گے؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ہاں.......... یہی ایک بہانہ رہ گیا ہے۔ اب تو مجھے آنا ہی ہوگا۔"

وہ خوش ہو کر ہنستے ہوئے بولی۔ "تھینک یو عدنان..........! واقعی تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "یہ محبت بھی کیا ہوتی ہے؟ پہاڑوں کو جھکا دیتی ہے۔ میں آؤں گا میری جان ضرور آؤں گا لیکن ابھی ڈیڈی سے نہ کہنا کہ میں نے فون کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں پھر تم سے فون پر باتیں کروں گا۔"

سارے ساتھی اس کے قریب آگئے۔ پھر بولے۔ "عدنان! بس بھی کرو اسے کب تک مناتے رہو گے؟ وہ تمہارے پاس نہیں آئے گی۔ بھئی ہمیں تو مایوس نہ کرو۔"

عدنان نے کہا۔ "عینی..........! یہ سب تمہارے نہ آنے سے ناراض ہیں انہیں بھی منانا ہوگا۔ بہرحال میں ایک آدھ گھنٹے کے بعد فون کروں گا۔ خدا حافظ۔

اس نے موبائل فون بند کردیا۔ تمام لڑکے لڑکیاں خوش ہو کر شور مچانے لگے۔ کہنے لگے۔ "عدنان! واپس آگیا ہے نیک پردین نے اسے اجازت دے دی ہے۔ اب یہاں سے چلو۔"

ایک نے پوچھا۔ "پہلے کہاں جائیں گے؟"

"سب سے پہلے ہم اپنے بگ بوائز کلب میں جائیں گے۔ وہاں کھانے پینے کا جو انتظام کیا ہے اسے انجوائے کریں گے اس کے بعد عدنان پروگرام سیٹ کرے گا۔ آج کا دن اور آج کی رات ہم اسے تنہا نہیں چھوڑیں گے۔"

وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں میں جا کر بیٹھنے لگے عدنان، شاکر کی کار میں آکر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "بھئی.......... میں آج شام تک تمہارے ساتھ ہوں۔ پانچ بجے کے بعد میں نے عینی کو ٹائم دیا ہے۔ اس سے کہیں جا کر ملنا ہے۔"

شاکر نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اس کے ساتھ اس کی اگلی سیٹ پر اس کی گرل فرینڈ ہنی مون بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا نام کچھ اور تھا لیکن سب اسے ہنی مون کہا کرتے تھے۔

شاکر ڈرائیو کر رہا تھا۔ آگے پیچھے دو ویگنیں تھیں۔ تینوں گاڑیوں میں آج کی جوان نسل تھی۔ نیا خون تھا۔ نیا جوش تھا۔ اس لئے بڑے جوشیلے انداز میں ڈرائیو کرتے جا رہے تھے۔ کبھی اس سڑک پر کبھی اس سڑک پر گھوم رہے تھے۔ ٹریفک کی پرواہ کئے بغیر ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو گاڑی آگے نکل جاتی تھی۔ اس میں بیٹھے ہوئے جوان تالیاں بجا بجا کر چیخیں مار مار کر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔

آدھے گھنٹے کی مسلسل تیز رفتار ڈرائیونگ کے بعد آخر وہ ایک چھوٹی سی کوٹھی کے سامنے آکر رک گئے۔ اس کوٹھی کے مین گیٹ پر بڑا سا سائن بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔ بگ بوائز کلب.......... انہوں نے وہ کوٹھی کرائے پر حاصل کی تھی اور پچھلے کئی برسوں سے جوانی کا کلب قائم کیا ہوا تھا۔ وہ سب گاڑیوں سے اترنے لگے۔ عدنان نے کہا۔ "تم سب انجوائے کرو۔ میں شاکر کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اپنا یہ حلیہ بدل کر آؤں گا۔"

ایک ساتھی نے کہا۔ "تم تو اس حلئے میں بھی ایسے لگتے ہو جیسے.......... جیسے.........."

بہار نے لقمہ دیا۔ "جیسے گدڑی میں لعل۔"

سب ہنسنے لگے اور کوٹھی کے گیٹ سے اندر جانے لگے۔ عدنان، شاکر کی کار کی

اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنا چاہتا تھا۔ اسی وقت ایک کار اس کے پاس آکر رک گئی۔ کھڑکی کا کلرڈ شیشہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ اندر مُلا بختاور بیٹھا ہوا تھا۔

عدنان فوراً ہی کار سے اتر کر اس کے پاس آکر بولا۔ "انکل.......... میں اپنا یہ حلیہ بدل کر آپ کے پاس آنے والا تھا۔"

وہ بولا۔ "اللہ ہی اللہ.......... مگر ہم آگئے۔ تم نہیں تھے تو تمہارے کلب میں فیس بھی نہیں دی.......... یہ لو.........."

اس نے پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی نوٹوں کی گڈیوں میں سے ایک گڈی اٹھا کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "یہ پچیس ہزار ہیں۔ پندرہ ہزار ممبری فیس ادا کر دو اور دس ہزار اپنے لئے رکھو اور اپنا یہ حلیہ تبدیل کرو۔ نئے لباس نئے جوتے خریدو اور نئے سرے سے نئی زندگی شروع کرو۔"

"تھینکس انکل..........! آپ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔"

"اللہ ہی اللہ.......... جب تک ہم زندہ ہیں۔ تمہیں باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے۔ کبھی تمہیں اپنے باپ کے پاس نہیں جانا پڑے گا۔"

عدنان نے نوٹوں کی گڈی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "بے شک.......... آپ میری ساری فکر اور پریشانیوں ختم کر دیتے ہیں۔ میں کبھی اپنے ماں باپ کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"ہاں.......... یاد آیا آج رات دو بجے ہمارے دو ٹرک مال لے کر جانے والے ہیں۔ ان میں سیلاب زدگان کے لئے بہت سا سامان ہے۔ تم ان میں سے ایک ٹرک لے جاسکو گے؟"

"آپ حکم دیں گے تو ضرور لے جاؤں گا۔ پہلے بھی یہ کام کیا ہے۔"

"اللہ ہی اللہ.......... مگر تم ایک برس کی سزا کاٹ کر آرہے ہو۔ تھک گئے ہوگے۔ تمہیں آرام کرنا چاہئے۔"

"آپ میرے آرام کی پرواہ نہ کریں۔ یہ مال پہنچا کر آؤں گا تو پھر آرام ہی آرام کروں گا۔"

"ٹھیک ہے.......... جاؤ عیش کرو.......... اللہ ہی اللہ.........."

کھڑکی کا شیشہ اوپر چڑھتا گیا۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس کی کار آگے بڑھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد شاکر نے ناگواری سے اس کے ہاتھ میں نوٹوں کی گڈی دیکھ کر کہا۔ "اس ریڈی میڈ انکل کی وجہ سے ہی تو جیل گیا تھا۔ اب پھر اس کا احسان لے رہا ہے۔"

"میں اپنی غلطی سے جیل گیا تھا۔ مجھے انکل کا ٹرک لے جانا تھا۔ میں اندھیرے میں دوسرا ٹرک لے گیا تھا۔ غلطی میری تھی۔ اس میں اسمگلنگ کا مال تھا۔ کم آن یار.......... یہ انکل کا کوئی احسان نہیں ہے۔ میں ان کا کام کرتا ہوں۔"

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ شاکر اپنی محبوبہ ہنی مون کے ساتھ پچھلی سیٹ پر آگیا۔ پھر وہ وہاں سے جانے لگے۔

☆======☆======☆

اسماء کچن میں مصروف تھی جبکہ ڈاکٹر نے اسے کام کاج سے منع کیا تھا۔ چولہے کے پاس جانے کی تو سختی سے ممانعت تھی لیکن وہ دل سے مجبور ہو کر وہاں آگئی تھی۔ بیٹا آنے والا تھا اور وہ چنے کی دال کا حلوہ بہت ہی شوق سے کھاتا تھا۔ اس وقت وہ بیٹے کے لئے حلوہ تیار کر رہی تھی۔

ایک ملازمہ اس کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "تم نے میرے بیٹے کو دیکھا ہے ناں.......... کیسا لگتا ہے؟"

"بی بی جی..........! میں چھ مہینے سے یہاں نوکری کر رہی ہوں۔ آج تک آپ کے بیٹے کو نہیں دیکھا۔"

اسماء نے چونک کر بڑی اداسی سے سوچا۔ "چھ مہینے تو کیا وہ ایک برس سے جیل میں پڑا تھا۔ کوئی بھی اس کا پُرسان حال نہیں تھا۔ میں نے کتنی بار جانے کی ضد کی لیکن بیٹے کی طرح باپ بھی بڑا ضدی ہے۔ مجھے بھی وہاں جانے کی اجازت نہیں دی۔ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ میں اس سے ملوں گی' اسے قیدیوں کے لباس میں جیل میں مشقت کرتے دیکھوں گی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ میں رونے لگوں گی اس کے لئے اور زیادہ تڑپنے لگوں گی۔"

ملازمہ نے پوچھا۔ "بی بی جی..........! کیا چھوٹے صاحب ہمیشہ لندن میں ہی رہتے

ہیں؟"

وہ خیالات سے چونک کر بولی۔ "نہیں.......... یہاں آتا ہے میرا بیٹا.......... مجھ سے ملنے کے لئے آتا ہے بس کاروباری مصروفیات میں الجھا ہوا ہے۔ آج دیکھنا' آئے گا تو اس کے آتے ہی یہ گھر بھر جائے گا۔"

"بی بی جی..........! چھوٹے صاحب کی شادی ہوگئی ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "ارے پگلی..........! ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ بائیس برس کا جوان ہے۔ ذرا دو چار برس گزر جائیں۔ لڑکی امتحان پاس کرلے تو پھر شادی ہوگی۔"

ملازمہ نے حیرانی سے کہا۔ "وہ صرف بائیس برس کے ہیں اور سات سمندر پار انگریزوں کا سارا کاروبار سنبھال رہے ہیں؟"

اسماء ہنستے ہوئے بولی۔ "تُو بالکل ہی اَن پڑھ ہے۔ وہ انگریزوں کا نہیں اپنا کاروبار کرتا ہے۔ چھوٹی سی عمر میں اتنا ذہین ہے کہ کاروبار میں اپنے باپ سے بھی آگے نکل جائے گا۔"

"بہو آپ کی پسند کی ہے یا آپ کے بیٹے نے..........؟"

"وہ پسند تو اسی کی ہے۔ وہ بچپن سے ہی ایک ساتھ لکھتے پڑھتے ہنستے کھیلتے آئے ہیں۔ لڑکی کیا ہے ہیرا ہے ہیرا۔ آج شام کو آئے گی دیکھ لینا۔ اس کے آتے ہی پورا گھر روشن ہوجائے گا۔ وہ میرے بیٹے کی پسند ہے۔ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔"

وہ بیٹے کی باتیں اتنے جوش و خروش سے کرتی تھی جیسے کوئی مسرتوں بھرا گیت گا رہی ہو اور گیت گاتے گاتے جھوم رہی ہو۔ مہک رہی ہو۔ بڑھ بڑھ کر اونچی آواز میں تان لگا رہی ہو۔ وہ جس قدر خوش ہو رہی تھی' گھڑی دیکھتے ہی اتنی ہی اداس ہوگئی۔ سوچنے لگی کہ ایک بجنے والا ہے۔ عدنان ابھی تک نہیں آیا۔ کیوں نہیں آیا؟

اس کا دل ڈوبنے لگا۔ "کیا اس کی ناراضگی دور نہیں ہوگی؟ مگر کیسے دور ہوگی؟ وہ آئے گا۔ میں اس کو مناؤں گی تب ہی تو اس کا دل صاف ہوگا۔"

"وہ کیوں نہیں آرہا ہے؟"

اس کے اندر پھر دھواں سا بھرنے لگا۔ وہ گھبراہٹ میں مبتلا ہونے لگی۔ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ ڈاکٹر اور اپنے شوہر کی ہدایات یاد آتی رہتی تھیں کہ ان

حالات میں اسے خود سنبھلنے کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ طبیعت زیادہ سے زیادہ خراب ہوگی۔ پھر اسے انہیلر کے ذریعے سانس لینے کی ضرورت ہوگی۔

ملازمہ نے چائے کی پیالی ایک چھوٹی سی ٹرے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "بی بی جی......! میں صاحب کو چائے دے کر آتی ہوں۔"

وہ چائے کی ٹرے اٹھا کر وہاں سے ڈرائنگ روم میں آئی۔ ملازم اور دوسرے افراد ڈرائنگ روم کو سجانے میں مصروف تھے۔ دو ملازم ایک بینر لگا رہے تھے جس پر لکھا ہوا تھا۔ "صاحب جی اور بیگم صاحبہ کو شادی کی پچیسویں سالگرہ مبارک ہو۔"

راؤ فرمان علی نے کہا۔ "اس بینر کی کیا ضرورت تھی؟"

ملازموں نے ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے دیکھا۔ پھر ایک ملازم نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔ "صاحب جی..........! ہم آپ کی خوشی میں اور کوئی تحفہ تو دے نہیں سکتے۔ اس لئے یہ لکھ کر لگا رہے ہیں۔ یہ ہماری خوشی ہے اگر آپ نہیں چاہتے تو.........."

فرمان علی نے کہا۔ "نہیں.......... نہیں کوئی بات نہیں.......... جہاں چاہو اس بینر کو لگا سکتے ہو۔"

ملازمہ نے چائے کی ٹرے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب جی! چائے.........."

اس نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "تمہاری بیگم صاحبہ کیا بیڈ روم میں ہیں؟ سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں؟"

"نہیں صاحب جی.......... وہ تو کچن میں کام کر رہی ہیں۔"

فرمان نے چونک کر پوچھا۔ "کیا وہ کچن میں ہیں؟"

وہ چائے کی پیالی واپس ٹرے میں رکھ کر کچن کی طرف جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے سر گھما کر فون کی طرف دیکھا۔ پھر وہاں سے چلتا ہوا آکر فون کے قریب ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ریسیور کو اٹھا کر کان سے لگایا پھر بولا۔ "ہیلو.......... میں راؤ فرمان علی بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے جلال اکبر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو.......... بڈھے.......... جشن منانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔"

فرمان علی نے کہا۔ "بڈھا ہوگا تو............ کیوں کہ جوان بیٹی کا باپ ہے۔ مجھ جیسے جوان بیٹے کا باپ ہمیشہ جوان رہتا ہے۔"

"اچھا اچھا زیادہ ڈینگیں نہ مار............ تیرے بیٹے نے تو تجھے یاد بھی نہیں کیا۔ مگر دیکھ لینا وہ میرے گھر پہلے فون کرے گا۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ تجھے فون نہیں کرے گا۔ میری ہونے والی بہو کی خیریت معلوم کرے گا۔ ویسے یار دن کا ایک بج رہا ہے اسے کم از کم تیرے گھر تو فون کرنا چاہئے تھا۔ نہ وہ فون کر رہا ہے نہ ادھر آرہا ہے۔ کچھ معلوم تو ہونا چاہئے کہ وہ ہے کہاں؟"

"مجھے جیلر سے اتنا تو معلوم ہو چکا ہے کہ اسے رہائی مل چکی ہے اور جیل سے باہر اس کے بہت سے ساتھی اسے لینے آئے تھے۔ اس کے بعد وہ پتہ نہیں کہاں گم ہو گیا ہے؟ موج مستی میں لگا ہوگا۔ بے فکرا ہے جیسے تُو ہے۔ اسے پیدا کرکے ہمارے پیچھے لگا دیا ہے۔ اب اسے سیدھی راہ پر لانے کی ذمہ داری بھی ہماری ہی ہے۔"

"وہ تو ہماری طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ ذمے داریاں تو تجھے ہی نبھانی ہوں گی۔ تیرا کیا خیال ہے۔ اس اونٹ کی کوئی کل سیدھی ہو جائے گی؟"

"میں جیسی سختیاں کر رہا ہوں۔ وہ تو کیا اس کا باپ بھی سیدھا ہو جائے گا۔"

"مائنڈ یور لینگویج............ ذرا زبان سنبھال کر بولا کر' یہ بتا کس لئے فون کیا ہے؟"

"ہم شاپنگ کے لئے جا رہے ہیں۔ کیا تُو بھی آرہا ہے؟"

"ارے او ستر سالہ سنیاسی بابا............ تیری سمجھ میں اب تک نہیں آیا کہ مرد کبھی شاپنگ نہیں کرتے۔ ہم تو بیویوں کی شاپنگ کا تماشہ دیکھتے ہیں اور بل ادا کرتے جاتے ہیں۔ میں ابھی اسماء سے مشورہ کرتا ہوں اس کے بعد فون کرکے تیرے پاس چلا آؤں گا۔ تو میرے فون کا انتظار کرنا۔"

اس نے ریسیور رکھا۔ پھر کچن کی طرف آتے ہوئے بولا۔ "اسماء تم کہاں ہو؟"

وہ پریشان ہو کر بڑبڑائی۔ "یہ ادھر کیوں آرہے ہیں؟ توبہ ہے میں یہاں ہوں............ ابھی آرہی ہوں۔ آپ وہیں ٹھہریں۔"

وہ نہیں چاہتی تھی کہ فرمان کچن میں آئے لیکن وہ آ ہی گیا۔ آتے ہی سخت لہجے میں

بولا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ ڈاکٹر نے تمہیں کتنی سختی سے منع کیا تھا' تم اپنی ایسی نادانیوں سے باز نہیں آؤ گی؟"

"پلیز............ آپ ناراض نہ ہوں۔ پہلے میری بات سن لیں۔"

"کیا سنوں............؟ سننے کے لئے رہ کیا گیا ہے؟ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تم میری نصیحتوں کو تو رد کرتی ہی رہی ہو۔ ڈاکٹر کی ہدایات پر بھی عمل نہیں کرتی ہو۔ کیا چاہتی ہو؟ کیا زندہ رہنا نہیں چاہتی............؟ کیا اپنے گھر بہو لانا نہیں چاہتی' بیٹے کو خوش دیکھنا نہیں چاہتی؟"

"آپ تو بولتے ہیں تو بس بولتے ہی چلے جاتے ہیں۔ میری بات تو سنیں۔"

"سناؤ............ کیا سنانا چاہتی ہو؟"

"آپ جانتے ہیں کہ عدنان کو چنے کی دال کا حلوہ بہت پسند ہے۔ بس میں اس کے لئے بنانے آگئی تھی۔ سارا کچھ یہاں چولہے پر چڑھا دیا ہے۔ صرف بھونا رہ گیا ہے۔ یہ شبو بھون لے گی۔ آپ چلیں۔"

اس نے ملازمہ سے کہا۔ "اسے اچھی طرح بھون لینا۔ پھر مجھے لاکر دینا۔ میں چکھ کر دیکھوں گی کہ یہ میرے بیٹے کی پسند کے مطابق ہوا ہے یا نہیں؟"

پھر وہ فرمان کے ساتھ چلتے ہوئے بیڈ روم میں آگئی۔ پنکھے کا بٹن آن کرکے بولی۔

"موسم عجیب سا ہو گیا۔ دن کو گرمی لگتی ہے رات کو سردی۔"

فرمان نے ناراضگی سے کہا۔ "چولہے کی گرمی سے گزر کر آرہی ہو پسینہ تو نکلے گا۔ پریشانی تو ضرور ہوگی۔ آرام سے بیٹھو۔"

"آپ تو پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں۔ میں صرف آدھے گھنٹے کے لئے گئی تھی کوئی قیامت تو نہیں آگئی۔ آپ گھڑی دیکھ رہے ہیں۔ ڈیڑھ بجنے والا ہے۔ بیٹا ابھی تک نہیں آیا ہے۔ آپ کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ بس میرے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں کہ مجھے یہ کرنا چاہئے وہ نہیں کرنا چاہئے۔"

"مجھے بیٹے کی فکر نہیں ہے۔"

اس نے چونک کر فرمان کو دیکھا پھر تعجب اور ناگواری سے پوچھا۔ "آپ کو میرے بیٹے کی فکر نہیں ہے؟"

"ہاں.......... اس لئے کہ میں جانتا ہوں وہ آئے گا ضرور آئے گا۔"

وہ مطمئن ہو کر بولی۔ "آپ اتنے یقین سے کہہ رہے ہیں تو وہ کیوں نہیں آرہا ہے؟ آپ جلال بھائی کو فون تو کریں شاید اس نے عینی کو فون کیا ہو۔"

"اس نے وہاں بھی فون نہیں کیا ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ اسے جیل سے رہائی نہیں ملی ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ جلال جیلر سے معلوم کر چکا ہے۔ اسے رہائی مل چکی ہے۔"

"آپ کیسے جانتے ہیں؟ کیا آپ نے فون کیا تھا؟"

"میں نے نہیں اس بڈھے جلال نے ابھی فون کیا تھا۔ ہمارے بیٹے کو رہائی مل چکی ہے۔ ذرا اطمینان رکھو۔ وہ ہم سے نہ سہی عینی سے تو ضرور رابطہ کرے گا۔ پھر ہمیں ساری باتیں معلوم ہو جائیں گی اور عینی ضرور اسے یہاں آنے پر مجبور کرے گی۔"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔ فرمان نے کہا۔ "کبھی بیٹے کے موضوع سے ہٹ کر بھی بات کر لیا کرو۔ ابھی جلال نے فون پر کہا ہے کہ وہ بھابی کے ساتھ شاپنگ پر جا رہا ہے۔ تم فوراً تیار ہو جاؤ۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"تعجب ہے.......... شاپنگ کے نام پر عورتیں اچھل پڑتی ہیں۔ باہر جانے کے لئے ایک ٹانگ پر کھڑی ہو جاتی ہیں اور تم ہو کہ انکار کر رہی ہو؟"

"مجھے شاپنگ کا شوق نہیں ہے۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"مجھے بار بار ڈاکٹر کی ہدایت یاد دلانی پڑتی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ تمہیں کھلی فضا میں گھومنا پھرنا چاہئے۔"

"میں پھر کسی وقت گھوم پھر لوں گی۔"

"آج کیوں نہیں؟ ابھی کیوں نہیں؟ خواہ مخواہ انکار کیوں کر رہی ہو؟"

"میں خواہ مخواہ انکار نہیں کر رہی ہوں۔ آپ تو جیسے کچھ جانتے ہی نہیں ہیں؟"

"ایک ہی بات جانتا ہوں کہ تم بیٹے کا انتظار کر رہی ہو۔"

"ہاں.......... یہی بات ہے۔ ہم شاپنگ کے لئے جائیں گے' عدنان آئے گا اور مجھے نہیں پائے گا۔"

فرمان نے اسے بڑے پیار سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "بچے جانور کے ہوں یا انسان کے وہ بچپن میں ماں کو ڈھونڈتے ہیں اور جوانی میں ماں ان کا انتظار کرتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو.......... میں نہیں جاؤں گی۔"

"پلیز اسماء تمہیں ہوا خوری کے لئے باہر جانا چاہئے۔ عدنان یہاں آئے گا تو واپس نہیں جائے گا۔ تمہارا انتظار کرے گا۔ کیا وہ اپنی ماں سے ملے بغیر چلا جائے گا؟"

"میں نے کہا ناں.......... میں اس کا انتظار کروں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ جب وہ یہاں آئے تو دروازے پر اپنی ماں کو دیکھے۔ میں اس کا استقبال کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے بڑی بے بسی سے اسے دیکھا پھر ایک دم سے کہا۔ "تم کچھ جانتی تو ہو نہیں عدنان کا جو سوٹ آیا ہے اس کے ساتھ میچنگ ٹائی نہیں ہے۔"

وہ ایک دم چونک کر بولی۔ "کیا..........؟ سوٹ ہے اور ٹائی نہیں ہے..........؟ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا.......... کیا وہ ٹائی کے بغیر سوٹ پہنے گا؟ آپ میرے بیٹے کو تماشہ بنانا چاہتے ہیں؟"

"تماشہ تو تم بنانا چاہتی ہو۔ اتنی دیر سے سمجھا رہا ہوں چلو شاپنگ کے لئے' تو چلنا ہی نہیں چاہتیں۔"

"آپ نے شاپنگ کے لئے کہا تھا۔ یہ تو نہیں کہا تھا کہ میرے بیٹے کے لئے میچنگ ٹائی نہیں ہے؟"

"بتانے سے کیا فرق پڑتا؟ تم تو جانا ہی نہیں چاہتیں؟ یہاں اس کا انتظار کر رہی ہو۔ ٹھیک ہے کرتی رہو۔ میں نہیں جاؤں گا۔"

"کیسے نہیں جائیں گے؟ چلیں اٹھیں تیار ہو جائیں۔ میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی الماری کے پاس گئی پھر اس نے اسے کھول کر اپنے لئے ایک لباس نکالا۔ پھر اسے لے کر لباس تبدیل کرنے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی فرمان اپنی الماری کے پاس آیا اسے کھول کر دیکھا وہاں عدنان کا سوٹ ہینگر پر لٹک رہا تھا اور اس سوٹ کے ساتھ اس کی میچنگ ٹائی بھی موجود تھی۔ اس نے چور نظروں سے اس طرف دیکھا۔ جہاں وہ کپڑے بدلنے گئی تھی۔ پھر ٹائی کو وہاں سے نکال کر اسے لپیٹ کر اپنی جیب میں چھپا لیا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔

☆======☆======☆

عدنان نے ایک سیلون میں شیو بنوایا۔ حمام میں غسل کیا پھر نیا خریدا ہوا لباس پہنا چہرہ نکھر گیا تھا۔ شخصیت بڑی پُرکشش ہوگئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک خود کو آئینے میں دیکھتا رہا اور عینی کو یاد کرکے مسکراتا رہا کہ اس کے سامنے ایک برس کے بعد جائے گا تو اس کی محبوبہ کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ وہ اسے دیکھ کر بے چین ہوجائے گی' اتنے عرصے کے بعد ملاقات کے ابتدائی لمحات میں اسے دیکھتے ہی ساری دنیا سے بے خبر ہوجائے گی۔

وہ سیلون سے باہر آیا۔ تھوڑے فاصلے پر فٹ پاتھ کے کنارے شاکر کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ شاکر اپنی گرل فرینڈ ہنی مون کے ساتھ ایک اسنیک بار کے کاؤنٹر پر کھڑا ہوا کچھ کھانے پینے میں مصروف تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا۔ "ہائے عدنان......... تم تو ایسے نکھر گئے ہو جیسے پتھر کو تراش کر ہیرا بنا دیا گیا ہو۔"

ہنی نے مسکرا کر کہا۔ "عینی دیکھے گی تو پاگل ہوجائے گی۔"

عدنان نے سامنے شاپنگ سینٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں کچھ خریدنے جارہا ہوں۔"

"ابھی تو تم نے شاپنگ کی تھی؟ اپنے لئے لباس وغیرہ خریدا تھا۔ نئے جوتے خریدے ہیں اور کیا رہ گیا ہے؟"

عدنان نے ہنی سے کہا۔ "تم اس اناڑی عاشق کو بتاؤ کہ اب مجھے کیا خریدنا چاہئے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "عینی کے لئے تحفہ' خوبصورت سا تحفہ۔"

وہ بولا۔ "خوشبو سے اچھا اور سحر زدہ کرنے والا تحفہ کوئی اور نہیں ہوتا۔ تم دونوں کھاتے پیتے رہو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ سڑک پار کرکے اس شاپنگ سنٹر میں داخل ہوگیا۔ وہاں اسماء فرمان کے ساتھ ایک دکان میں کھڑی ہوئی تھی۔ ایک ٹائی پسند کررہی تھی۔ ان کے ساتھ جلال اکبر ان کی بیوی اور ان کی بیٹی عینی بھی تھی۔ عینی کی ماں اپنے شوہر کے لئے ایک سوٹ پیس پسند کررہی تھی۔ ماں بیٹی دونوں ہی کپڑوں کے مختلف شیڈز دیکھ رہی تھیں۔ اسماء پریشان ہوکر کہہ رہی تھی۔ "تین چار دکانیں دیکھ چکی ہوں۔ آخر میچنگ ٹائی کیوں نہیں مل رہی ہے؟"

سیلز مین نے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ جیسی چاہتی ہیں ویسی ٹائی ضرور ملے گی۔ میں آپ کو امپورٹڈ آئٹم دکھاتا ہوں۔"

عدنان وہاں سے گزرتے ہوئے ٹھٹک گیا۔ اسے ماں نظر آرہی تھی وہ فوراً ہی ایک شوکیس کی آڑ میں ہوگیا۔ وہاں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس وقت اسماء موبائل فون پر نمبر پنچ کرنے کے بعد اسے کان سے لگا کر کہہ رہی تھی۔ "ہیلو......... عبداللہ! عدنان آ گیا.........؟"

عدنان بے اختیار بڑی چاہت سے ماں کو دیکھنے لگا۔ وہ دوسری طرف کی بات سن کر کہہ رہی تھی۔ "نہیں آیا......... اچھا......... ہاں اچھا......... تم کوٹھی کے دروازے پر رہو۔ رمضان سے کہو کہ وہ بڑا گیٹ کھلا رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ آکر چلا جائے۔ اگر وہ واپس جائے گا تو میں تم سب کی چھٹی کردوں گی۔"

فرمان اسماء کی ممتا پر بڑے دکھ سے مسکرا رہا تھا۔ عدنان کی نظر عینی پر گئی۔ تو وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بہت ہی خوبصورت اور دلنشیں لگ رہی تھی۔ سیدھی دل میں آکر بیٹھ رہی تھی۔ وہ بڑے جذبوں سے کبھی محبوبہ کو اور کبھی ماں کو دیکھ رہا تھا۔ ماں دکاندار سے کہہ رہی تھی۔ "یہ کیا دکھا رہے ہیں؟ کیا امپورٹڈ ٹائی ایسی ہوتی ہے؟ کوئی میرون کلر کی ٹائی دکھائیں۔"

سیلز مین مختلف ڈیزائن اور رنگوں کی ٹائیاں نکال کر اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔ وہ سب کو دیکھ رہی تھی۔ اسے گھٹن کا احساس ہونے لگا وہ گہری گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔ "کیا دکھا رہے ہیں؟ اتنے بڑے شاپنگ سنٹر میں میرے بیٹے کے لئے ایک ٹائی بھی نہیں ہے.........؟ فرمان۔"

وہ جیسے بہت دور سے دوڑتے ہوئے آرہی تھی۔ ہانپنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا رہی تھی۔ وہ دیدے پھاڑ کر بولی۔ "فرمان!"

فرمان نے جلدی سے اسے تھام لیا پھر کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ "آر یو آل رائٹ......... کیا ہوا ہے؟ اسماء تم ٹھیک تو ہو؟"

وہ اٹک اٹک کر سانس لے رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "مجھے ہول آرہا ہے میرے بیٹے کے لئے ایک ٹائی بھی نہیں مل رہی ہے۔"

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ سانس لینے کی کوشش کرنے لگی عینی نے جلدی سے قریب آ کر کہا۔ "انکل.......... ان کا انہیلر کہاں ہے؟ انہیں انہیلر کی ضرورت ہے۔"

فرمان اس کے پرس میں انہیلر کو ڈھونڈنے لگا پھر پریشان ہو کر بولا۔ "اس میں تو نہیں ہے۔"

پھر اس نے اسماء سے پوچھا۔ "تم انہیلر لے کر آئی ہو؟"

وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ پریشان تھی۔ سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ جلال اکبر نے کہا۔ "یار! تو بھابی سے کیا پوچھ رہا ہے؟ وہ ہوش میں نہیں ہیں۔ انہیں تو فوراً انہیلر چاہئے۔ اگر ان کے پاس نہیں ہے تو قریب ہی کیمسٹ کی دکان ہوگی۔"

سیلز مین نے کہا۔ "اس شاپنگ سینٹر کے پیچھے ایک سڑک ہے سڑک کے اس پار دواؤں کی دکانیں ہیں۔"

عدنان یہ سنتے ہی وہاں سے دوڑتا چلا گیا۔ شاپنگ سنٹر میں اچھی خاصی بھیڑ تھی مرد عورتیں بچے بوڑھے سب ہی اِدھر اُدھر آجا رہے تھے۔ وہ کسی سے ٹکراتا' کسی کو ہٹاتا' گرتا پڑتا بھاگتا جارہا تھا۔ پھر اس نے سڑک پار کرکے ایک دکان پر پہنچ کر جیب سے رقم نکال کر کہا۔ "پلیز.......... ایک انہیلر جلدی سے دو۔"

"کون سا انہیلر.........."

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "یہ میں نہیں جانتا۔ بس میری ممی کو سانس کی تکلیف ہے۔ سانس بحال نہیں ہو رہی ہے۔ ان کی سانس بحال کرنے کے لئے جو بھی انہیلر زود اثر ہو وہ دے دیں۔"

دکاندار نے ایک انہیلر دیا اس نے رقم دی پھر وہ اس کی بقایا رقم دینا چاہتا تھا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ جاچکا تھا۔ کوئی پاگل دیوانہ لگتا تھا۔ اس نے ایک ہزار کا نوٹ دے کر باقی پیسے نہیں لئے تھے۔ وہ حیرانی سے دور جاتے ہوئے عدنان کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سامنے والے شاپنگ سنٹر میں جاکر گم ہوگیا تھا۔

عدنان دوڑتے ہوئے اس دکان کے پاس آیا پھر ایک بھیک مانگتے بچے کو پچاس کا نوٹ دیتے ہوئے بولا۔ "یہ رکھو' وہ جو سامنے عورت کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے آس پاس جو دو عورتیں اور ایک مرد کھڑا ہوا ہے اور سیلز مین بھی ہے دکاندار بھی ہے۔ یہ

دوا اس کرسی پر بیٹھی ہوئی عورت کو دے دو۔ جاؤ جلدی جاؤ۔"

وہ پچاس کا نوٹ لے کر خوش ہوگیا تھا۔ انہیلر لے کر دوڑتا ہوا دکان کے اندر گیا۔ عدنان الٹے قدموں پیچھے ہٹتا ہوا دور ہوتا گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس بچے نے وہ انہیلر اس کی ماں کی طرف بڑھا دیا اور جلال اکبر نے انہیلر اس بچے سے لے لیا ہے تو وہ وہاں سے چلتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا شاپنگ سنٹر سے باہر آگیا۔ پھر اس نے شاکر کو دور سے ہی آواز دی وہ تیزی سے چلتا ہوا قریب آیا پھر بولا۔ "کیا بات ہے؟"

"وہاں قریب ہی ایک دکان ہے۔ اس کا نام ہے جنٹل مین چوائس' اس دکان کے اندر میری ممی بیمار ہیں اور آس پاس عینی اور اس کے ممی ڈیڈی بھی ہیں پلیز وہاں جاکر دیکھو کہ ان کی طبیعت سنبھل رہی ہے یا نہیں؟"

شاکر تیزی سے چلتا ہوا ادھر جانے لگا عدنان تھکے ہوئے انداز میں ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ سر جھکا کر سوچنے لگا اسے یاد آیا کہ ایک بار وہ بخار کی شدت سے بے ہوش ہوگیا تھا۔ جب ہوش میں آیا تو سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھی جارہی تھیں۔ اس کی ماں اس پر جھکی بڑی پریشانی اور ممتا سے اسے دیکھ رہی تھی۔

پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے؟ پھر اسے ماں کا چہرہ واضح طور پر دکھائی دینے لگا۔ پھر وہ گھر دکھائی دیا جسے چھوڑ کر وہ چلا گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی سر کی پٹی ہٹاتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں کیسے آگیا؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسماء نے کہا۔ "بیٹے.......... لیٹے رہو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم بہت کمزور ہوگئے ہو۔"

"مجھے یہاں کون لایا ہے؟"

"تمہیں بخار تھا۔ تم ہوش میں نہیں تھے تمہارے ڈیڈی تمہیں یہاں لائے ہیں۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوگیا پھر بولا۔ "کیوں لائے ہیں؟ یہاں قدم رکھنے سے میرے پاؤں میں چھالے پڑتے ہیں۔ یہاں مجھے کیوں لایا گیا ہے؟"

اسماء نے بڑے دکھ سے کہا۔ "میں جانتی تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد تم بے ہوشی میں کام آنے والوں کا بھرم نہیں رکھو گے۔ ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت کو بھی نہیں سمجھو گے۔"

وہ دودھ کا گلاس اٹھا کر اس کے پاس آئی۔ وہ جانا چاہتا تھا تو وہ راستہ روک کر بولی۔ ”نہیں بیٹے........ تم بھوکے پیاسے ہو۔ تمہارا سر چکرائے گا تم پھر کمزور ہو کر کہیں گر پڑو گے۔“

”پلیز ہٹ جائیں۔ مجھے جانے دیں۔“

”میں نے تمہیں کبھی بھوکا نہیں جانے دیا۔ لو اسے تو پی لو۔“

اس نے ایک ہاتھ مار کر دودھ کے گلاس کو گرا دیا۔ گلاس فرش پر گر کر ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ دودھ دور تک پھیلتا چلا گیا۔ ایسے وقت وہ خیالوں سے چونک گیا۔ ہنی اس کے پاس آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھ رہی تھی۔ ”یہاں کیوں کھڑے ہو.........؟“

وہ سر گھما کر شاپنگ سنٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہاں اسماء کی حالت اتنی بگڑ گئی تھی کہ سب ہی پریشان ہو گئے تھے۔ انہیلر نہ ہونے کی وجہ سے بوکھلا گئے تھے۔ ایسے وقت انہیلر وہاں کس نے پہنچایا۔ اس وقت کسی نے توجہ نہیں دی۔ جلدی سے اس کے ذریعے اس کی سانس کو بحال کیا گیا۔ جب وہ سانس لینے کے قابل ہوئی تو فرمان دوڑتا ہوا آیا۔ انہیلر بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”یہ لو......... میں لے آیا ہوں۔“

سب نے اس کے ہاتھ میں انہیلر کو دیکھا۔ پھر اسماء کے ہاتھ میں انہیلر کو دیکھ کر سوال پیدا ہوا کہ فرمان ابھی یہ دوا لے کر آیا ہے اس سے پہلے کون لے کر آیا تھا؟ کس نے یہ انہیلر یہاں پہنچایا تھا؟

فرمان نے پوچھا۔ ”یہ کہاں سے آ گیا؟“

جلال اکبر نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا پھر کہا۔ ”تعجب ہے۔ یہ انہیلر کون لے کر آیا تھا؟ میں تو بھابی کی حالت دیکھ کر کچھ بوکھلا گیا تھا۔ ادھر سے تم دوا لینے چلے گئے تھے پھر یہ دوا لے کر کون آیا تھا؟“

عینی نے کہا۔ ”ڈیڈی! ایک آٹھ یا دس برس کا بچہ تھا۔ اس نے ہی یہ دوا لا کر دی تھی۔ میں نے بھی اس بچے پر توجہ نہیں دی۔ اس سے کچھ نہیں پوچھا کیونکہ ہم سب آنٹی کے لئے پریشان تھے۔ ان کی طبیعت کے سنبھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔“

اسماء نے پوچھا۔ ”وہ بچہ کیسا تھا؟“

عینی نے کہا۔ ”کوئی بھیک مانگنے والا لگتا تھا۔“

جلال اکبر نے کہا۔ ”ایک بھیک مانگنے والا بچہ اتنی مہنگی دوا دے کر چلا گیا۔ تعجب ہے.........؟“

انہوں نے ایک دوسرے کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا‘ اسماء نے کہا۔ ”میرے بیٹے نے یہ دوا بھیجی ہوگی۔ وہ یہیں کہیں ہے۔ اسی نے اس بچے کے ہاتھوں دوا بھیجی ہے۔“

”کیسی باتیں کرتی ہو؟ جب وہ دوا خرید کر لا سکتا ہے تو یہاں لا کر دے بھی سکتا ہے؟“

اسماء نے کہا۔ ”آپ اپنے بیٹے کا مزاج اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ ضدی ہے غصہ آور ہے کبھی گرم ہو جاتا ہے کبھی نرم پڑ جاتا ہے پتہ نہیں اسے کن لمحات میں مجھ پر پیار آیا ہوگا؟ اس نے پیار کا اظہار کیا اور کہیں غصے سے چلا گیا۔ پلیز آپ اس بھیک مانگنے والے بچے کو تلاش کریں۔“

عینی نے کہا۔ ”میں نے اسے دیکھا تھا۔“

عینی کی ماں نے کہا۔ ”میں نے بھی اس پر ایک نظر ڈالی تھی۔ شاید میں بھی اسے پہچان سکوں۔“

فرمان نے اسماء کے شانے کو تھپ تھپا کر کہا۔ ”تم یہاں آرام سے بیٹھو۔ ہم اس بچے کو تلاش کرتے ہیں۔“

وہ جانے لگا پھر پلٹ کر فولڈ کی ہوئی ٹائی کو نکال کر بولا۔ ”ہاں......... یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ تمہارے بیٹے کے لئے یہ ٹائی دوسری دکان سے مل گئی ہے۔ دیکھو......... تمہارے بیٹے کے سوٹ کے ساتھ کیسی میچ کرے گی۔ اسے رکھو میں ابھی آتا ہوں۔“

وہ سب اسماء کو اس دکان میں چھوڑ کر اس بھیک مانگنے والے بچے کو تلاش کرنے لگے۔ وہ شاپنگ سنٹر بہت وسیع و عریض تھا۔ وہ ایک ایک حصے میں جاتے رہے اور اسے ڈھونڈتے رہے لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

اس بچے کو شاید پہلی دفعہ یکمشت پچاس روپے ملے تھے۔ اس نے پچاس کا نوٹ شاید کبھی دیکھا نہیں تھا۔ اسے لے کر خوش ہو گیا تھا اور اس شاپنگ سنٹر سے دور کہیں

کھانے پینے کے لئے چلا گیا تھا۔

وہ سب اسے تلاش کرتے کرتے مایوس ہوگئے۔ اسماء کے پاس جلال اکبر موجود تھا۔ فرمان' عینی اور اس کی ممی واپس آگئے۔ انہوں نے کہا۔ "اس بچے کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔ پتہ نہیں وہ کہاں سے آگیا تھا؟ ایک فرشتے کی طرح تمہیں سانس پہنچا کر چلا گیا۔"

اسماء نے کہا۔ "وہ بچہ نظر نہیں آیا لیکن میرا بیٹا تو کہیں دکھائی دیا ہوگا؟"

فرمان نے کہا۔ "اسماء کیسی باتیں کرتی ہو؟ اگر وہ یہاں آتا اور تمہیں اس برے حال میں دیکھتا تو کیا تمہارے پاس نہ آتا؟"

شاکر اس دکان کے اندر آگیا تھا اور ان کی باتیں سن رہا تھا۔ سب ہی اسماء کو سمجھا رہے تھے کہ عدنان ادھر نہیں آیا ہے اگر آتا تو کسی نہ کسی کی نظر میں ضرور آجاتا۔ ماں کے اتنے قریب آکر اسے بیمار دیکھ کر منہ پھیر کر نہ جاتا۔

عینی نے کہا۔ "آنٹی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ کو یہاں اور زیادہ دیر بیٹھنا نہیں چاہئے۔ گھر چلیں وہاں آرام کریں۔"

فرمان نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ وہ اس کے سہارے چلتی ہوئی دکان سے باہر جاتی ہوئی کہنے لگی۔ "میں اس کا انتظار کر رہی تھی......... بھول گئی تھی کہ ماں سے ناراض ہے......... نہیں آئے گا......... فرمان! تم بھی جانتے ہو کہ وہ نہیں آئے گا لیکن سوٹ اور ٹائی خرید کر دل بہلا رہے ہو۔ مجھے بھی جھوٹی تسلیاں دے رہے ہو۔"

وہ زیر لب بولتی جارہی تھی۔ شاکر سر جھکا کر سن رہا تھا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر عدنان کے پاس آیا۔ وہاں ہنی کھڑی ہوئی تھی۔ عدنان نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ "ممی کیسی ہیں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "وہ ایک بیمار عورت ہے تم اسے ممی کہہ رہے ہو؟ اگر وہ تمہاری ماں ہے تو تم وہاں سے بھاگ کر کیوں آئے؟"

عدنان نے کوئی جواب نہیں دیا دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ شاکر نے کہا۔ "میں نے اس بیمار ماں کو بھی دیکھا ہے اور ایک بیٹے کو بھی دیکھا ہے جس نے وہاں بروقت دوا پہنچا کر اپنی محبت کا ثبوت دیا ہے لیکن وہ محبت کرنے والا بیٹا بڑا ہی بدنصیب ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ

صرف دوا دینے سے مریضہ اچھی ہو جائے گی۔"

عدنان نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ "بس کرو شاکر......... اور کچھ نہ بولو۔"

"کیوں نہ بولوں؟ اس عورت نے خود کو بیمار بنا لیا ہے۔ اس کی بیماری کا علاج ہے مگر علاج کرنے والا نہیں ہے۔ دور سے دوا دینے والے بہت ہیں لیکن ممتا کے کلیجے پر ہاتھ رکھنے والا وہ بیٹا نہیں ہے جسے وہ عورت تلاش کر رہی ہے۔ اس عورت کو کوئی اچھا نہیں کر سکتا۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ اسے ممتا کا کینسر ہوگیا ہے۔"

عدنان نے گرج کر کہا۔ "یو شٹ اپ۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کار کے پاس آیا۔ اس کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کار کو اسٹارٹ کیا۔ ہنی اور شاکر تقریباً دوڑتے ہوئے کار کے قریب آئے لیکن ان کے آنے سے پہلے ہی وہ کار کو اسٹارٹ کر کے تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا ان سے دور ہوتا چلا گیا۔ دماغ پھر گرم ہوگیا تھا۔

وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ تیزی سے جانے والی گاڑیوں کو بھی اوور ٹیک کرتا جارہا تھا۔ ان سے بھی آگے نکلتا جارہا تھا۔ مختلف شاہراہوں سے گزرتے وقت وہ یہ بھول گیا کہ وہ شاہراہ کہاں جاتی ہے؟ ٹریفک کا کتنا ہجوم ہے؟ وہ کسی بھی گاڑی سے ٹکرا سکتا ہے بری طرح حادثے کا شکار ہو سکتا ہے۔ اسے کسی بات کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ ٹریفک سگنل کی بھی خلاف ورزی کرتا جارہا تھا۔ غلط طریقوں سے اوور ٹیک کر رہا تھا۔

آخر وہ غلط طریقوں سے ڈرائیو کرتا ہوا بادامی باغ کی طرف قلعہ کے سائے میں آکر رک گیا۔ وہ کبھی اس طرح نہ رکتا لیکن مجبور ہوگیا تھا۔ پٹرول ختم ہو چکا تھا۔ اس پر ایک دم سے سکتہ طاری ہوگیا تھا۔ وہ آگے ڈرائیو کرنا بھی بھول گیا تھا۔ دیدے پھیلا کر ونڈ اسکرین کے باہر دیکھ رہا تھا۔ ایسے وقت اسے اپنے کانوں میں فون کی گھنٹی سنائی دی۔ اس نے سحر زدہ سا ہو کر ڈیش بورڈ کی طرف ہاتھ یوں بڑھایا جیسے وہاں ٹیلی فون رکھا ہو۔ پھر وہاں سے ہاتھ یوں واپس لایا جیسے وہاں سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا ہو۔ ایسے وقت اسے ماں کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو......... بیٹے عدنان......... میرے بچے......... کیا پریشانی ہے؟"

وہ سحر زدہ سا تھا۔ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ جیسے کہیں دور سے بول رہا تھا۔

"آ......... آپ......... بیمار ہیں؟"

ماں کی آواز سنائی دی۔ "نہیں میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ تمہارا ذہن بیمار ہے بیٹا!"

"ذہن کیسے بیمار ہوتا ہے ممی.........؟"

"جب بچے کو پھول دیا جائے اور وہ کانٹوں سے انگلیاں زخمی کرتا رہے تو سمجھو بیمار ہے۔"

"میں زخمی ہوں؟"

"ہاں......... جب زخم دکھائی نہ دے اندر کی تکلیف اور بے چینی سمجھ میں نہ آئے تو سمجھ لو کہ تم ایب نارمل ہو۔"

اس نے جھنجلا کر پوچھا۔ "میں کیوں ایب نارمل ہوں؟"

وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارنے لگا۔ یوں مسلسل ہاتھ مارتے رہنے کی وجہ سے ہارن بجنے لگا۔ وہ ہارن کے ساتھ ساتھ چیخنے لگا۔ "مجھے کس نے ایب نارمل بنایا ہے؟ کون مجھے مریض بنا رہا ہے؟ بتائیں.........؟ مجھے بتائیں آپ خاموش کیوں ہیں؟ جواب دیں؟ ہیلو......... ہیلو......... ہیلو........."

اچانک جیسے ہوش آگیا۔ سامنے عقب نما آئینہ لگا ہوا تھا۔ اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ اسے اپنے ہاتھ میں فون کا ریسیور دکھائی نہیں دیا۔ وہ حیرانی سے اپنے خالی ہاتھ کو دیکھنے لگا۔

ابھی وہ اپنی بیمار ماں سے باتیں کر رہا تھا اور ماں کہہ رہی تھی کہ وہ نہیں' بیٹا بیمار ہے۔ اس کا علاج دنیا کے کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے اسے صرف اپنی ماں کے پاس آنا ہوگا۔ تب ہی وہ نارمل ہوسکے گا اور ذہنی کرب سے نجات پاسکے گا۔

☆======☆======☆

اسماء اپنے بیڈ پر آنکھیں بند کئے پڑی ہوئی تھی۔ اسے بیٹے کا انتظار تھا وہ سونا بھی نہیں چاہتی تھی لیکن بیماری' کمزوری اور بیٹے کے انتظار میں تھک گئی تھی۔ اس لئے نیند غالب آگئی تھی۔

فرمان دبے قدموں چلتا ہوا بیڈ روم سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ وہاں عینی اپنے والدین کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سب اسماء کی بیماری کے سلسلے میں پریشان تھے اور اسی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ جلال نے فرمان کو دیکھ کر پوچھا۔ "بھابی کیسی ہیں؟"

"اسے نیند آگئی ہے میں بڑی دیر تک اس کے پاس بیٹھا رہا۔ جب یقین ہوگیا کہ وہ سو رہی ہے تو یہاں آیا ہوں۔"

وہ تھکے ہوئے انداز میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ جلال کی وائف نے کہا۔ "میں اس بات پر اب تک حیران ہوں کہ وہ انہیلر کس بچے نے لاکر دیا تھا اور اس بچے کو معلوم کیسے ہوا کہ بھابی کو یہی بیماری ہے؟ اور یہی اس کی دوا ہے؟"

جلال اکبر نے کہا۔ "یہ بات بظاہر بڑی عجیب ہے یوں لگتا ہے کہ بھابی کی حالت کو دیکھتے ہوئے آس پاس فرشتہ اتر کر آیا ہو اور انہیں دوا دے کر چلا گیا ہو لیکن ہماری عملی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا کبھی کوئی فرشتہ نہیں آتا۔ انسان کے اندر ہی کوئی فرشتہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ایسی نیکی کر گزرتا ہے۔"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے اندر نیکی کا جذبہ پیدا ہوا تھا؟"

جلال نے کہا۔ "جس کے دل میں محبت ہوگی جذبات بھرے ہوں گے اور وہ کسی کے لئے کچھ کر گزرنا چاہتا ہوگا تو وہی ایسا کرے گا اور ایسا صرف عدنان کرسکتا ہے۔ وہ خوا

کسی نفرت اور غصے کا اظہار کرے لیکن اندر سے اپنی ماں کو ٹوٹ کر چاہتا ہے۔"

پھر اس نے فرمان سے کہا۔ "تیرا بیٹا بہت بڑا ڈرامے باز ہے۔ اسی نے کسی بھیک مانگنے والے لڑکے کو کچھ دے دلا کر وہ دوا اپنی ماں تک پہنچائی ہوگی۔ میں پولیس والا ہوں۔ تمام حالات کو سامنے رکھ کر ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد یہ یقین سے کہہ رہا ہوں کہ یہ ڈرامے باز تیرا بیٹا ہی ہے۔"

فرمان نے کہا۔ "وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کم بخت میرا بیٹا ہے اور مجھے ہی ذہنی طور پر ٹارچر کر رہا ہے۔ ہم اس کی محبت میں مرے جا رہے ہیں۔ اس کے آنے کی خوشیاں منا رہے ہیں۔ دنیا والوں سے جھوٹ بول رہے ہیں کہ یہ ہماری شادی کی پچیسویں سالگرہ کا جشن ہے۔ کیا جشن اس طرح منایا جاتا ہے کہ وہ دور ہی دور سے ماں کو بیمار بنا رہا ہے اور ہمدردی کے طور پر دوائیں پہنچا رہا ہے؟ بڑا محبت کرنے والا بیٹا ہے۔ کیا بیٹے ایسے نالائق بد دماغ ہوتے ہیں؟"

بیگم جلال نے کہا۔ "بھائی صاحب! یہ ناراض ہونے کی بات نہیں ہے۔ آپ کے دل کو تو اطمینان ہونا چاہئے کہ بیٹا کتنا ہی سر پھرا سہی لیکن ماں سے محبت کرتا ہے اسی طرح آپ سے بھی محبت کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی محبت کا طریقہ دوسروں سے جدا ہے۔ تو ہونے دیں۔"

جلال نے کہا۔ "ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟ حالات کی ٹھوکریں اسے رفتہ رفتہ سنبھال لیں گی۔ پھر ہم بھی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

بیگم جلال نے کہا۔ "وہ رہائی پانے کے بعد دوستوں کے ساتھ گھوم پھر رہا ہوگا۔ انجوائے کر رہا ہوگا۔ جب دوست اسے چھوڑیں گے تو وہ ادھر ضرور آئے گا۔"

فرمان نے کہا۔ "مجھے تو امید نہیں ہے کہ وہ شام کو ہماری سالگرہ کی تقریب میں آئے گا۔ اگر نہ آیا تو اسماء کی حالت بہت بگڑ جائے گی۔ پھر اسے سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔ وہ ضرور آئے گا۔"

"کیا آنے والے ایسے ہوتے ہیں؟ دور سے ہی دوا دے کر بھاگ جاتے ہیں؟ جب ابھی سے نظریں چرا رہا ہے تو بعد میں بھی منہ چھپاتا پھرے گا۔"

جلال اکبر نے کہا۔ "ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ تم خواہ مخواہ کیوں ٹینشن میں مبتلا ہو رہے ہو؟"

اسی وقت عینی کے فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے چونک کر اپنے پرس کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے ماں باپ کو دیکھا۔ پھر وہاں سے اٹھتی ہوئی پرس کھول کر فون نکالتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر آگئی۔ اسے آن کر کے کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو میں عینی بول رہی ہوں۔"

ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے فرمان اور اس کے ماں باپ اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ کھڑکی کے باہر دکھائی دے رہی تھی۔ اپنے عمل سے یہ سمجھا رہی تھی کہ عدنان نے اس سے رابطہ کیا ہے۔

دوسری طرف سے عدنان نے پوچھا۔ "ہائے عینی! تم کیسی ہو؟"

"میں تو ٹھیک ہوں......... تم اپنی سناؤ.........؟"

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وعدہ کرو کہ جو میں کہوں گا وہ اپنے اور میرے والدین کو نہیں بتاؤ گی۔"

"میں تمہاری ہر بات اپنے بزرگوں سے چھپاتی ہوں۔ جو کہو گے وہ بھی چھپا لوں گی۔ بات کیا ہے؟"

"وہ......... وہ........."

وہ کہتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "میری ممی کی طبیعت کیسی ہے؟"

"وہاں شاپنگ سنٹر میں انہیلر پھینک کر چلے گئے تھے۔ کچھ دیر رک کر دیکھ نہیں سکتے تھے کہ ماں کی طبیعت سنبھل رہی ہے یا نہیں؟"

"پلیز......... مجھ پر تنقید نہ کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔"

"تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ فی الحال طبیعت ذرا سنبھل گئی ہے۔ ممتا نے انہیں بری طرح تھکا مارا ہے۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے سو گئی ہیں نیند میں بھی تمہیں دیکھ رہی ہوں گی۔ تمہیں پکار رہی ہوں گی۔ کیا ان کی آواز تمہارے دل تک پہنچ رہی ہے؟"

وہ ذرا رک کر بولا۔ "کوئی دوسری بات کرو۔"

"ابھی تم نے ہی اپنی ممی کا ذکر کیا تھا۔ پھر موضوع کیوں بدل رہے ہو؟"

"میں نے کہا ناں......... کوئی دوسری بات کرو۔ اپنی بات کرو۔"

"میں ابھی اپنی بات کروں گی۔ بس میرے ایک سوال کا جواب دے دو اور مجھ سے جھوٹ نہ بولو۔ وہ انہیلر تم نے ہی پہنچایا تھا نا.........؟"

"جب یہ سمجھ رہی ہو تو پوچھتی کیوں ہو؟"

"میں تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔ ویسے ہم سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ تم نے ہی وہ انہیلر پہنچایا تھا تمہاری محبت کا انداز بھی عجیب ہے۔ ماں سے بھی محبت کرتے ہو تو ایسے ڈرامائی انداز میں........."

"تم پھر وہی موضوع چھیڑ رہی ہو؟"

"شکایت نہ کرو۔ اب اپنی بات کر رہی ہوں۔ بولو' شام کو کب تک آ رہے ہو؟"

"میں تو صرف تمہیں دیکھنے کے لئے آنا چاہتا تھا۔ تو وہ میں تمہیں شاپنگ سنٹر میں دیکھ چکا ہوں۔"

"شاپنگ سنٹر میں تم نے مجھے دیکھا تھا۔ میں نے تمہیں نہیں دیکھا؟ یہ تو سراسر خودغرضی ہوئی کہ تم دیکھ کر اپنی تسلی کرو اور میں تمہیں دیکھ نہ پاؤں۔"

"تم مجھے وہاں بلا کر مشکل میں ڈال رہی ہو۔"

"کوئی مشکل نہیں ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ یہاں آؤ گے تو پاؤں میں کانٹے چبھیں گے؟ میں کہتی ہوں یہاں تمہارے لئے پھولوں کی پتیاں بچھائی جائیں گی۔ اس پر بھی تم خوش نہ ہوئے تو میں اپنی آنکھیں بچھاؤں گی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "میری جان! تمہارا یہ شاعرانہ انداز مجھے مار ڈالتا ہے۔ اپنی طرف بے اختیار کھینچنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ ابھی تمہارے پاس چلا آؤں۔"

"تو پھر آجاؤ نا........."

اس کے کہنے کا انداز اتنا جذباتی تھا کہ عدنان کے اندر ہلچل سی مچ گئی۔

وہ سحر زدہ سا ہو کر بولا۔ "میں آؤں گا لیکن ہمیں تنہائی میں ملنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

"تم ڈیڈی کی بات رکھ لو گے۔ ان کی ہدایت کے مطابق گھر آ کر اپنے ممی پاپا سے

معافی مانگ لو گے تو سارے جھگڑے اور کدورتیں ختم ہو جائیں گی۔ پھر کسی کو ہمارے ملنے پر اعتراض نہیں ہوگا۔"

"پھر بھی تمہارے ڈیڈی بہت سخت ہیں۔ وہ شادی سے پہلے ہمیں تنہائی میں ملنے کی اجازت نہیں دیں گے؟"

"تم یہاں آؤ تو سہی' تقریب میں بے شمار مہمان ہوں گے ہم مہمانوں کے ہجوم سے کترا کر چپ چاپ باہر گارڈن میں جا کر مل سکیں گے۔"

"کیا تم اپنے گھر میں ہو؟"

"نہیں......... تمہارے گھر میں ہوں۔ تمہاری ممی کو ایسی حالت میں چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اب ہمیں اطمینان ہے گھر جا کر شام کی تقریب کے لئے تیار بھی ہونا ہے۔"

"کیا ہمارے بزرگوں کو معلوم ہے کہ میں تم سے فون پر بات کر رہا ہوں؟"

"ہاں......... وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں باہر آ کر کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی ہوں۔ وہ مجھے دیکھ کر سمجھ رہے ہیں کہ تم سے بات کر رہی ہوں۔"

"کیا ایک گھنٹے کے بعد فون پر بات ہو سکے گی؟"

"یہ شاید نہیں ہو سکے گا۔ ڈیڈی نے کہا تھا کہ ایک بار تمہارا فون آئے تو میں بات کر سکتی ہوں اور تمہیں یہاں تقریب میں آنے کے سلسلے میں راضی کر سکتی ہوں۔ اس کے بعد وہ مجھ سے موبائل فون لے لیں گے۔ جب تک تم اس تقریب میں نہیں آؤ گے میرا موبائل فون مجھے واپس نہیں ملے گا۔"

"تمہارا یہ پولیس آفیسر باپ بہت ہی سخت ہے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ وہ بولا۔ "میری مجبوری پر ہنس رہی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ خود کو مجبور نہ بناؤ۔ یہاں آجاؤ گے تو ساری مجبوریاں اور دوریاں ختم ہو جائیں گی۔ کیا اب فون بند کرو گے؟ وہاں میرے ممی پاپا اور تمہارے ڈیڈی میری طرف ہی دیکھ رہے ہیں۔ انتظار کر رہے ہیں مجھ سے پوچھنے والے ہیں کہ تم سے کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

"تم انہیں یہ ہرگز نہیں بتاؤ گی کہ وہ انہیلر میں نے ممی کے پاس پہنچایا تھا۔"

"تمہاری خاطر اب تک جھوٹ بولتی آئی ہوں پھر جھوٹ بول دوں گی۔ اور کر بھی

کیا سکتی ہوں؟ تمہاری محبت نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا ہے۔"

"میرا بنا کر تو رکھا ہے ناں......... اچھا میری جان! میں فون بند کر رہا ہوں۔ اب شام کو ملاقات ہوگی......... اوکے......... سی یو........."

رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ موبائل فون کو بند کرکے پرس میں رکھتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئی۔ ذرا شرما رہی تھی جھجک رہی تھی۔ سر جھکا ہوا تھا۔ اس کی ماں نے پوچھا۔ "بیٹی! کیا کہہ رہا تھا؟ وہ یہاں آرہا ہے ناں........."

"جی ہاں......... وہ شام کو آئیں گے۔"

فرمان نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے اس کی ماں کو آرام آئے گا۔"

جلال نے پوچھا۔ "کیا تم نے انہیلر کے بارے میں پوچھا تھا؟"

اس نے باپ کو دیکھا پھر نظریں چراتی ہوئی بولی۔ "جی......... جی ہاں پوچھا تھا لیکن وہ انکار کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ ادھر شاپنگ سنٹر کی طرف نہیں گئے تھے انہوں نے اپنی ممی کو پچھلے ایک برس سے نہیں دیکھا ہے۔"

جلال نے کہا۔ "مکار......... جھوٹا ہے جیسا باپ مکار ہے ویسے ہی بیٹا بھی مکاری دکھا رہا ہے۔ یار تُو نے کیا چیز پیدا کی ہے؟"

اس بات پر عینی اور اس کی ممی ہنسنے لگیں۔

☆======☆======☆

شام کے چھ بج گئے۔ مہمان آنے لگے۔ وسیع و عریض ڈرائنگ روم کو بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ ایک طرف بڑا سا اسٹیج تھا۔ جس پر فنکار آکر اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ٹھیک چھ بجے عینی بھی اپنے ممی پاپا کے ساتھ اس ہال میں آئی اس وقت کمپیئرنگ کرنے والا شخص اسٹیج پر آکر کہہ رہا تھا۔ "لیڈیز اینڈ جنٹل مین! ابھی آپ نے سمیرا سے ایک خوبصورت گیت سنا۔ آج کی شام مسرتوں بھرا پیغام ہے کہ مسٹر راؤ فرمان علی اور بیگم اسماء فرمان اپنی ازدواجی زندگی کی پچیسویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ آپ کی تالیاں ان کے لئے مبارک بادی کا پیغام بن جائیں گی۔"

یہ سنتے ہی تمام حاضرین محفل تالیاں بجانے لگے۔ کمپیئرنگ کرنے والے نے کہا۔ "محبتوں اور رفاقتوں کی سلور جوبلی پر ہم انہیں مبارکباد دینے اور ان کی خوشیوں میں

شریک ہونے آئے ہیں۔ آپ کس طرح خوش ہوتے ہیں اور کس طرح قہقہے لگاتے ہیں' یہ دیکھنے کے لئے قہقہوں سے بھرپور ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے اور خاکہ پیش کرنے آرہے ہیں ہمارے صف اول کے انٹرٹینر مسٹر جمال اختر!"

مرد' عورتیں' بچے بوڑھے سب ہی تالیاں بجانے لگے۔ عینی کی ممی نے کہا۔ "خاصے مہمان آچکے ہیں لیکن فرمان بھائی اور بھابی نظر نہیں آرہے ہیں؟"

جلال اکبر نے کہا۔ "وہ بڑھاپے میں خضاب لگا رہا ہوگا عینی! تم انجوائے کرو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔"

وہ اپنی بیوی کے ساتھ اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے لگا اوپر ایک بیڈ روم میں اسماء ایک بیڈ کے سرے پر بیٹھی تھی۔ فرمان اس کے سامنے ٹہل رہا تھا اور پریشان ہوکر کہہ رہا تھا۔ "بیٹا......... بیٹا......... بیٹا......... کیا بیٹا نہیں آئے گا تو تم کیک کاٹنے نہیں جاؤ گی؟"

اسماء نے کہا۔ "جاؤں گی......... مہمان آچکے ہیں......... جانا تو ہوگا لیکن وہ آرہا ہوگا۔"

فرمان نے پریشانی سے اسے دیکھا وہ اپنی دھن میں بول رہی تھی۔ "وہ آرہا ہوگا۔ راستے میں ہوگا۔ آپ نے کہا تھا کہ اس نے عینی کو فون کیا تھا اور اس سے وعدہ کیا تھا کہ آج شام کو ضرور آئے گا۔ جب وہ وعدہ کرچکا ہے تو کیا آپ تھوڑی دیر انتظار نہیں کرسکتے؟"

"اسماء......... پلیز سمجھا کرو......... ہم ساری زندگی اس کا انتظار کرسکتے ہیں' مہمان تو نہیں کرسکتے؟"

"آپ مہمانوں سے کہہ سکتے ہیں کہ لندن سے آنے والا جہاز لیٹ ہوگیا ہے۔ اس لئے اس کا انتظار کیا جارہا ہے۔"

"میں اپنے کئی مہمانوں سے کہہ چکا ہوں کہ عدنان یہاں آچکا ہے وہ اپنے ذاتی بنگلے میں ہے۔ وہاں سے تیار ہوکر آنے والا ہے۔ اب میں بات کیسے بدل سکتا ہوں.........؟"

وہ پریشان ہوکر بولی۔ "آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں؟ میں نیچے جاؤں گی تو مہمانوں کے سامنے کیک کاٹنا ہوگا۔ اس کے بعد وہ آئے گا تو شکایت کرے گا کہ میں نے اس کا انتظار

نہیں کیا اور اس کے بغیر اپنی پچیسویں سالگرہ کا کیک کاٹا ہے۔ اس کے بغیر خوشیاں منا رہی ہوں۔ کیا میں اپنے بیٹے کو شکایت کا موقع دوں گی؟"

ایسے وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ فرمان نے پلٹ کر پوچھا۔ "کون ہے........؟"

جلال نے کہا۔ "اور کون ہو سکتا ہے؟ وہاں مہمانوں کو انتظار کرا رہا ہے اور پچیس برس کی بوڑھی سالگرہ میں ڈلہا بننے کی کوشش کر رہا ہے؟ چل باہر نکل........"

اس نے آکر دروازہ کھولا پھر کہا۔ "یار! میں تو پریشان ہوگیا ہوں تُو ہی اپنی بھابی کو سمجھا........ بھابی........ آپ بھی اسے سمجھائیں۔"

وہ دونوں اندر آگئے۔ بیگم جلال نے اسماء کے پاس آکر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "بھابی........ کیا بات ہے؟ آپ تو تیار ہو چکی ہیں۔ ماشاء اللہ کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں۔ اب آپ کو مہمانوں میں چلنا چاہئے۔"

"کیسے چلوں........؟ وہ ابھی تک نہیں آیا ہے۔ پتہ نہیں اس کے راستے میں کیسی رکاوٹیں آگئی ہوں گی؟ خدا نہ کرے وہ کسی مسئلے میں نہ پڑ گیا ہو۔"

جلال نے کہا۔ "ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ وہ ضرور آئے گا۔ بلکہ آچکا ہوگا اس نے ایک گھنٹہ پہلے مجھے فون کیا تھا کہ وہ اپنی کوٹھی سے نکلنے ہی والا ہے۔"

اسماء خوش ہو کر ایک دم سے کھڑی ہوگئی۔ پھر بولی۔ "کیا اس نے فون کیا تھا؟ کیا وہ اپنی کوٹھی سے نکل چکا ہوگا؟"

"ہاں........ مگر آپ کا بیٹا بہت ضدی ہے۔ مجھ سے لڑائی کر رہا تھا۔"

وہ بولی۔ "کیا آپ سے لڑائی کر رہا تھا؟ کیوں کر رہا تھا؟"

"کہہ رہا تھا کہ اس سالگرہ کی تقریب میں عینی کی منگنی کا اعلان کرنا ہوگا۔"

اسماء نے خوش ہو کر جلال کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "بھائی صاحب! وہ لڑائی نہیں کر رہا ہے اپنا حق مانگ رہا ہے۔ آپ وعدہ کریں کہ آج اسے اس کا حق دیں گے اور منگنی کا اعلان کریں گے؟"

پھر وہ فرمان سے بولی۔ "آپ خاموش کیوں ہیں؟ آپ کیوں نہیں کہتے اور منگنی کا اعلان بھی کیا ضروری ہے؟ وہ تو پہلے ہی ایک دوسرے سے منسوب ہو چکے ہیں لیکن میرا بیٹا کہہ رہا ہے کہ آج منگنی کا اعلان ہونا چاہئے۔"

فرمان نے کہا۔ "تم بھول رہی ہو۔ ہم نے رازداری سے فیصلہ کیا ہے کہ بیٹا جب تک فرماں بردار نہیں بنے گا۔ یہ لڑکی کا باپ اس کے لئے ظالم سماج بن کر رہے گا۔"

وہ بولی۔ "جلال بھائی! آپ میرے بیٹے پر ظلم نہ کریں۔ آج تو آپ کو میری بات ماننی ہی ہوگی۔"

"بھابی! میں آپ کے بغیر آپ کی بات کیسے مانوں؟ جب آپ نیچے جائیں گی' لوگوں سے ملیں گی' سالگرہ کا کیک کاٹیں گی اور اپنے بیٹے کو گلے لگائیں گی تب ہی تو میں منگنی کا اعلان کروں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "تو پھر چلیں ناں........ میں تو بالکل تیار ہوں۔"

"ہم بھی تیار ہیں اور آپ کو اس بوڑھے دلہے کے ساتھ لینے آئے ہیں۔ نیچے چلیں۔"

وہ سب ہنستے بولتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگے۔ بڑے ہال میں عورتوں مردوں بچوں اور بوڑھوں کے قہقہے گونج رہے تھے۔ ایک انٹرٹینر معروف شخصیتوں کی آوازوں اور لہجے کی نقل پیش کر رہا تھا اور سب محظوظ ہو رہے تھے۔ ایک عورت نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "تمام مہمان آچکے ہیں میزبان کا پتہ نہیں ہے۔"

ایک شخص نے کہا۔ "پچیس برس کے بعد نئے دلہا دلہن بننے میں دیر تو لگتی ہے۔"

دوسری ٹولی میں ایک عورت کہہ رہی تھی۔ "ماں باپ تو ایک طرف رہے بیٹا بھی نظر نہیں آرہا ہے۔"

ایک اور عورت نے کہا۔ "سنا ہے کہ وہ لندن کا کاروبار سنبھالتا رہا ہے؟"

ایک شخص نے کہا۔ "لیکن مسٹر فرمان نے تو کہا تھا کہ وہ لندن سے آچکا ہے اور یہاں آنے والا ہے۔"

ایک عورت نے بے زاری سے کہا۔ "تو پھر آ کیوں نہیں رہا ہے؟ نہ تو ماں باپ کا پتا ہے نہ بیٹا دکھائی دے رہا ہے ہم تو یہاں آکر جیسے احمق بن رہے ہیں۔"

کمپیئرنگ کرنے والے نے مائیک کے سامنے آکر کہا۔ "معزز حاضرین! آپ کے معزز میزبان تشریف لا رہے ہیں۔"

سب نے سر اٹھا کر زینے کی طرف دیکھا۔ اسماء فرمان کا ہاتھ تھامے زینے سے اتر

رہی تھی۔ ان کے پیچھے جلال اکبر اپنی بیگم کے ساتھ دکھائی دے رہا تھا۔ کمپیئرنگ کرنے والا کہہ رہا تھا۔ ”معزز حاضرین! آپ جانتے ہیں کہ ازدواجی زندگی گزارنا جتنی آسان بات ہے اتنی ہی دشوار بھی ہے۔ دشوار گزار زندگی گزارنے والے اس باوقار جوڑے کو ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں۔“

تمام حاضرین تالیاں بجارہے تھے۔ اسماء اور فرمان تالیوں کی گونج میں اسٹیج پر آگئے۔ اسماء کی متلاشی نظریں کبھی مہمانوں کے درمیان کبھی دروازے کی طرف بھٹک رہی تھیں۔ فرمان نے اس کے ساتھ مائیک کے سامنے آکر کہا۔ ”معزز خواتین و حضرات آج ہماری ازدواجی زندگی کی پچیسویں سالگرہ ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ یہاں تشریف لاکر مبارکباد بھی دے رہے ہیں اور قیمتی وقت بھی' اپنی محبتیں بھی دے رہے ہیں اور مسرتیں بھی...... ایک بار پھر آپ سب کا تہہ دل سے شکریہ۔ اس موقع پر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ دو افراد ایک دوسرے کے ہم مزاج نہیں ہوتے۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ میاں بیوی ہم مزاج ہوں لیکن یہ ضروری ہے کہ خوش مزاج ہوں۔ میاں خوش مزاج ہوگا تو بیوی کی نامناسب باتوں کو مذاق میں ٹال دے گا اور بیوی خوش مزاج ہوگی تو وہ اپنے شوہر کا غصہ بچوں پر نہیں اتارے گی۔“

اس بات پر سب لوگ قہقہے لگانے لگے۔ اسماء کا ذہن بھٹکا ہوا تھا وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہاں عینی کھڑی ہوئی تھی۔ اسے بھی بے چینی تھی وہ بھی اپنے عدنان کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔

فرمان نے اسماء کو کہنی سے ٹھوکا دیا پھر کچھ بولنے کا اشارہ دیا۔ وہ مائیک سے ذرا قریب ہوکر بولی۔ ”خواتین و حضرات آپ کا بے حد شکریہ...... آپ...... ہماری سالگرہ کی خوشی میں شریک ہونے آئے ہیں۔ میں...... میں آپ سے اور کیا کہوں؟“

وہ دور دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”میرا بیٹا...... میرا بیٹا ایسا ہے کہ جیسے کسی کا نہ ہوگا۔ وہ میری نو ماہ کی دعا ہے۔ میرے دھڑکتے دل کی ایک ایک صدا ہے۔“

فرمان نے جھک کر اسماء کے کان میں کہا۔ ”پلیز...... اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں کچھ بولو۔“

اسماء نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہا۔ ”ہاں...... ہاں جوانی سے بڑھاپے تک کی زندگی میں ہمارا بہت کچھ لٹ جاتا ہے لیکن اولاد ایسا سرمایہ ہے کہ جسے کوئی لوٹ نہیں سکتا۔ کوئی چھین نہیں سکتا۔ وہ ابھی نہیں ہے تو کیا ہوا؟ آجائے گا اسے کوئی چھین کر نہیں لے جائے گا۔“

فرمان نے سرگوشی میں کہا۔ ”اسماء...... یہ کیا کہہ رہی ہو؟ ہوش میں رہو۔“

وہ بولتی جارہی تھی۔ ”بچے نازک مزاج ہوتے ہیں۔ انہیں پھولوں کی طرح ہاتھوں میں ہی رہنا چاہئے۔ ان پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے۔“

فرمان نے چونک کر اسماء کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے منہ پر طمانچہ پڑا ہو۔ ایک بار ایسا ہوا تھا۔ اس نے غصے میں آکر عدنان کو ایک طمانچہ مارا تھا اور وہ طمانچہ ماں کے دل پر لگا تھا۔ وہ ابھی تک اس کے ذہن پر نقش تھا اور بے اختیار اس کی زبان پر آرہا تھا اور وہ روانی میں بولتی جارہی تھی۔ ”بچوں پر زیادتی ہوتو وہ بھٹک جاتے ہیں۔ گھر کا راستہ بھول جاتے ہیں۔“

بولتے بولتے اس کی نظریں دروازے پر بھٹک رہی تھیں۔ فرمان کی سمجھ میں آگیا کہ اسے اور آگے بولنے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔ یہ ایسی ہی الٹی سیدھی ہانکتی رہے گی۔ صرف بیٹے کا قصیدہ پڑھتی رہے گی۔ اس نے مائیک کے قریب ہوکر کہا۔ ”خواتین و حضرات میرا خیال ہے دیر ہو رہی ہے ہمیں کیک کاٹ لینا چاہئے۔ آؤ اسماء...... آؤ ہم کیک کاٹیں۔“

اسماء نے ایک دم سے ہلکی سی چیخ ماری۔ ”عدنان......“

سب نے اس کی نظروں کی سمت دروازے کی طرف دیکھا۔ تو وہاں عدنان کھڑا ہوا تھا اور عینی سے باتیں کر رہا تھا۔ اسماء اس کی طرف جانا چاہتی تھی۔ فرمان نے اس کا بازو تھام لیا۔ پھر آہستگی سے کہا۔ ”نہیں اسماء...... وہ ہمارا بیٹا ہے۔ ہم اس کے ماں باپ ہیں۔ اسے ہماری طرف آنے دو۔“

عینی اسے کہہ رہی تھی۔ ”تم نے اتنی دیر لگا دی۔ آنٹی کتنی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔ تمام مہمانوں کو انتظار کروا رہی ہیں۔ تمہارے بغیر وہ کیک کاٹنا نہیں چاہتیں۔ اب بھی دیکھو۔ کیسے تمہاری طرف دیکھ رہی ہیں؟“

وہ بولا۔ ”میں صرف تمہاری خاطر یہاں آیا ہوں۔ میں کسی سے کچھ نہیں بولوں گا۔“

”تمہیں اپنے ممی پاپا کے پاس جاکر سلام کرنا چاہئے۔ ان کے گلے لگنا چاہئے۔“

جلال اکبر بھی وہاں آ گیا۔ اس نے کہا۔ ”آؤ عدنان! تم نے بہت دیر کردی؟“

”انکل! آپ مجھے راہ راست پر چلنے کی ہدایت کرتے رہتے ہیں لہٰذا میں اسٹیج پر جاکر پہلے سچ بولوں گا۔“

”بے شک......... تمہیں سچ بولنا چاہئے۔“

”آپ وعدہ کریں کہ مجھے سچ بولنے سے نہیں روکیں گے۔“

”کیا میرا دماغ خراب ہوا ہے کہ میں سچائی سے روکوں گا؟ آؤ میرے ساتھ۔“

وہ جلال اکبر کے ساتھ چلتا ہوا اسٹیج پر آیا‘ اسماء اسے بڑی محبت اور ممتا سے دیکھ رہی تھی۔ فرمان نے اس کے بازو کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور اس سے سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔ ”خبردار......... جب تک وہ ہمارا ادب و احترام نہ کرے اس وقت تک تم اس سے کچھ نہیں کہو گی۔“

وہ بے بس اور التجا آمیز نظروں سے فرمان کو دیکھنے لگی۔ فرمان نے کہا۔ ”پلیز میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ بیٹا آیا ہے تو وہ تم سے ضرور ملے گا۔ ذرا صبر کرو۔“

عدنان اپنے ماں باپ کے قریب آیا لیکن ان سے منہ پھیر کر مائیک پر بولنے لگا۔

”معزز خواتین و حضرات......... میرا نام راؤ عدنان علی ہے۔ میں ان خوش نصیب میاں بیوی کا بیٹا ہوں جو آج اپنی شادی کی پچیسویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ میں ان کی شادی کے تین برس بعد پیدا ہوا تھا۔ آج میں بائیس برس کا ہوں۔ ماں باپ اور خاندان کے دوسرے بزرگ اپنے بچوں کو سمجھاتے ہیں کہ ہمیشہ سچ بولا کرو لہٰذا آج میں سچ بولنے کے لئے آپ کے سامنے آیا ہوں۔ ان پچیس برسوں میں‘ میں نے اور میرے ماں باپ نے کیا سچ کہا ہے کیا جھوٹ کہا ہے۔ کیا اچھا کیا ہے کیا برا کیا ہے؟ اس سلسلے میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔“

اسماء نے پریشان ہو کر فرمان کو دیکھا۔ پھر بیٹے کو مخاطب کیا۔ ”عدنان!“

بیٹے کو مخاطب کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے اسے آگے کچھ کہنے سے روکنا چاہتی ہو۔

فرمان نے کہا۔ ”نہیں اسماء......... یہ آج جو کہنا چاہتا ہے اسے کہنے دو اسے اپنے دل کا غبار نکالنے دو۔“

وہ تمام حاضرین کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میری زندگی کا حالیہ سچ یہ ہے کہ میں لندن سے نہیں آرہا ہوں میں پچھلے ایک برس سے جیل میں تھا اور ایک جرم کے سلسلے میں سزا کاٹ رہا تھا۔“

اس کی یہ بات سنتے ہی سارے مہمان اسے حیرانی سے تکنے لگے۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ کہنے لگے۔ ان کی دھیمی دھیمی سرگوشیاں پورے ہال میں گونجنے لگیں۔ جلال اکبر نے کہا۔ ”عدنان تمہیں یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”انکل.........! کیا یہ سچ نہیں ہے؟“

”بے شک......... یہ سچ ہے لیکن کچھ سچائیاں ایسی ہیں جو اپنی عزت نفس کے لئے‘ اپنی اور اولاد کی بہتری کے لئے چھپائی جاتی ہیں۔ جس سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچتا ہو۔ وہ سچ چھپایا جاسکتا ہے۔“

اس نے تمام حاضرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں انکل کی یہ بات نہیں جانتا‘ سچ تو سچ ہوتا ہے۔ چھپانے کے لئے نہیں ہوتا۔ ہمارے سمجھنے سمجھانے کے لئے اور اس پر عمل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک سچ کو چھپانے کے لئے جو جھوٹ بولا جاتا ہے تو اس جھوٹ کے بعد پھر دوسرا جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ پھر دوسرے جھوٹ کو چھپانے کے لئے تیسرا جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔“

حاضرین کے درمیان بیٹھے ہوئے ایک مولانا نے کھڑے ہو کر تائید کی۔ ”بے شک......... جھوٹ تو جھوٹ ہی ہوتا ہے اسے چھپانا نہیں چاہئے اور سچ کا بول بالا کرنا چاہئے۔ چاہے اس سچ سے کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچتا ہو۔“

عدنان نے کہا۔ ”جب عام حالات میں جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے تو کیا دین کے معاملے میں چھوٹا سا بھی جھوٹ بولنے کی اجازت مل سکتی ہے؟“

”ہرگز نہیں......... مومن وہ ہوتے ہیں جو مرتے دم تک کبھی جھوٹ نہیں بولتے کسی بات پر سمجھوتہ نہیں کرتے۔ دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کہتے ہیں۔“

ایک بزرگ نے کہا۔ "عدنان.........! تم ان معاملات میں اپنے دین کو درمیان میں نہ لاؤ۔ تمہارے ساتھ جو ہوا' جو جھوٹ بولا گیا' وہ ایک الگ بات ہے یہاں کسی مذہبی مسئلے پر بات کرنا مناسب نہیں ہے۔"

"کیوں مناسب نہیں ہے؟ اگر کوئی بات دین اسلام کے خلاف ہوتی ہو تو کیا ہمیں اس کے خلاف بولنا نہیں چاہئے؟"

ایک معمر خاتون نے پوچھا۔ "یہاں ایسی کیا بات ہو رہی ہے جو ہمارے دین اسلام کے خلاف ہے۔"

عدنان نے آہستگی سے سر گھما کر اپنے ممی ڈیڈی کو دیکھا۔ اسماء بری طرح پریشان تھی۔ وہ فرمان کے بازو سے لگ گئی۔ فرمان اسے تھپک رہا تھا۔ خاموشی سے تسلیاں دے رہا تھا۔ پھر اس نے عدنان سے کہا۔ "ہماری طرف نہ دیکھو۔ آج تم جو سچ بولنا چاہو بولو۔ اپنے دل کا غبار خوب نکالو۔ اپنے والدین پر جتنی کیچڑ اچھال سکتے ہو' اچھالو' ہمارے منہ پر جتنے جوتے مار سکتے ہو مارو۔"

عدنان نے حاضرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے کھل کر باتیں نہیں کرسکوں گا۔ بس اتنا کہوں گا کہ میں نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا ہے۔ ان کا گھر چھوڑ دیا ہے۔ میں ان سے لاتعلق ہوں۔ انہیں اپنی ماں اور اپنا باپ تسلیم نہیں کرتا کیونکہ........."

اس نے چپ ہو کر پھر اپنے ماں باپ کو دیکھا۔ کئی عورتوں کو تجسس پیدا ہو رہا تھا۔ مرد بھی متجسس نظروں سے عدنان کو دیکھ رہے تھے۔ سب کہنے لگے۔ "خاموش کیوں ہوگئے؟ آگے بولو۔"

وہ بولا۔ "آگے ایسی بات ہے جسے کہنے سے زبان جل جاتی ہے بس اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ شادی کی پچیسویں سالگرہ ایک ڈھونگ ہے ایک تماشہ ہے ایک دکھاوا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

حاضرین میں ہلچل سی پیدا ہوگئی۔ سب کچھ نہ کچھ بولنے لگے اور اونچی آواز میں یہ مطالبہ کرنے لگے کہ اسے کھل کر بولنا چاہئے وہ آخر کہنا کیا چاہتا ہے؟ بات کوئی گہری اور پُراسرار لگتی ہے۔

جلال اکبر نے غصے سے کہا۔ "عدنان......... میں نے تمہیں سچ بولنے کے لئے کہا

تھا۔ اپنے ماں باپ پر کیچڑ اچھالنے کے لئے نہیں کہا تھا۔ تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ میں تمہارے ماں باپ کو اس وقت سے جانتا ہوں جب تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ میں ان کی شرافت اور ایمانداری کی قسمیں کھا سکتا ہوں۔"

عدنان نے حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا۔ "انکل......... آپ قسمیں کھا سکتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو آپ جانتے ہیں وہی سچ ہو......... اور جو میں جانتا ہوں وہ جھوٹ ہو......... بعض اوقات بزرگ جو کچھ جانتے ہیں وہ غلط ثابت ہوتا ہے اور بچے جو دیکھ لیتے ہیں سمجھ لیتے ہیں وہ ہی سچ ثابت ہوتا ہے۔"

وہ پھر غصے سے بولا۔ "تم نے کیا دیکھا ہے؟ کیا سمجھا ہے؟ تم یہاں کیا بکواس کرنے آئے ہو؟"

"آپ بہت غصے میں ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میری ممی کی حالت کچھ خراب ہو رہی ہے۔ یہ بیمار ہیں۔ میں انہیں اور زیادہ بیمار کرنا نہیں چاہتا لیکن مجبور ہو کر سچ بول رہا ہوں۔ اپنی ممی کی بہتری کے لئے سچ بول رہا ہوں اگر وہ بیماری سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ اپنے سر سے بوجھ اتارنا چاہتی ہیں اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہتی ہیں تو میرے ڈیڈی سے علیحدگی اختیار کرلیں کیونکہ اب تک یہ دونوں جو زندگی گزار رہے ہیں وہ دین اسلام کے خلاف ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہوں گا۔"

وہ وہاں سے چلتا ہوا اسٹیج سے اتر کر لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا جانے لگا۔ اسماء کا سر چکرا رہا تھا۔ وہ بے ہوش ہو کر گرنے والی تھی۔ فرمان نے اسے سنبھال لیا۔ جلال اکبر بھی اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ ادھر تمام مہمان عدنان کو روکنا چاہتے تھے۔ اس سے پوچھ رہے تھے کہ کیوں جارہے ہو؟ ماں باپ سے ناراضگی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر وہ کوئی غلطی کر رہے ہیں تو اس کی تلافی ہوسکتی ہے۔ تم اپنے ماں باپ کا محاسبہ کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے لیکن تمہیں جانا نہیں چاہئے۔ وہ سب ہی کو کچھ نہ کچھ جواب دے رہا تھا۔ انہیں اپنے سے دور ہٹاتا ہوا۔ ان سے دور جاتا ہوا دروازے پر آیا باہر عینی کھڑی ہوئی تھی۔ اسے بڑے دکھ اور غصے سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سر جھکا کر جانے لگا۔ وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولی۔ "تمہارے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی؟ ماں باپ پر کیچڑ اچھال کر تمہیں کیا ملا؟ تم نے دیکھا آنٹی کی کیا حالت ہوگئی ہے؟ کیا وہ زندہ رہیں گی؟"

اس نے تڑپ کر سر اٹھا کر عینی کو دیکھا پھر کہا۔ "بکواس مت کرو۔"

"جو تیر تم نے ان کے سینے پر مارا ہے اس سے وہ چھلنی ہو چکی ہیں۔ اب تم انہیں زندہ نہیں پاؤ گے۔ تم تو ان سے دور رہتے ہو۔ میں پچھلے ایک برس سے انہیں دیکھتی آرہی ہوں۔ وہ بیماریوں سے کس طرح لڑتی رہی ہیں۔ نیند میں اور بے ہوشی کی حالت میں صرف تمہارا نام ہی لیتی رہتی ہیں۔"

"تم میرے جذبات کو نہ بھڑکاؤ۔ تمہارا فرض ہے کہ جاکر ان کی خبر لو۔ ان کی تیمارداری کرو۔"

"وہاں میری ممی اور بہت سے لوگ ہیں مگر تم کس حال میں انہیں چھوڑ کر جارہے ہو؟"

"میں دور جاکر بھی ان کے قریب ہی رہوں گا۔ فون کے ذریعے تم سے ان کی خیریت پوچھوں گا۔"

"ڈیڈی نے میرا موبائل مجھ سے لے لیا ہے۔ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

اس نے اپنا موبائل فون نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "میں نے آج ہی خریدا ہے۔ اسے رکھ لو۔"

"پھر تمہارے پاس کیا رہے گا؟"

"میں شاکر سے فون لے کر کام چلاؤں گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "لیکن میں اسے چھپا کر نہیں رکھ سکوں گی۔ تم وقت بے وقت مجھے کال کرو گے تو اس کا بزر سنائی دے گا۔ ممی اور ڈیڈی کو معلوم ہو جائے گا۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ جب بھی تمہیں تنہائی نصیب ہو تو تم مجھے فون کرو گی۔ یہ میں جانتا ہوں کہ تم رات گیارہ بجے کے بعد اپنے بیڈ روم میں اکیلی ہوتی ہو۔ میں بارہ ایک بجے تک تمہیں کال کیا کروں گا۔"

کتنی ہی عورتیں ہال سے نکل کر اس کے پاس آگئیں۔ سب کو تجسس تھا کہ وہ کیا کہہ کر آیا ہے؟ اور اس کی بات کے پیچھے کتنے گہرے راز چھپے ہوئے ہیں۔ یہ بات تو سب کے دلوں میں تجسس پیدا کر رہی تھی کہ اس کے ماں باپ دین اسلام کے اصولوں کے خلاف زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ عورتیں طرح طرح کے سوالات کرنے لگیں۔

ایک بزرگ خاتون نے کہا۔ "عدنان! تم ہمارے بیٹے جیسے ہو ہم سے کچھ نہ چھپاؤ۔ یہ بتاؤ تمہیں اپنے والدین سے جو اختلافات ہیں وہ کس حد تک درست ہیں۔"

اس نے کہا۔ "پلیز.......... آپ لوگ ہماری تنہائی میں مداخلت نہ کریں۔ میں ان سے ضروری باتیں کر رہا ہوں۔"

"میں تمہاری بزرگ ہوں۔ پہلے مجھ سے بات کرو۔"

"آپ بزرگ ہیں تو میرے بزرگوں کے پاس جائیں۔ ان سے سوال کریں بچوں سے کیا سوال کر رہی ہیں۔"

ایک جوان لڑکی نے کہا۔ "میں تو بزرگ نہیں ہوں۔ مجھ سے بات کرو۔"

عدنان نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "مجھے معاف کرو۔ پلیز.......... میں کسی کی بات کا جواب نہیں دوں گا۔ مجھ سے زبردستی کی جائے گی تو میں گستاخی پر اتر آؤں گا کیا یہ اچھا لگے گا.......... پلیز.......... آپ لوگ چلے جائیں۔"

وہ ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر عینی کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا کوٹھی کے باہر گارڈن میں آگیا۔ اس نے اتنی سختی سے اس کے بازو کو پکڑا کہ وہ سحر زدہ ہو رہی تھی۔ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اسی طرح پکڑی جائے۔ اسی طرح جکڑی جائے۔

اس نے گارڈن کے باہر آکر اس کے بازو کو چھوڑ دیا۔ وہ سحر سے نکل آئی اور اسے جذباتی انداز میں دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ "مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ آخر تم مجھے کب اس طرح پکڑو گے کہ کبھی چھوڑ نہ سکو اور میں خود کو کبھی چھڑا نہ سکوں۔"

کوٹھی سے اور دو چار شخص آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ عدنان نے بے زاری سے کہا۔ "اوہ گاڈ!.......... یہ لوگ میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ ان سب کے دل میں تجسس پیدا ہو گیا ہے۔ سب ہی مجھ سے طرح طرح کے سوالات کریں گے۔"

"تمہیں ایسی بات کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اگر تمہیں اعتراض تھا اور واقعی آنٹی اور انکل دینی اور دنیاوی اصولوں کے خلاف زندگی گزار رہے ہیں تو یہ بات تنہائی میں بھی کی جاسکتی تھی۔ میرے ڈیڈی پر اعتماد کرتے انہیں ساتھ لے کر اس سلسلے میں باتیں کرتے تو وہ بھی تمہارے ساتھ ان کا محاسبہ کرتے اور بات تنہائی میں خاموشی سے بن جاتی یوں پبلسٹی تو نہ ہوتی۔ تم نے ان پر کیچڑ اچھالی ہے۔"

"میں انہیں وارننگ دیتا آرہا تھا۔ سمجھاتا آرہا تھا کہ وہ ایسی زندگی گزارنے سے باز آجائیں میں ممی سے کہہ رہا تھا کہ وہ ڈیڈی کو چھوڑ دیں۔ میرے پاس آجائیں لیکن وہ دونوں بضد تھے اور میری ضد کو نہیں سمجھ رہے تھے۔ جب کہ میرا مطالبہ جائز ہے اور جائز رہے گا۔"

کچھ لوگ قریب آگئے تھے۔ وہ فوراً ہی پلٹ کر جاتے ہوئے بولا۔ "اب میں فون پر تم سے بات کروں گا۔ رات کے ایک بجے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا جانے لگا۔ ایک شخص نے آواز دی۔ "بیٹے عدنان رک جاؤ......... ہم تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

وہ دور سے ہی پلٹ کر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "سوری انکل......... میں ابھی کسی سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ میں اس وقت ذہنی طور پر الجھا ہوا ہوں۔ تنہائی چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ کوٹھی کے باہر چلا گیا۔ باہر شاکر کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرتا ہوا عینی کی نظروں سے اوجھل ہوتا چلا گیا۔

وہ اندر آئی تو وہاں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ سب ہی ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ پوچھ رہے تھے۔ عینی سے بھی سوالات کیے جانے لگے۔ وہ بولی۔ "میں کچھ نہیں جانتی میرے بزرگ جانتے ہوں گے۔ آپ ان سے سوالات کریں۔"

ان سے بھی سوالات کئے جا رہے تھے۔ جلال اکبر اسٹیج پر آکر ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ "میں آپ تمام خواتین و حضرات سے التجا کرتا ہوں کہ خاموش ہوجائیں۔ بھابی بے ہوش ہوچکی ہیں۔ وہ بیمار رہتی ہیں۔ یہاں ہمارے کئی ڈاکٹر دوست ہیں۔ وہ انہیں اٹینڈ کر رہے ہیں۔ انہیں ہوش میں لا رہے ہیں۔ پلیز......... آپ لوگ خاموش ہوجائیں۔"

ایک شخص نے کہا۔ "جناب ڈی آئی جی صاحب! آپ تو بہت کچھ جانتے ہوں گے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ مسٹر راؤ فرمان علی اپنی وائف کے ساتھ کس پہلو سے غلط زندگی گزار رہے ہیں؟ بیٹا کہہ گیا ہے کہ ان کی زندگی دین اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔"

جلال اکبر نے غصے سے کہا۔ "بکواس کر رہا تھا وہ۔ پاگل ہے۔ سر پھرا ہے خوامخواہ والدین سے جھگڑا کرتا ہے۔ آج کل کی نئی نسل کو پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے؟ یہ نوجوان خود کو

بزرگوں سے زیادہ ذہین اور سمجھدار سمجھتے ہیں۔"

بیگم جلال خواتین کو سمجھا رہی تھیں کہ آپ لوگوں نے جو سنا ہے وہ غلط ہے یہ لڑکا بہت ہی سر پھرا ہے۔ اپنی گمراہی اور غلطیوں کی وجہ سے جیل گیا تھا۔ ماں باپ سے ہمیشہ جھگڑا کرتا رہتا ہے۔ آپ خود ہی سوچیں کہ اگر یہ نارمل ہوتا تو کیا سب کے سامنے اپنے ماں باپ پر کیچڑ اچھالتا؟"

جلال' بیگم جلال عینی اور فرمان وغیرہ سب ہی کو باری باری سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان سے کہہ رہے تھے کہ اسماء کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ ہوش میں آگئی ہے لیکن سالگرہ کا کیک نہیں کاٹ سکے گی۔ پلیز آپ لوگ کچھ کھاپی کر جائیں۔ کھانا تیار ہے۔

کچھ لوگوں نے کھایا۔ باقی نے انکار کردیا۔ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو ناراض ہوکر چلے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ ان سے حقیقت چھپائی جارہی ہے۔ کچھ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ اگر بیٹا درست کہہ رہا تھا اور یہاں میاں بیوی اپنے مذہبی اصولوں کے خلاف زندگی گزار رہے ہیں تو پھر یہاں کا دانہ پانی حرام ہے۔ ہم تو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پئیں گے۔

تمام دوست احباب اور دور کے رشتے دار ایک ایک کرکے جا رہے تھے لیکن راؤ فرمان علی کی بہن اور بہنوئی' اسماء کی سوتیلی ماں اور ادھر عینی کی دادی دادا وغیرہ جو قریبی رشتے دار تھے' وہ وہیں رہ گئے تھے۔ انہیں یہ گمان تھا کہ چونکہ خون کا سگا رشتہ ہے۔ اس لئے راؤ فرمان علی اور جلال اکبر اپنے اپنے خون کے رشتے سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔ کوئی بات چھپائی گئی ہے تو اب اسے کھل کر بیان کریں گے۔

وہ حالات کو سمجھ رہے تھے اسماء بیمار تھی۔ ابھی ہوش میں آئی تھی۔ اس لئے وہ ابھی ایسا کوئی موضوع چھیڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اسماء کی سوتیلی ماں نے کہا۔ "میری بیٹی کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں آج یہیں رک جاتی ہوں۔"

فرمان کے بہن بہنوئی نے بھی کہا کہ ہم بھی بھابی کو ایسی حالت میں چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ جلال اکبر نے اپنی فیملی کے ساتھ رات کا کھانا وہاں کھایا۔ پھر تقریباً دس بجے اسماء کے پاس آکر بولا۔ "بھابی! ہم اجازت چاہیں گے۔ کل صبح ہی آپ کی خیریت معلوم

کرنے آجائیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

اسماء اس کے ہاتھ کو تھام کر بولی۔ "جلال بھائی! میرا بیٹا کہاں ہے؟ کوئی بتاتا کیوں نہیں ہے؟"

"وہ جہاں بھی ہے خیریت سے ہے۔ اس نے آج جو بھی کہا اچھا نہیں کیا۔ میں اس سے ابھی جاکر کہیں نہ کہیں ملوں گا اور اسے سمجھاؤں گا۔ ہوسکا تو اسے آپ کے پاس لے کر آؤں گا۔"

"مجھے آپ سے امید ہے کہ آپ میرے بیٹے کو ضرور لائیں گے۔ اس سے کہیں ماں بلا رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ اور جتنی گالیاں دینا چاہتا ہے دے لے یہاں چند لوگوں کے سامنے نہیں بلکہ ساری دنیا کے سامنے ماں کو جوتے مار لے لیکن صرف ایک بار ماں کے کلیجے سے لگ جائے۔"

"آپ ایسی باتیں نہ کریں میں اس گستاخ کو آپ کے سامنے جھکا کر رہوں گا۔"

وہ اسماء سے رخصت ہوکر ڈرائنگ روم میں آیا۔ پھر فرمان سے بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ عدنان نے آج کیسا دھماکہ کیا ہے اس دھماکے میں کتنی سچائی ہے اور کتنی نفرت اور جھوٹ ہے؟ میں تمہارے اس لڑکے کو پکڑوں گا۔ بہت ہی گستاخ اور بدتمیز ہوگیا ہے۔ اتنی عقل تو ہونی چاہئے کہ ایسی باتیں محفل میں نہیں کی جاتیں۔ اپنے بزرگوں کے سائے میں بیٹھ کر تصفیہ کیا جاتا ہے۔ ایسی کوئی بات تھی تو اسے پہلے مجھ سے کہنا چاہئے تھا۔"

جلال اکبر کے والد نے چھڑی کے سہارے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "بیٹے فرمان ہم بھی تشویش میں مبتلا ہیں۔ ہمارے اندر بھی تجسس ہے کہ سچ کیا ہے یہ تم ہی بتا سکتے ہو مگر ہمارے بیٹے نے منع کیا ہے کہ ابھی ہم یہ موضوع نہ چھیڑیں ہم جارہے ہیں ہوسکے تو ہمیں سچ بتادینا۔"

وہ اپنی بوڑھی بیگم اور پوتی عینی کے ساتھ وہاں سے جانے لگے۔ جلال نے فرمان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "یار........! ہم بچپن کے بے تکلف دوست ہیں۔ اگر تُو نے مجھ سے کوئی بات چھپائی ہے تو میں تجھے معاف کردوں گا۔ شرط یہ ہے کہ اب مجھ سے کچھ نہ چھپانا۔ کل صبح تک اچھی طرح سے سوچ لے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم باپ بیٹے میں کون صحیح راستہ پر ہے؟"

وہ اپنی بیگم کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

ابھی تو وہ کوٹھی شاد و آباد تھی۔ وہاں جشن منایا جارہا تھا۔ قہقہے گونج رہے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سناٹا چھا گیا۔ جیسے آشیانے سے تمام پرندے اڑ گئے ہوں۔ ویرانی چھا گئی۔ وہ اسماء کے ساتھ پہلے کی طرح پھر تنہا رہ گیا۔

وہ سر جھکائے چلتا ہوا بیڈ روم میں آیا۔ وہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھنے لگی۔ وہ آگے بڑھ کر بولا۔ "نہیں........ نہیں لیٹی رہو میں تمہارے قریب ہی بیٹھوں گا۔"

وہ اس کے پاس آکر بستر کے سرے پر بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا۔ "جلال بھائی کیا کہہ رہے تھے؟"

"کیا کہیں گے؟ وہ اور تمام رشتے دار یہ شبہ کررہے ہیں کہ ضرور کوئی ایسی بات ہے جسے ہم چھپا رہے ہیں اور بیٹا انکشاف کر رہا ہے۔ کوئی ایسا سچ ہے جو ہمارے لئے باعثِ شرم ہے۔"

اس نے فرمان کو سوچتے ہوئے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "آپ کو بیٹے پر غصہ آرہا ہوگا؟"

"تو کیا غصہ نہیں آنا چاہئے؟ اس نے ہماری عزت نہیں رکھی۔ اس بات کا تو لحاظ رکھ لیتا کہ ہم نے اسے پیدا کیا ہے۔ اس کی پرورش کی ہے۔ اسے تعلیم دلوائی ہے۔ اسے اس قابل بنایا ہے کہ وہ دنیا کے سامنے جھوٹ کو سچ کہہ سکتا ہے۔"

"اور جب وہ سچ کہہ رہا ہے تو آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟"

اس نے چونک کر اسماء کو دیکھا پھر کہا۔ "یہ تم کہہ رہی ہو؟ کیا بیٹے کی طرح تم بھی یہ سچ زبان پر لاسکتی ہو؟"

اس نے سر جھکا لیا۔ شرم سے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ اس نے آگے کی طرف جھک کر اس کے سینے پر اپنا سر رکھ کر منہ چھپا لیا۔

فرمان نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "میں شروع سے جانتا ہوں کہ تم بہت شرم والی ہو۔ تم یہ کبھی زبان پر لانا نہیں چاہو گی اور ہم بھی نہیں چاہیں گے۔ اگر ایک سچ کو چھپا کر کسی کی شرم رکھی جاسکتی ہے تو اسے چھپا لینا چاہئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس سچ کو ساری دنیا کے سامنے لایا جائے۔"

وہ رونے لگی کہنے لگی۔ "لیکن ہم کب تک اسے چھپائیں گے؟ کب تک میرا بیٹا ہم سے دور رہ کر بھٹکتا رہے گا؟ ہم کب تک خود کو سچا اور اس کو جھوٹا کہتے رہیں گے؟ دنیا والوں کے سامنے اسے سرپھرا اور ایب نارمل بنائے رکھیں گے؟ کیا آپ اپنے بیٹے پر ظلم نہیں کر رہے ہیں؟"

وہ خاموشی سے سوچتا رہا۔ وہ درست کہہ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے؟ سچ کہا نہیں جاسکتا تھا۔ وہ سچ اتنا زہریلا تھا کہ دنیا والوں کے سامنے آتا تو اسماء شرم کے مارے مرجاتی۔ کسی کو منہ دکھانے کے لئے زندہ نہ رہتی۔

فرمان نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میں نے اتنی بڑی غلطی کی ہے جسے تم نے معاف کر دیا ہے۔ مگر خدا معاف نہیں کر رہا ہے۔ مجھے اس کی سزا مل رہی ہے اور ملتی رہے گی۔"

"آپ ایسا نہ کہیں، جو ہو گیا سو ہو گیا۔ ہم نے اس غلطی پر پردہ ڈال دیا ہے۔"

"مگر وہ پردہ اب اٹھتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ کیا کیا جائے۔ سمجھ میں نہیں آتا؟ جلال بھی یہ کہہ کر گیا ہے کہ اس سے یہ بات چھپائی تو وہ ناراض ہوجائے گا۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں......... میں ان سے تعلق توڑنا نہیں چاہتی۔ آپ کچھ ایسا کریں کہ بغیر کچھ کہے سنے وہ ہماری مجبوریوں کو سمجھ لیں اور ہمارے اس مسئلے کو کریدنے سے باز رہیں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے اسماء......... دنیا کے ہر شخص کو ہم اپنا ہم مزاج اور ہم خیال نہیں بنا سکتے۔ پھر وہ اپنی بیٹی ہمارے گھر میں دینے والا ہے تو یقیناً یہاں کی ہر اچھی بری بات کو سمجھنا چاہے گا۔"

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "آج بیٹے نے یہاں آکر پانی سر سے گزار دیا ہے۔ اب مجھے فیصلہ کرنا ہی ہوگا کہ مجھے اپنی شرم و حیا کو اہمیت دینی ہے۔ یا بیٹے کو نارمل بنانا ہے؟ اور اس کی غلط فہمی دور کرکے اسے گلے لگانا ہے؟"

وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "جسے تم بے حیائی سمجھتی ہو کیا اس بات کو زبان پر لاسکو گی؟ کیا میں دنیا والوں کے سامنے یہ حقیقت بیان کرسکوں گا؟ تم نے اس بات کو چھپانے کے سو سو جتن کئے ہیں اب اچھی طرح سوچ لو۔ غور کرو ہر پہلو سے خود کو

ٹٹول کر دیکھو کیا تم اس زہریلے انکشاف کے بعد دنیا والوں سے نظریں ملا سکو گی؟"

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے سوچنے لگے کہ انہیں آج صبح ہونے تک ایک اہم نتیجے پر پہنچنا تھا۔ ایک سچائی کا اعتراف کرنا تھا کیا وہ یہ سچائی دنیا والوں کے سامنے بیان کر سکیں گے؟"

☆======☆======☆

یہ بائیس برس پہلے کی بات ہے۔

فرمان کو اپنے کاروبار سے بے حد لگاؤ تھا۔ اس کی ساری خوشیاں دلچسپیاں اسی کاروبار میں سمٹ آئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے کہ وہ محض کاروبار کرنے کے لئے ہی جوان ہوا ہو۔ اس نے تقریباً اٹھائیس برس جوانی کے دن رات اپنے کاروبار کے مسائل میں الجھتے ہوئے اور انہیں سلجھاتے ہوئے گزار دیئے۔ اسی لئے وہ ایک کامیاب بزنس مین کی حیثیت سے ابھر گیا تھا۔

ایک دن اچانک ہی اس نے اسماء کو دیکھا تو یاد آیا کہ وہ جوان ہے اور اس نے جوانی میں آج تک کسی حسین لڑکی کو نظر بھر کر نہیں دیکھا ہے۔ یہی ایک ایسی سامنے آئی ہے جسے دیکھنے کے بعد تکتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔

وہ بزنس مین تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ کس طرح محبت کی پینگیں بڑھانی چاہئیں۔ وہ تو سیدھا دو اور دو چار کا حساب جانتا تھا کہ لاکھوں اور کروڑوں کا منافع حاصل کرنے کے لئے کس طرح معاملات طے کرنے ہوتے ہیں اور کس طرح معاہدے ہوتے ہیں۔

یہاں لاکھوں کروڑوں کا منافع نہیں تھا۔ دل کی دنیا آباد کرنے کا مسئلہ پیدا ہوگیا تھا اس نے اسماء کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ اس کا پتہ ٹھکانہ معلوم کیا تو پتہ چلا کہ اس کی اپنی ماں کا انتقال ہوچکا ہے۔ سوتیلی ماں ہے اور ایک سوتیلی جوان بہن ہے۔ باپ ایک معمولی بزنس مین ہے۔ فرمان نے بزنس کے ناطے پہلے اس کے باپ سے رابطہ کیا۔ باتیں بنائیں پھر اپنے مقصد پر آیا اور کہا۔ "اگر میں آپ سے رشتے داری کرنا چاہوں تو کیا آپ قبول فرمائیں گے؟"

"آپ وضاحت فرمائیں۔ کیسی رشتے داری کرنا چاہتے ہیں؟"

"میرے ایک دوست پولیس افسر ہیں۔ ان کا نام جلال اکبر ہے۔ وہ آپ کے پاس

آئیں گے اور آپ سے تفصیلی گفتگو کریں گے۔"

اسماء کا والد شاہنواز خان یہ سمجھ گیا کہ فرمان رشتہ مانگ رہا ہے گھر میں دو جوان بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نام اسماء اور دوسری کا عاصمہ تھا۔ شاہنواز نے گھر آکر اپنی بیگم ثریا سے کہا۔ "ہماری بیٹی کے لئے ایک کروڑ پتی بزنس مین کا رشتہ آنے والا ہے۔ اس کا نام راؤ فرمان علی ہے۔ اچھا جوان ہے کم سے کم عرصے میں اس نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ وہ لوگ کل یہاں آنے والے ہیں۔"

ثریا بیگم نے خوش ہو کر کہا۔ "میری بیٹی کی تو قسمت کھل گئی ہے۔ میں اپنی عاصمہ کو کل بیوٹی پارلر لے جاکر تیار کرواؤں گی۔"

"اسماء........ بڑی ہے پہلے اس کا رشتہ ہونا چاہئے۔"

"اگلی بار جو رشتہ آئے گا تو پھر اسماء کی بات کی جائے گی۔ میں تو فرمان علی سے ہی اپنی بیٹی کو منسوب کروں گی۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "تم سوتیلی ماں کی زبان سے نہ بولو۔"

"اے ہے میں تو ہوں ہی سوتیلی۔ آپ سگے ہو کر سوتیلے باپ نہ بنیں۔ یہ تو سوچیں کہ ہماری عاصمہ ایب نارمل ہے۔ اس کے رشتے بڑی مشکل سے آئیں گے بلکہ مجھے تو امید ہی نہیں ہے کہ یہ کبھی بیاہی جائے گی۔ اگر راؤ فرمان علی نے اسے پسند کر لیا تو پھر میرے سر سے پہاڑ اتر جائے گا۔ آپ پہلے عاصمہ کا گھر بسانے کی بات کریں۔ آپ یہ بتائیں کہ لڑکے والوں نے تو کچھ کہا ہو گا کہ وہ ہماری کس لڑکی کا رشتہ چاہتے ہیں؟"

"نہیں........ راؤ فرمان علی نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ اس کے سامنے جو لڑکی جائے گی۔ وہ اسے پسند کرلے گا۔ اسی کو ہماری بیٹی سمجھے گا۔ اسے یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ ہمارے گھر میں دو بیٹیاں ہیں۔"

شاہنواز نے پریشان ہو کر اپنی بیگم کو دیکھا۔ کچھ سوچا پھر کہا۔ "بیگم! میرا خیال ہے راؤ فرمان علی نے ہماری دونوں بیٹیوں میں کسی ایک کو کہیں دیکھا ہے اور اسے پسند کیا ہے۔ تب ہی اس نے مجھ سے فون پر بات کی ہے۔"

ثریا نے سینہ تان کر کہا۔ "پھر تو اس نے میری بیٹی کو ہی دیکھا ہوگا۔ اسے آنے تو

دیں۔ پھر دیکھیں وہ کیسے میری عاصمہ کو پسند کرے گا۔"

اس نے اسماء کو بلا کر کہا۔ "دیکھو بیٹی! کل میری عاصمہ کا رشتہ مانگنے کے لئے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ تم کل شام کو کہیں چلی جاؤ۔"

اسماء نے حیرانی سے پوچھا۔ "میں کیوں چلی جاؤں؟ ایسی کیا بات ہے؟ جب میری بہن کا رشتہ آرہا ہے تو کیا مجھے اس خوشی میں شریک نہیں ہونا چاہئے؟"

"بات یہ نہیں ہے کچھ سمجھا کرو۔ لڑکے والے ایک لڑکی کا رشتہ لینے آتے ہیں لیکن دوسری سامنے آجائے تو وہ اسے پسند کر لیتے ہیں۔ اگر انہوں نے تمہیں پسند کر لیا تو؟"

"امی........! ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ وہ عاصمہ کے لئے آرہے ہیں تو پھر عاصمہ کو ہی مانگ کر جائیں گے۔"

وہ انکار کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "نہیں........ میری بیٹی کی قسمت سے بہت بڑے گھرانے سے رشتہ آرہا ہے۔ میں کل کوئی گڑبڑ ہونے نہیں دوں گی۔"

وہ پریشان ہو کر باپ سے بولی۔ "میرے فائنل امتحان ہو رہے ہیں۔ میں اپنے کمرے میں تنہا بیٹھ کر اسٹڈی کرتی رہتی ہوں۔ کہیں باہر جاؤں گی تو میرا وقت بہت برباد ہو گا۔"

شاہنواز نے کہا۔ "ثریا........! تم خوامخواہ ضد نہ کرو کل یہ شام کو اپنے کمرے میں اسٹڈی کرتی رہے گی۔ مہمان آئیں گے تو یہ ادھر نہیں آئے گی۔ تمہاری بات بھی رہ جائے گی اور اس کی اسٹڈی بھی جاری رہے گی۔"

رات کو فرمان نے فون پر شاہنواز سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "آپ کو زحمت دینے کی معذرت چاہتا ہوں۔ دراصل میں آپ کے مکان کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ کس محلے کس گلی میں ہے؟ آپ ذرا تفصیلی پتہ بتا دیں تاکہ ہمیں پہنچنے میں آسانی ہو۔"

شاہنواز اسے تفصیلی پتہ سمجھانے لگا۔ ایسے وقت ثریا نے آہستگی سے کہا۔ "یہ معلوم کرو کہ یہ ہماری کس بیٹی کے لئے آرہے ہیں؟"

شاہنواز نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم نے تو کہا تھا کہ انہیں دو بیٹیوں کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے؟"

"ہاں......... کہا تو تھا لیکن میرے دل میں ہلچل سی مچی ہوئی ہے میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ میری کس بیٹی کا رشتہ چاہتے ہیں؟"

فرمان نے کہا۔ "آپ کی صاحبزادی کا نام اسماء ہے۔"

"دیکھئے......... ہماری ایک بیٹی کا نام اسماء اور دوسری کا عاصمہ ہے آپ صحیح نام بتائیں۔ ایک کا الف سے شروع ہوتا ہے دوسری کا عین سے شروع ہوتا ہے آپ اسماء کہہ رہے ہیں یا عاصمہ کہہ رہے ہیں؟"

فرمان اس بات پر الجھ گیا۔ اس نے کہا۔ "دیکھیں......... میں کچھ نہیں جانتا میں نے بس کسی سے معلوم کیا ہے کہ اس کا نام اسماء تھا۔ اب مجھے بتانے والے نے اسماء کہا تھا یا عاصمہ کہا تھا۔ اب میں یہ سوچ کر کنفیوز ہو رہا ہوں۔ دونوں ناموں کے تلفظ یکساں سے لگتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں جب آپ یہاں آئیں گے تو یہ کنفیوژن دور ہوجائے گی۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ شاہنواز نے ریسیور رکھ کر کہا۔ "وہ خود نہیں جانتا کہ وہ اسماء کے لئے آرہا ہے یا عاصمہ کے لئے؟ نام کا الجھاؤ پیدا ہوگیا ہے۔"

ثریا نے کہا۔ "کوئی الجھاؤ نہیں ہے دیکھ لینا وہ لوگ کل میری بیٹی کو ہی پسند کریں گے۔"

اس نے بیٹی کو آواز دی۔ "عاصمہ.........! تم کہاں ہو؟"

بیٹی کی طرف سے جواب نہیں ملا۔ ماں نے کہا۔ "ابھی تو ساتھ والے کمرے میں تھی۔ میں جاکر دیکھتی ہوں کیا کر رہی ہے؟"

اس نے کمرے میں آکر دیکھا تو وہ ٹی وی کے سامنے بیٹھی ایک کارٹون پروگرام دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "تم کب تک بچی بنی رہو گی اور کارٹون سے دل بہلاتی رہو گی۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنا میرون کلر کا سوٹ ملازم کو دو۔ وہ پریس کروا کر لے آئے گا۔ اس سوٹ میں تم بہت کھلتی ہو۔"

"میں نے وہ سوٹ لے جاکر خود ہی لانڈری میں ڈال دیا ہے۔ وہ صبح کو دیں گے۔"

"تمہیں جاکر دینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا ملازم مرگئے تھے؟"

"ممی! میں باہر جارہی تھی۔ سوچا کہ سوٹ بھی دیتی چلی جاؤں۔"

"چلو اچھا کیا۔ کس لانڈری میں دیا ہے؟"

وہ سوچنے لگی۔ پھر بولی۔ "کسی میں تو دیا ہوگا۔"

ماں نے غصے سے پوچھا۔ "جہاں بھی دیا ہے اس لانڈری کا نام تو یاد ہوگا؟ وہاں سے رسید بھی لی ہوگی؟"

"نام تو یاد نہیں ہے۔ مگر ہاں......... رسید لی تھی۔"

"کہاں ہے وہ رسید؟"

"میرے پرس میں ہوگی۔"

ماں نے فوراً ہی آگے بڑھ کر میز پر رکھے ہوئے پرس کو اٹھا کر اسے کھولا۔ پھر اس کے اندر رسید ڈھونڈنے لگی۔ بڑبڑانے لگی۔ "تیرے بھولنے کی عادت نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ایک ذرا سی بات یاد نہیں رہتی۔ جب دورہ پڑتا ہے تو کم بخت ہمیں بھی بھول جاتی ہے۔"

رسید اس پرس میں نہیں تھی۔ وہ الماری کھول کر اوپر سے نیچے تک اس رسید کو ڈھونڈنے لگی۔ پھر بولی۔ "کہاں ہے وہ رسید.........؟"

"مجھے کیا معلوم' کیا وہ رسید کے بغیر میرے کپڑے نہیں دے گا؟"

"دے گا......... لیکن یہ تو معلوم ہو کہ کس لانڈری میں دیا ہے؟"

"شہر میں اتنی ساری لانڈریاں ہیں کسی نہ کسی میں تو ضرور دیا ہوگا۔"

"اری کم بخت.........! تیرے ایک سوٹ کے لئے ہم شہر کی تمام لانڈریوں میں پوچھتے پھریں کہ تو کہاں گئی تھی؟ وہ سوٹ کسے پریس کرنے کے لئے دیا تھا؟"

شاہنواز نے کمرے میں آکر پوچھا۔ "کیا یہ پھر کچھ بھول گئی ہے؟"

"اور کیا کرے گی؟ اس نے جینا حرام کردیا ہے۔"

"ممی! ایک لباس کی تو بات ہے آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں میں کوئی دوسرا لباس پہن لوں گی۔"

شاہنواز نے کہا۔ "ثریا! تم اس کی الماری خود کھولو اور کوئی اچھا سا لباس پسند کرو۔

کل اسے یہی پہنایا جائے گا۔ اور اسے اچھی طرح سمجھا دو کہ آنے والے مہمانوں سے کس طرح سنجیدگی سے اور سوچ سمجھ کر گفتگو کرنی ہے۔"

"میں ابھی جو سمجھاؤں گی تو یہ کل تک بھول جائے گی۔ جب مہمانوں کے آنے کا وقت ہوگا۔ تب ہی میں ایک ایک بات ہجے کرکے سمجھاؤں گی تو اسے ہر بات یاد رہے گی۔"

دوسرے دن شام کو فرمان اور جلال اکبر وغیرہ آنے والے تھے۔ ثریا دن کے ایک بجے عاصمہ کو لے کر بیوٹی پارلر میں پہنچی۔ بیوٹی پارلر کی میڈم نے کہا تھا کہ چار بجے تک عاصمہ کو بنا سنوار کر فارغ کردے گی۔ ثریا تھوڑی دیر تک اس پارلر میں اپنی بیٹی کے ساتھ بیٹھی رہی۔ عاصمہ کا میک اپ کچھ دیر بعد شروع ہونا تھا اور چار بجے ختم ہونا تھا۔ ثریا نے اس سے کہا۔ "عاصمہ....... تم یہاں میرا انتظار کرنا کہیں باہر نہ جانا۔ میں ابھی کچھ ضروری چیزیں خرید کر آجاؤں گی۔"

وہ یہ کہہ کر چلی گئی۔ میڈم نے اس سے کہا۔ "ٹھیک دو بجے تمہارا میک اپ شروع کروں گی اور چار بجے سے پہلے فارغ کردوں گی۔ تم یہاں اتنی دیر کوئی میگزین پڑھتی رہو۔"

وہ ایک طرف بیٹھ کر ایک میگزین کی ورق گردانی کرتی رہی۔

کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا' میڈم ایک لڑکی کا میک اپ کر رہی تھی اس نے بیزار ہوکر میگزین ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ گھڑی دیکھی دو بجنے میں ابھی وقت تھا' وہ وہاں سے چلتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر جانے لگی میڈم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں جارہی ہو؟ بس کچھ دیر اور لگے گی' میں ابھی تمہارا میک اپ اسٹارٹ کرتی ہوں۔"

وہ بولی۔ "نو پرابلم....... میں یہیں باہر ہوں۔ جب آپ فارغ ہوجائیں تو مجھے بلا لیجئے گا۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ میڈم نے پارلر کے احاطے کو ایک چھوٹے سے باغیچے کی شکل دے رکھی تھی۔ وہ وہاں جاکر گھاس پر چہل قدمی کرنے لگی۔ ایسے ہی وقت اس نے دیکھا کہ سامنے سفید رنگ کی کرولا میں ایک نوجوان بیٹھا ہوا ہے اور اسے مسکرا کر

دیکھ رہا ہے۔ ایک پل کے لئے نظریں ملیں' عاصمہ فوراً ہی کترا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ ٹہلنے لگی۔ اس دوران میں محسوس ہو رہا تھا کہ اس خوبرو نوجوان کی نظریں مسلسل اسے دیکھ رہی ہیں' ٹٹول رہی ہیں۔

کچھ دیر بعد عاصمہ نے چور نظروں سے دیکھا' وہ اب بھی مسکرا رہا تھا' مسکراہٹ ایسی تھی کہ سیدھی دل میں اتر رہی تھی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس طرف دیکھنے لگی' مسکرانے لگی۔ وہ نوجوان مسکراتا ہوا کار کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ پھر دائیں بائیں دیکھتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔

عاصمہ ایسی ہی تھی کبھی تو کسی سے ایسی بیزاری اور ناگواری ظاہر کرتی تھی کہ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتی تھی اور کبھی کسی سے ایسی لگاوٹ ظاہر کرتی تھی کہ سامنے والا خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتا تھا۔ وہ نوجوان بھی ایسے ہی احساسات کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر قریب آکر بولا۔ "ہیلو مس! کیا یہ آپ کا پارلر ہے؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "نہیں....... میں تو یہاں میک اپ کروانے آئی ہوں۔"

"او....... اچھا مگر آپ کی تو نیچرل بیوٹی ہی بہت زبردست ہے' میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو میک اپ کی ضرورت ہے۔"

وہ خوش ہوکر بولی۔ "میں بھی یہی سمجھتی ہوں' لیکن ممی نہیں سمجھتیں۔ وہ تقدیر کے ساتھ تدبیر بھی آزما رہی ہیں۔"

وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا۔ "میں کچھ سمجھا نہیں......."

وہ ذرا شرما کر بولی۔ "دراصل....... میرا رشتہ طے ہورہا ہے اور آج فرمان علی....... نہیں....... ارمان علی' نہیں فرمان....... نہیں شاید ارمان علی......."

وہ الجھ گئی اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ اسے کس نام کا لڑکا دیکھنے آرہا ہے؟ وہ نوجوان مسکرا کر بولا۔ "نام میں نہ الجھو۔ یہ بتاؤ' یہ حضرت کون ہیں؟"

وہ پھر شرماتے ہوئے بولی۔ "یہ....... یہ آج مجھے دیکھنے آرہے ہیں۔ اسی لئے' ممی مجھے پارلر لے کر آئی ہیں کہ میں پہلی نظر میں ہی ان کے دل میں اتر جاؤں۔"

"کیا تم نے فرمان یا ارمان کو دیکھا ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں....... میں نے تو کیا ممی نے بھی انہیں نہیں دیکھا

ہے۔"

وہ نوجوان سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر معنی خیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ "تم جانتی ہو' میں کون ہوں؟"

اس نے بڑی معصومیت سے انکار میں سرہلایا۔ معصوم ہرنی کو خبر نہیں ہوتی کہ بھوکے شیر کون سا داؤ چل کر اسے شکار کرنے والے ہیں؟ وہ مسکرا کر اس کی طرف جھک کر بولا۔ "میں ارمان علی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "آپ........ آپ ارمان علی ہیں؟ آپ تو پانچ بجے ہمارے گھر آنے والے ہیں؟"

اس نے بات بنائی۔ "ہاں........ آنے والا ہوں۔ میں نے سوچا اس سے پہلے تم سے ملاقات ہو جائے۔"

"کیوں نہیں........ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ ہم ایک دوسرے سے ملاقات کریں' ڈھیروں باتیں کریں' پھر پسند کریں۔"

"کیا........؟ یہاں........ فٹ پاتھ پر........؟ کیا ہی اچھا ہو کہ ہم کسی ہوٹل میں چل کر چائے سے انجوائے کریں اور وہاں کے پُرسکون ماحول میں بات کریں۔"

عاصمہ نے کچھ سوچا اور پھر مسکرا کر اثبات میں سرہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ نوجوان نے اپنی گاڑی کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب آئی پھر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے دروازہ بند کیا پھر دوسری طرف سے گھوم کر آیا۔ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "کیا تمہیں نام یاد نہیں رہتے؟"

"ہاں........ میرے ساتھ یہ بڑی مجبوری ہے' میں کسی بھی بات کو بڑی جلدی بھول جاتی ہوں۔ ویسے تم فرمان علی ہو ناں........؟"

وہ چونک کر بولا۔ "فرمان........؟ آں ہاں........ میں فرمان ہی ہوں۔"

"اور تم آج شام پانچ بجے میرا رشتہ مانگنے کے لئے میرے گھر آنے والے ہو؟"

اس نے چور نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ بڑی ہی پُرکشش تھی۔ کہہ رہی تھی۔ "ممی ڈیڈی نے مجھے بتایا تھا کہ تم مجھے پہلے بھی کہیں دیکھ چکے ہو مجھے پسند کر چکے ہو اور بہت بڑے بزنس مین ہو۔ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

وہ مکاری سے مسکراتے ہوئے بولا۔ "ہاں........ شادی تو ضرور کروں گا لیکن میں شادی سے پہلے تمہیں اچھی طرح دیکھنا پرکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ سرہلا کر بولی۔ "بہت چالاک ہو۔ میں بھی تمہیں اچھی طرح دیکھوں گی پرکھوں گی۔"

"تم مجھے کہاں کہاں سے دیکھو گی؟ کیسے پرکھو گی؟"

"جہاں جہاں سے تم دیکھو گے وہاں وہاں سے میں بھی دیکھوں گی۔ جیسے تم پرکھو گے ویسے ہی میں بھی پرکھوں گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "پھر تو تم بڑی دلچسپ اور کام کی چیز ہو۔"

ثریا ایک گھنٹے کے بعد بیوٹی پارلر میں آئی تو میڈم سے پوچھا۔ "میری بیٹی کہاں ہے؟"

"وہ ابھی یہیں تھی پتہ نہیں کہاں گئی ہے؟"

وہ پریشان ہو گئی۔ پارلر سے باہر آ کر اسے تلاش کرنے لگی۔ وہ آس پاس کہیں ہوتی تو ملتی۔ آخر وہ مایوس ہو کر گھر آ گئی۔

☆======☆======☆

ادھر بیٹی سمندر کے کنارے ایک بہت بڑے ریسٹورنٹ میں بیٹھی فرضی فرمان کے ساتھ کھا پی رہی تھی۔ وہ اس کی باتوں سے بہت محظوظ ہو رہا تھا اور یہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ یہ بالکل ہی بے وقوف ہے۔ کچھ ایب نارمل ہے۔ یہ بڑی آسانی سے پھنسے گی اور جب تک وہ چاہے گا اس کے ساتھ وقت گزارتی رہے گی۔

ایسے ہی وقت عاصمہ نے ایک پی سی او کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں ممی کو فون کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ ذرا ہچکچایا پھر اس کے ساتھ ایک پی سی او میں آ گیا۔ وہ نمبر ڈائل کر کے بولی۔ "ہیلو ممی!"

دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔ "بیٹی!........ تم کہاں ہو؟"

"ممی........! میں فرمان صاحب کے ساتھ ہوں اور یہاں ریسٹورنٹ میں کھانے کے بعد آئس کریم کھا رہی ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "فرمان........؟ کیا تم ہونے والے داماد کے ساتھ ہو؟"

"یس ممی..........! یہ تو مجھ سے ایسے متاثر ہو گئے ہیں کہ اب میرا پیچھا ہی چھوڑنا نہیں چاہتے۔"

ثریا خوش ہو کر ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ "فرمان کو ریسیور دو۔"

عاصمہ نے اسے ریسیور دیتے ہوئے کہا کہ ممی تم سے بات کریں گی وہ ذرا ہچکچانے لگا لیکن انکار نہیں کر سکتا تھا ورنہ بات بگڑ جاتی۔ یہ راز کھل جاتا کہ وہ فرمان نہیں ہے۔

اس نے فون لے کر کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو.......... ممی! میں بول رہا ہوں۔"

ثریا نے پوچھا۔ "بیٹے.........! تم راؤ فرمان علی ہو ناں.........؟"

"یس ممی..........! میں وہی ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے اب سے پہلے بھی میری بیٹی کو دیکھا تھا۔ اسی لئے رشتہ مانگنے آ رہے تھے؟ اور آج پھر اسے دیکھ کر اپنے ساتھ لے گئے ہو۔"

"ممی.........! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کی صاحبزادی کو صحیح سلامت گھر پہنچا دوں گا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جب تک چاہو اسے انجوائے کراؤ۔ مگر پانچ بجے اپنے بزرگوں کے ساتھ گھر چلے آنا۔"

اس نے کچھ سوچا پھر کہا۔ "ممی.........! پانچ بجے تو نہیں آسکوں گا۔ بس یہ سمجھیں کہ چھ سات بجے آ جاؤں گا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "میری بیٹی تمہیں اپنی باتوں اور حرکتوں سے بہت متاثر کر رہی ہے۔ کوئی بات نہیں چھ بجے تک ضرور چلے آؤ۔"

"ٹھیک ہے ممی!"

اس نے فون بند کر کے عاصمہ سے کہا۔

"تمہاری ممی راضی ہو گئی ہیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ تم میرے ساتھ شام چھ بجے تک رہ سکتی ہو۔ میں تمہیں گھر پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد اپنے بزرگوں کے ساتھ تمہارے گھر آ کر رشتہ مانگوں گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "ہم چھ بجے تک خوب انجوائے کریں گے۔ بڑا مزہ آئے گا۔"

وہ اس کے ہاتھ کو تھام کر بولا۔ "مجھے بھی بڑا مزہ آئے گا۔ تم چیز ہی ایسی ہو۔"

☆======☆======☆

اِدھر ثریا مطمئن ہو کر اپنے گھر آ گئی تھی۔ شاہنواز نے پوچھا۔ "بیٹی کہاں ہے۔"

وہ خوش ہو کر اپنے شوہر کے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔ "میں پہلے ہی کہتی تھی کہ فرمان نے میری بیٹی کو ہی پسند کیا ہے۔ وہ ابھی اس کے ساتھ کہیں گئی ہے۔"

شاہنواز کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے پوچھا۔ "وہ کہاں گئی ہے؟ فرمان تم دونوں کو کہاں مل گیا تھا؟"

"مجھے کہاں ملا تھا۔ میں تو ذرا کچھ چیزیں خریدنے گئی تھی۔ واپس آنے پر معلوم ہوا کہ فرمان عاصمہ کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو؟ پتہ نہیں وہ ایب نارمل لڑکی کس کے ساتھ چلی گئی ہے؟"

"بیٹی ایب نارمل ہے' میں تو نہیں ہوں؟ اس نے مجھے فون کیا تھا میں نے اچھی طرح تصدیق کی ہے فرمان سے بات بھی کی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وہ آج پانچ بجے تو نہیں آسکے گا لیکن چھ بجے تک ضرور آ جائے گا۔"

وہ ذرا مطمئن ہو کر بولا۔ "جب فون کے ذریعے تصدیق ہو گئی ہے تو پھر ٹھیک ہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر وہ چھ بجے آئیں گے تو رات کے کھانے کا وقت ہو جائے گا۔ ہمیں کھانے کا بھی انتظام کرنا چاہئے۔"

وہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ کہنے لگی۔ "میرا تو جی چاہتا ہے کہ میں پورے شہر کو اس خوشی میں دعوت دوں۔ اب اتنی جلدی گھر میں تو کچھ تیار نہیں ہو سکے گا۔ حاجی پکوان والا بہت مشہور ہے۔ آپ اس کے ہاں سے کھانا منگوا لیں۔"

وہ وہاں سے چلتے ہوئے اسماء کے کمرے میں آئی۔ خوشی کے مارے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اس نے کمرے میں آ کر اسے لکھتے پڑھتے دیکھا۔ پھر اس کی بلائیں لیتے ہوئے بولی۔ "میری بیٹی! دن رات کتنی محنت کرتی ہے اور میں اس کے کھانے پینے کا خیال بھی نہیں رکھتی۔"

اسماء نے حیرانی سے سوتیلی ماں کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "آج کیا بات ہے؟ آپ میری بلائیں لے رہی ہیں اور میرا اتنا خیال کر رہی ہیں؟"

"بیٹی......... آج میں بہت خوش ہوں۔ میری بیٹی بیاہ کر یہاں سے چلی جائے گی تو پھر تم ہی میری بیٹی بن کر رہو گی۔ سگے سوتیلے کا جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آج آپ اتنی محبتیں دے رہی ہیں۔"

"ارے میں تو تمہیں خوشی کی بات بتانا ہی بھول گئی کہ راؤ فرمان علی میری بیٹی کو پسند کر چکا ہے۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "اچھا......... یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ عاصمہ کہاں ہے؟ آپ تو اسے بیوٹی پارلر لے گئی تھیں؟"

"ہاں......... فرمان وہیں سے عاصمہ کو اپنے ساتھ کار میں بٹھا کر لے گیا ہے۔ وہ ذرا اِدھر اُدھر تفریح کریں گے۔ پھر وہ عاصمہ کو یہاں پہنچا دے گا۔ اس کے بعد پھر اپنے بزرگوں کے ساتھ کوئی چھ بجے تک یہاں پہنچ جائے گا۔"

اسماء نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے اب آپ کو یہ شبہ نہیں رہے گا کہ لڑکے والے آئیں گے تو عاصمہ کے بجائے مجھے پسند کر لیں گے۔"

"نہیں......... نہیں بیٹی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اب تم چاہو تو مہمانوں کے سامنے آسکتی ہو۔ جب میاں بیوی راضی ہیں تو ہم قاضی کیا کریں گے؟"

یہ کہہ کر وہ منہ دبا کر ہنستی ہوئی چلی گئی۔ چار بجے کے بعد جلال اکبر نے فون پر شاہنواز سے رابطہ کیا۔ پھر کہا۔ "میں فرمان علی کا دوست جلال اکبر بول رہا ہوں۔ پولیس آفیسر ہوں۔"

"جی جی......... فرمان صاحب نے آپ کا غائبانہ تعارف کروایا ہے آپ فرمان صاحب کے ساتھ کب تک آرہے ہیں؟"

"ہم پندرہ منٹ کے بعد یہاں سے روانہ ہوں گے اور ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد یعنی پانچ بجے آپ کے دولت خانے پر حاضر ہو جائیں گے۔"

"بسم اللہ......... ہم آپ کا انتظار کرتے رہیں گے۔"

ثریا نے کہا۔ "آپ فرمان سے تو بات کریں۔ اس سے کہیں کہ پہلے عاصمہ کو یہاں پہنچا دے۔"

اس نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں بیٹی کا باپ ہوں ہونے

والے داماد سے یہ کیسے کہوں کہ وہ میری بیٹی کو لے گیا ہے تو یہاں واپس پہنچا دے؟ وہ نادان نہیں ہے عاصمہ کو یہاں پہنچا کر ہی جائے گا۔"

فون سے رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ لڑکے والوں کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگے۔ بار بار گھڑی کی طرف دیکھنے لگے۔ جب پانچ بجنے لگے تو شاہنواز نے پریشان ہو کر ثریا کو دیکھا پھر پوچھا۔ "یہ تمہاری بیٹی کہاں رہ گئی ہے؟ فرمان نے اسے اب تک یہاں کیوں نہیں پہنچایا ہے؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "سمجھ میں نہیں آتا میرا خیال ہے فرمان اپنے ساتھ ہی عاصمہ کو یہاں لائے گا۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو؟ آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ لڑکے والے جس لڑکی کا ہاتھ مانگنے آرہے ہوں اسے بھی اپنے ساتھ لے کر آرہے ہوں؟ بیٹی اپنے میکے میں نہ ہو۔ پہلے ہی سسرال پہنچ گئی ہو۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میرا دل یہ سوچ کر پریشان ہو رہا ہے کہ عاصمہ نے پھر کوئی گڑبڑ نہ کی ہو؟ وہ تو دیکھتے ہی دیکھتے ایب نارمل ہو جاتی ہے۔"

ٹھیک پانچ بجے جلال اکبر اپنی وائف اور فرمان کے ساتھ ایک کار میں بیٹھ کر وہاں پہنچ گیا۔ شاہنواز فرمان کو چہرے سے پہچانتا تھا۔ اس کے ساتھ اسے اپنی بیٹی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ آنے والی کار سے صرف تین افراد اتر رہے تھے۔ شاہنواز نے سرگوشی میں ثریا سے کہا۔ "فرمان ہماری بیٹی کے بغیر آیا ہے۔ وہ کہاں رہ گئی ہے؟ کیا ہم اس سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ ہماری بیٹی کہاں ہے؟"

"ہمیں پوچھنا تو ہو گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ اگر وہ کہیں بھٹک گئی ہو اور اس نے کوئی گڑبڑ کی ہو تو ہم رشتہ کرنے سے پہلے ہی بدنام ہو جائیں گے؟"

"آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں اس سے اپنی بیٹی کے بارے میں کوئی سوال نہ کروں؟"

"ہرگز نہیں......... پہلے ان کا خوش دلی سے استقبال کرو۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرو۔ باتوں کے درمیان معلوم کریں گے کہ ہماری بیٹی فرمان کے ساتھ گئی تھی یا

نہیں.........."

ان دونوں نے مسکرا کر مہمانوں کا استقبال کیا۔ فرمان نے اپنے دوست جلال اکبر اور اس کی بیوی کا تعارف کروایا۔ پھر وہ سب ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ شاہنواز نے پوچھا۔ "مسٹر فرمان..........! کیا آج بھی آپ اپنے کاروباری معاملات میں مصروف رہے تھے؟ کیا دفتر گئے تھے؟"

"جی ہاں......... بڑی مجبوری تھی۔ میں تو ابھی ایک گھنٹے پہلے تک دفتر میں ہی مصروف رہا تھا۔ بہت سے اہم کام نمٹانے تھے۔ پھر وہاں سے یہاں آیا ہوں۔"

ثریا نے پوچھا۔ "بیٹے فرمان! کیا تم ریڈ روز بیوٹی پارلر کی طرف گئے تھے؟"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "میں اور بیوٹی پارلر..........؟ میں وہاں کیوں جاؤں گا؟"

شاہنواز نے فوراً ہی بات بنائی۔ "میری وائف کا خیال ہے کہ انہوں نے دو یا ڈھائی بجے دوپہر کو تمہیں وہاں دیکھا تھا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "میرے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا ہے کہ میں اِدھر اُدھر تفریح کرتا پھروں۔ میں نے کہا ناں.......... کہ میں تو اپنے کام میں مصروف تھا۔"

انہوں نے اسماء کو ہدایت کی تھی کہ جب مہمان آئیں تو وہ ان کے لئے شربت کے گلاس لے آئے۔ وہ ان کی ہدایت کے مطابق ایک ٹرالی میں شربت سے بھرے ہوئے گلاس لے کر آئی۔ اسے دیکھتے ہی فرمان جیسے گم ہوگیا۔ جلال اکبر نے کہنی سے ایک ٹھوکا مارتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ "ابے انسان بن جا۔ تیری حرکت سے ہم نے سمجھ لیا ہے کہ یہی تیری پسند ہے۔"

شاہنواز نے ان سے کہا۔ "آپ لوگ شربت پئیں۔ ہم ابھی آتے ہیں۔"

وہ ثریا کے ساتھ وہاں سے دوسرے کمرے میں آیا۔ پھر غصے سے دانت پیس کر بولا۔ "کہاں ہے تمہاری بیٹی......... تم نے کس فرمان کے ساتھ اسے بھیجا تھا؟"

"میں نے تو نہیں بھیجا تھا۔ وہ پہلے ہی جاچکی تھی۔ میں نے تو فون پر تصدیق کی تھی کہ فرمان اس کے ساتھ ہے اور کسی فرمان نے مجھ سے بات بھی کی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ فرمان یہ ہے اور جس نے مجھ سے بات کی ہے وہ کوئی فریبی تھا۔"

"اگر بیٹی کو کسی فریبی کے حوالے کر چکی ہو تو اب سر پکڑ کر روتی رہو' اور اب کان

کھول کر سن لو کہ وہاں عاصمہ کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کرو گی۔ یہاں فی الحال تمہاری ایک بیٹی ہے دوسری بیٹی اپنے ننھیال گئی ہوئی ہے یا کوئی بھی بہانہ کیا جائے گا۔"

وہ واپس جانے لگا پھر رک کر بولا۔ "تم نے فرمان کو دیکھا تھا وہ اسماء کو کتنی لگن سے دیکھ رہا تھا۔"

ثریا نے ڈوبتے ہوئے دل سے کہا۔ "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کیا اسماء کا رشتہ فرمان سے کرائیں گے؟ میری بیٹی کو نظرانداز کریں گے؟"

"تمہاری بیٹی ہے کہاں؟ جاؤ......... اسے پکڑ کر لاؤ۔ کیا ہم لڑکے والوں کو یہاں روک کر رکھیں گے؟ کیا یہ کہیں کہ ہماری بیٹی کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے اسے پکڑنے کے لئے گئے ہیں؟ تم کیوں بکواس کر رہی ہو؟ کیوں میری عزت کو اچھالنا چاہتی ہو؟ چپ چاپ ڈرائنگ روم میں چلو اور قسمت کو جو منظور ہے وہی ہونے دو۔"

حالات نے ثریا بیگم کو مجبور کردیا وہ سر جھکائے اپنے میاں کے ساتھ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آگئی۔

☆======☆======☆

دوسری طرف عاصمہ خوب ہنس بول رہی تھی اور سمندر کے ساحل پر فرضی فرمان کے ساتھ انجوائے کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میری جان! اب چھ بجنے والے ہیں اور ہمیں سات بجے گھر واپس جانا ہے۔ میرے ساتھ میرے فلیٹ میں چلو' وہاں ہم تم ایک ساتھ تھوڑا وقت گزاریں گے خوب موج کریں گے۔ پھر گھر واپس جائیں گے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں..........میں گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہوجاتی ہوں۔ اب پھر تم فلیٹ میں چلنے کی بات کر رہے ہو۔ میں چاردیواری کے اندر نہیں جاؤں گی ابھی کھلی فضا میں گھومتی پھرتی رہوں گی۔"

ایسے ہی وقت اس کی ناک کے اندر کھجلی ہونے لگی۔ ایسا اکثر ہوتا تھا جب کھجلی ہوتی تو وہ ناک کے نتھنوں میں انگلی ڈال کر کھجاتی تھی۔ یا کپڑے کی بتی بنا کر چھینکیں مارتی تھی۔ چھینک مارتے ہی اس کی کھوپڑی الٹ جاتی تھی۔ جہاں وہ موجود ہوتی تھی وہاں کے لوگوں کو بھول جاتی تھی اور جو دور ہوتے تھے وہ اسے یاد آنے لگتے تھے۔

اس نے ایک ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کو ناک کے ایک نتھنے میں ڈال کر کھجایا۔

فرضی فرمان نے ناگواری سے پوچھا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟ یہ انگلی اپنی ناک سے نکالو۔"

اس کے ناخن لمبے تھے۔ ناک کے اندر پہنچتے ہی کھجلی مٹنے لگی۔ چھینک آنے لگی۔

اس نے ایک زور دار چھینک ماری پھر دوسری چھینک ماری۔ اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ذرا سی دیر کے لئے اندھیرا چھا گیا تھا۔ پھر وہ اندھیرا چھٹ گیا۔ اس نے جھکے ہوئے سر کو اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا سامنے ایک اجنبی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

فرضی فرمان نے چونک کر پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں تمہارا فرمان علی ہوں۔"

"کون فرمان علی؟"

"وہ جس کے ساتھ تم بیوٹی پارلر سے یہاں آئی ہو۔ پچھلے تین چار گھنٹوں سے تفریح کر رہی ہو اور اب پوچھتی ہو کہ میں کون ہوں؟"

وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔ "بکواس مت کرو۔ میں تمہیں نہیں پہچانتی۔"

وہ پلٹ کر جانے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ وہ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔ چیختے ہوئے کہنے لگی۔ "یہ کیا حرکت کر رہے ہو؟ کون ہو تم؟ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو؟ بچاؤ......... مجھے بچاؤ........."

ساحل پر تفریح کرنے والے دوڑتے ہوئے آنے لگے۔ فرضی فرمان نے پریشان ہو کر اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "تم خوامخواہ چیخ رہی ہو۔ کیا مجھے پٹوانا چاہتی ہو۔"

"تم ہو ہی جوتے کھانے کے قابل......... میرا ہاتھ کیوں پکڑ رہے تھے؟ مجھ سے زبردستی کیوں کر رہے تھے؟"

لوگ قریب آ گئے تھے۔ وہ اسے باتیں سنا رہی تھی اور گالیاں دے رہی تھی۔ لوگ اس فرضی فرمان کی پٹائی کرنے لگے۔ اس بھیڑ میں اس کی ایک سہیلی تھی اس نے قریب آ کر کہا۔ "عاصمہ.........! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کس کے ساتھ آئی ہو؟"

وہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "کسی کے ساتھ نہیں۔ بس یونہی میرا دل گھبرا رہا تھا تو تفریح کرنے آ گئی۔"

اس کی سہیلی نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نارمل تو ہو ناں؟"

"ہاں......... میں بالکل نارمل ہوں مگر تم کون ہو؟"

وہ بولی۔ "بس میں سمجھ گئی کہ تمہارے دماغ میں پھر خلل پیدا ہو گیا ہے چلو میں تمہیں گھر پہنچا دوں۔"

اس سہیلی نے اپنے شوہر کو بلا کر کہا۔ "یہی وہ عاصمہ ہے جس کا ذکر میں تم سے کیا کرتی ہوں۔ اس کے ساتھ پرابلم ہے آؤ ہم اسے گھر پہنچا دیں۔"

وہ عاصمہ کو اپنے ساتھ لے جانے لگی۔ دوسری طرف مقدر کا لکھا پورا ہو گیا۔ فرمان نے صاف طور پر کہہ دیا کہ میں نے اسماء کو پہلے بھی دیکھا ہے اور میں اسے ہی اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہوں۔

باپ کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ماں کو تھا لیکن وہ انکار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ چپ چاپ دم سادھے بیٹھی رہی۔ اندر ہی اندر جلتی کڑھتی رہی۔ شاہنواز نے رشتے کی ہامی بھر لی۔ پھر یہ طے پایا کہ منگنی نہ کی جائے۔ شادی جلد سے جلد ہو جائے۔

اس کے لئے کہا گیا کہ اگلی ملاقات میں شادی کی تاریخ بھی طے کر لی جائے گی۔

فرمان، جلال اکبر اور اس کی بیوی واپس جانے سے پہلے رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ ایسے ہی وقت عاصمہ اپنی سہیلی اور اس کے شوہر کے ساتھ وہاں آ گئی۔ ثریا بیگم نے گاڑی کی آواز سنتے ہی باہر آ کر اس سے پوچھا۔ "تم کہاں مرنے چلی گئی تھیں.........؟"

اس کی سہیلی نے کہا۔ "یہ کسی غلط شخص کے ساتھ لگ گئی تھی اگر میں نہ وہاں ہوتی تو پتہ نہیں اس کا کیا ہوتا؟ بہرحال اس کی عزت محفوظ ہے۔ آپ اسے سنبھالیں۔"

اس نے اس کی سہیلی اور شوہر کا شکریہ ادا کیا وہ دونوں واپس چلے گئے۔ ثریا نے کہا۔ "اندر مہمان بیٹھے ہیں۔ فرمان علی بھی ہے خبردار......... اس کے سامنے یہ نہ کہنا کہ کسی دوسرے فرمان کے ساتھ گھومنے پھرنے یا مرنے گئی تھیں۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "میں اتنی دیر سے اس عورت سے پوچھ رہی ہوں کہ تم کون ہو؟ تو وہ کہہ رہی تھی کہ وہ میری سہیلی ہے اور اپنے شوہر کے ساتھ مجھے یہاں لے کر آئی ہے اور اب تمہارے پاس مجھے چھوڑ کر جا رہی ہے۔ یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

ثریا بیگم نے اپنی پیشانی پر ایک ہاتھ مارا پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ "یااللہ! مجھے تو کھڑے کھڑے ہی اٹھا لے۔"

عاصمہ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ماں سے پوچھا۔ "یہ تم کس سے باتیں کر رہی

ہو..........؟"

وہ جل کر بولی۔ "تیرے باپ سے.........."

"کیا میرا باپ آسمان پر پہنچ گیا ہے؟"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے کوٹھی کے پچھلے حصے میں لے آئی اور پھر بولی۔ "میں تجھے جس کمرے میں بٹھاؤں وہیں پر بیٹھی رہنا۔ مہمانوں کے سامنے نہ آنا۔"

اس نے پچھلے دروازے سے اسے اس کے بیڈ روم میں پہنچایا پھر اس کمرے سے باہر آکر دروازے کو بند کردیا۔ اس کے بعد مہمانوں کے طرف آگئی۔ وہ سب کھانے پینے اور ہنسنے بولنے میں مصروف تھے۔ وہ ان سے دور ایک کوریڈور کی دیوار سے لگی کھڑی ہوئی تھی۔ ان کی نظروں سے اوجھل تھی لیکن ان کی باتیں سن رہی تھی اور دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ ابھی میں نے پوری طرح بازی نہیں ہاری ہے۔ ہاری ہوئی بازی کو جیت بھی سکتی ہوں۔ دیکھوں گی کہ میں کیا کرسکتی ہوں۔

☆======☆======☆

اسماء کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اچانک اس کا رشتہ یوں ہوجائے گا وہ شادی کے لئے ذہنی طور پر آمادہ نہیں تھی۔ شادی کے نام سے ہی اسے الجھن سی ہونے لگی تھی۔ وہ بچی سے جوان ہوتی گئی تھی۔ تعلیم حاصل کرتی گئی تھی۔

میاں بیوی کے رشتے کے متعلق اسے کسی حد تک معلومات تھیں اور جو معلومات حاصل تھیں وہ اس کے مزاج کے خلاف تھیں۔

وہ بچپن ہی سے اتنی شرمیلی تھی ایسی حیا والی تھی کہ پانچ برس کی عمر سے ہی وہ پورے پورے کپڑے پہننے لگی تھی۔ کبھی نیکر پہن کر کسی کے سامنے نہیں آئی تھی اور جب جوان ہوئی تو ایسی سہیلیوں سے کترانے لگی جو رومانی گفتگو کرتی تھیں اور رومانس کے بارے میں ہی باتیں کرتی رہتی تھی۔ وہ ایسی لڑکیوں کے قریب بھی نہیں جاتی تھی وہ حیرانی سے سوچتی تھی کہ یہ کتنی بے شرم ہیں کتنی گندی گندی باتیں کرتی ہیں۔

کالج میں اس کی ایک کلاس فیلو نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ تمہیں بھی تو آخر کسی سے شادی کرنی ہے؟ کسی مرد کے ساتھ تنہائی میں بند کمرے کے اندر رہنا ہے؟ اور صبح تک اس کے ساتھ رات کالی کرنا ہے تب کیا کرو گی بی

بنو..........؟"

وہ ناگواری سے بولی۔ "اونہہ.......... میں کبھی شادی ہی نہیں کروں گی۔"

لیکن تنہائی میں سوچتی تھی کہ کیا میری مرضی چلے گی؟ ماں باپ تو مجھے کبھی بوجھ بنا کر نہیں رکھیں گے۔ کہیں نہ کہیں تو مجھے سہاگن بنا کر رخصت کریں گے۔ تب کیا ہوگا؟

اس نے سوچ رکھا تھا کہ شادی کی بات چلے گی تو وہ کسی نہ کسی طرح ٹالنے کی کوشش کرے گی لیکن یہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ یوں ڈرامائی انداز میں رشتہ طے ہوجائے گا۔ وہاں ماں باپ کی عزت کا سوال تھا۔

فرمان اپنے دوست اور اس کی بیوی کے ساتھ وہاں رشتہ مانگنے آیا تھا۔ وہ لوگ عاصمہ کو ہی پہلے پیش کردیتے تو بات بن جاتی اور اس کی شادی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا لیکن عاصمہ اچانک کہیں گم ہوگئی تھی۔ کسی اجنبی لڑکے کے ساتھ کہیں چلی گئی تھی اور یہ فرمان وغیرہ کے سامنے کہا نہیں جاسکتا تھا کہ جس کا رشتہ مانگنے آئے ہیں وہ لڑکی کہیں گم ہوگئی ہے۔

یہ تو سراسر اپنی ہی عزت اچھالنے والی بات تھی۔ ایسے وقت اسماء کے سامنے یہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ ماں باپ کی عزت کے لئے وہ اچانک ہونے والے رشتہ سے انکار نہ کرے۔

اس نے انکار نہیں کیا تھا اور یہ دیکھ کر حیران تھی کہ فرمان نے اسے دیکھتے ہی پسند کرلیا تھا اور عاصمہ کے بارے میں کوئی سوال ہی نہیں کیا تھا۔

اس کی سوتیلی ماں ثریا کی کوشش یہ تھی کہ ابھی شادی کی بات ٹالی جائے۔ زیادہ سے زیادہ لمبی تاریخ دی جائے۔

اور اس دوران کوئی ایسی چال چلی جائے کہ رشتہ بدل جائے اور فرمان اس کی بیٹی عاصمہ کی طرف مائل ہوجائے۔

لیکن وہ شادی کی لمبی تاریخ نہ رکھ سکی۔ شاہنواز نے فرمان کی یہ بات مان لی کہ چھ ماہ بعد نکاح کی رسم ادا کردی جائے گی اور وہ بیٹی کو اس کے ساتھ رخصت کردے گا۔

ثریا بیگم بہت ہی سازشی ذہن رکھتی تھی۔ وہ تدبیریں سوچنے لگی کہ ایسا کیا کیا جائے کہ فرمان کا ارادہ بدل جائے اور وہ اسماء کے بجائے عاصمہ کا رشتہ طلب کرلے۔

وہ اسماء کی کوئی کمزوری تلاش کرنا چاہتی تھی۔ ایک دن جب اسماء نہیں تھی تو وہ اس کے کمرے کے اندر آگئی۔ وہاں اس کی میز کی درازیں کھول کر دیکھنے لگی۔ اتفاق سے الماری مقفل نہیں تھی۔ اس نے الماری کھولی۔ پھر سیف کھول کر دیکھا اس میں ایک ڈائری رکھی ہوئی تھی اور ایک فائل بھی تھی۔ اس نے دونوں چیزیں نکال کر دیکھیں فائل کے اندر اسکول اور کالج وغیرہ کے سرٹیفکیٹ رکھے ہوئے تھے ان کے اوپر ہی ایک تہہ کیا ہوا کاغذ تھا۔ اس نے اس کاغذ کو کھول کر پڑھا۔ وہ ایک خط تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔

"مائی ڈیئر اسماء!"

تم نے مجھے بہت متاثر کیا ہے تم نے جو اشعار لکھے ہیں' ان سے اندازہ ہوگیا کہ بہت اچھے شعر کہہ سکتی ہو۔ مسلسل کوششیں جاری رکھو گی تو بہت نامور شاعرہ بن سکو گی۔

تم نے میری تعریف میں جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر میں خوش فہمی میں مبتلا ہوگیا ہوں۔ میری سوچ سے بھی زیادہ تم نے میری تعریفیں کی ہیں۔ مجھے فون کرکے بتاؤ کہ غزل کب لکھ رہی ہو؟ اور مجھ سے کب ملاقات کر رہی ہو میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔

فقط تمہارا قدر دان جواد ہاشمی۔"

لومڑی کو انگور نہیں ملے تھے' وہ حقارت سے انہیں کھٹا کہہ کر چلی گئی تھی لیکن ثریا بیگم کو انگور مل گئے' جو کمزوری تلاش کرنا چاہتی تھی' اسے مل گئی تھی۔

کالج میں ایک اسٹوڈنٹ جواد ہاشمی اسماء سے دو برس سینئر تھا وہ فرسٹ ایئر میں تھی اور جواد ہاشمی بی اے کے فرسٹ ایئر میں تھا۔ بہت اچھا شاعر تھا۔ وہ اس کی شاعری سے متاثر تھا۔ جب جواد نے اس کے دو اشعار پڑھے تو بہت تعریفیں کیں اور اس کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ کسی کو بھی محبوبانہ انداز میں چاہنے کی قائل نہیں تھی لیکن جواد ہاشمی سے متاثر تھی اور یہ تاثر اس حد تک تھا کہ وہ اس کی قدر کرتی تھی۔

ثریا بیگم نے اس کی ڈائری کو کھول کر پڑھا تو کئی [illegible] جواد ہاشمی کا ذکر تھا۔ اس نے ایک صفحے پر لکھا تھا کہ آج جواد صاحب نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر افسوس میں نہیں کرسکتی۔ میں کسی سے شادی نہیں

کرسکتی۔ جواد صاحب کی قدر کرتی ہوں یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایک مرد اور عورت کے درمیان دوستی ہو تو اسے میاں بیوی کے رشتے میں تبدیل کرلیا جائے۔ شادی ضروری نہیں ہے۔ اگر جواد صاحب چاہتے ہیں تو میں شادی کے بغیر بھی ان کے ساتھ ساری زندگی گزار سکتی ہوں۔

جب میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد کسی قابل ہوجاؤں گی کہیں ملازمت کرنے لگوں گی اور اپنے پیروں پر کھڑی ہوجاؤں گی کسی کی محتاج نہیں رہے گی تو پھر کبھی شادی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ میرے ماں باپ بھی مجھے بوجھ نہیں سمجھیں گے۔

اس نے اس صفحے کے آخر میں لکھا تھا کہ سوری جواد صاحب! میں رفیق حیات بن سکتی ہوں لیکن بیوی نہیں بن سکتی۔ رفیق حیات زندگی کے اس ساتھی کو بھی کہتے ہیں جو ایک اچھی دوست ہو۔ ضروری نہیں کہ رفیقہ کے معنی بیوی ہو۔

ثریا بیگم نے وہ خط اور وہ ڈائری اپنے پاس رکھی۔ فائل کو واپس سیف میں رکھ دیا۔ پھر اس کے کمرے سے چلی آئی۔ جب شام کو اسماء نے اپنے کمرے میں آکر الماری کھلی دیکھی اور اس کے سیف میں اپنی ڈائری نہیں پائی تو ملازموں سے' ڈیڈی سے پھر اپنی ممی سے پوچھا۔ "میری الماری سے ڈائری کہاں غائب ہوگئی ہے؟ میری فائل میں ایک خط بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ بھی نہیں ہے۔"

باپ نے کہا۔ "بیٹی.........! ہم سے کیا پوچھ رہی ہو؟ اپنی چیزیں سنبھال کر رکھنی چاہئیں تمہارے کمرے میں بھلا کون جاسکتا ہے؟"

ثریا بیگم نے کہا۔ "ہاں......... یاد آیا آج دوپہر کے وقت میں نے عاصمہ کو کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔ اس سے پوچھو۔ شاید اس نے تمہاری چیزیں اِدھر اُدھر کی ہوں۔"

وہ سب عاصمہ کے کمرے میں آئے۔ اسماء نے پوچھا۔ "کیا تم دوپہر کو میرے کمرے میں گئی تھیں؟"

اس نے بڑی [illegible] سے اسماء کو دیکھا پھر کہا۔ "نہیں........."

ثریا بیگم اپنی ہی بیٹی [illegible] نارمل ہونے کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "دیکھو عاصمہ.........! تم کوئی بھی بات جلدی بھول جاتی ہو یاد کرو آج تم گئی تھیں اور میں نے تمہیں اس کمرے میں جاتے دیکھا تھا۔"

وہ بڑی معصومیت سے بولی۔ "اگر آپ نے دیکھا تھا تو میں گئی ہوں گی۔ مجھے یاد نہیں ہے۔"

اسماء نے پوچھا۔ "تم نے میری الماری کھول کر اس کے سیف میں سے ڈائری نکالی ہے؟"

وہ انکار میں سرہلانے لگی۔ باپ نے ڈانٹ کر کہا۔ "کیا جانور کی طرح سرہلا رہی ہو؟ تمہیں تو کچھ یاد نہیں رہتا۔ اِدھر کی چیزیں اُدھر رکھتی ہو۔ خود بھی پریشان ہوتی ہو اور ہمیں بھی پریشان کرتی ہو۔ اپنی بہن کی ڈائری اور وہ خط لاکر دو۔"

وہ بے چاری کچھ جانتی نہیں تھی۔ بھلا کہاں سے لاکر دیتی؟ باپ نے پوچھا۔ "بیٹی.......... تمہاری فائل میں کس کا خط رکھا ہوا تھا؟"

"ڈیڈ..........! جواد صاحب نے مجھے خط لکھا تھا۔ کالج میں مشاعرہ ہونے والا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں بھی اپنی ایک مکمل غزل اس مشاعرے میں پڑھ کر سناؤں۔"

ثریا بیگم نے انجان بن کر پوچھا۔ "ڈائری میں کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں لکھی ہوئی تھی؟"

"نہیں ممی..........! میں فضول باتیں نہیں لکھتی۔ بس وہ میری ذاتی ڈائری تھی۔ اسے کسی کے ہاتھ نہیں لگنا چاہئے۔"

ثریا بیگم نے دل میں کہا۔ "بڑی پارسا بنتی ہے۔ ڈائری میں تو کھل کر لکھا ہوا ہے کہ کسی کے ساتھ کیا گل کھلا رہی ہے؟ میں بھی دیکھوں گی کہ اس کی شادی فرمان کے ساتھ کیسے ہوتی ہے؟"

ثریا بیگم نے اس ڈائری اور خط کو اپنی الماری کے سیف میں چھپا رکھا تھا۔ وہ الماری کو ہمیشہ مقفل رکھتی تھی۔ رات کو تکیے کے نیچے چابیاں رکھا کرتی تھی۔ اس نے اپنے ایک سگے بھائی سے کہا۔ "اگر تمہیں اپنی بھانجی عاصمہ سے محبت ہے اور تم اسے فرمان علی جیسے بزنس مین سے منسوب کرنا چاہتے ہو تو میرا ساتھ دو۔"

جبار نے کہا۔ "آپ جو کہیں گی میں وہی کروں گا۔ بتائیں آپ کیا چاہ رہی ہیں؟"

"تم جواد ہاشمی بن کر فرمان کو فون کرو۔"

"ضرور کروں گا۔ آپ بتائیں کہ مجھے فون پر کیا کہنا چاہئے؟"

دونوں نے پلاننگ کی پھر اس کے مطابق جبار نے فون پر فرمان کو مخاطب کیا۔ "ہیلو مسٹر فرمان علی..........! میں جواد ہاشمی بول رہا ہوں۔"

فرمان نے کہا۔ "جی فرمائیے.......... کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میں آپ کو جانتا ہوں' اور وہ بھی اس حوالے سے کہ آپ میری محبوبہ اسماء سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

اس بات نے فرمان کو چونکا دیا۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ "کیا یہ شادی آپ کے لئے ضروری ہے؟"

"میں نے شادی کی ضرورت سمجھی ہے تب ہی وہاں رشتہ مانگنے گیا تھا اور وہاں رشتہ قبول کیا گیا ہے۔" فرمان نے کہا۔

"لیکن آپ نے یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ لڑکی آپ کو قبول کرے گی یا نہیں؟"

"مسٹر جواد ہاشمی..........! آپ کی اس بات نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا ہے یا تو مجھے اسماء سے ہی پوچھنا ہوگا۔ یا پھر آپ مجھ سے ملاقات کریں؟"

"آپ اسماء سے پوچھیں گے تو وہ ایک مشرقی لڑکی ہے۔ ماں باپ کے زیر اثر رہتی ہے۔ وہ کیا انکار کرے گی۔ اس نے تو مجبور ہوکر ماں باپ کی مرضی پر سر جھکا لیا ہے اور اس کا سر ہمیشہ جھکا رہے گا۔" جبار نے مکاری سے کہا۔

"تو پھر آپ میرے پاس آجائیں۔ ہم آپس میں بیٹھ کر باتیں کریں گے اور کسی اچھے نتیجے پر پہنچیں گے۔"

جبار نے کچھ دیر سوچا پھر کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں فی الحال آپ سے ملاقات نہیں کرسکوں گا۔"

"آپ کی مجبوری کیا ہے؟"

"میں اس وقت ریلوے اسٹیشن سے بول رہا ہوں۔ میری ٹرین یہاں سے جانے والی ہے میں کراچی جارہا ہوں۔ شاید دو ہفتے کے بعد واپسی ہوگی۔"

"کوئی بات نہیں.......... میں دو ہفتے تک انتظار کروں گا۔ کیا آپ اپنا فون نمبر دے سکتے ہیں؟"

"سوری......... میرے پاس فون نہیں ہے۔ میں ایک غریب شاعر ہوں۔"

"کوئی بات نہیں......... آپ دو ہفتے بعد آئیں۔ میں آپ کی غزلیں بھی سنوں گا اور خاطر خواہ داد بھی دوں گا۔" فرمان نے کہا۔

اس نے رابطہ ختم کردیا پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اسماء اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اسے شریکِ حیات بنانا چاہتا تھا لیکن اب اس کے سامنے ایک دیوار کھڑی ہو رہی تھی۔

☆======☆======☆

ان دنوں فرمان جوان تھا۔ خون میں گرمی تھی اور مزاج کے اعتبار سے ذرا شکی تھا۔ چار پیسے کی چیز خریدتے وقت بھی اسے ٹھونک بجا کر اچھی طرح دیکھا جاتا ہے۔ پھر عورت تو ساری عمر ساتھ لگی رہتی ہے۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنے سے پہلے اسے ٹھونک بجا کر اچھی طرح پرکھ لینا لازمی ہوتا ہے۔ یہ بات اس کے ذہن میں تھی اور اب وہ اسماء کو اچھی طرح پرکھ لینا چاہتا تھا۔ اگرچہ وہ خوبصورت تھی۔ اسے دیوانہ بنا رہی تھی لیکن وہ دیوانگی میں اندھا ہو کر ایسی لاٹھی کا سہارا لینا نہیں چاہتا تھا جو اس کا سہارا تو بنے لیکن آگے جا کر کسی گڑھے میں اسے گرا دے۔

ثریا بیگم نے اپنے بھائی کو جواد ہاشمی بنا کر اس کے دماغ میں شبہ کی چنگاری پھونک دی تھی اور اب وہ چنگاری سلگ رہی تھی۔ ہلکے ہلکے اس کے اندر آگ پکڑ رہی تھی۔ جواد ہاشمی نے اسے کہا تھا کہ شاید وہ دو ہفتے کے بعد واپس آئے گا اور اس سے دو ہفتے کا انتظار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ کسی نہ کسی طرح اسماء سے رابطہ کرنا چاہئے۔ اسے کریدنا چاہئے۔ شاید وہ اس سے حقیقت معلوم کرلے۔

وہ دو دنوں تک بے صبری سے انتظار کرتا رہا۔ تیسرے دن اس نے سوچا کہ اسماء کے والد شاہنواز سے ملاقات کرلے۔ یا پھر اسماء کے کالج جائے وہاں اس سے ملنے کی کوشش کرے۔ سچ معلوم کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ تو نکالنا چاہئے۔

اسی دن ڈاک کے ذریعے ایک پارسل آیا۔ اس نے اس پارسل کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک ڈائری رکھی ہوئی تھی اور ایک خط بھی تھا۔ یہ وہی خط تھا جو جواد ہاشمی نے اسماء کو لکھا تھا۔ اس نے وہ خط پڑھا' ڈائری کے چند صفحات پر خاص طور پر نشانات لگائے

گئے تھے۔ اس نے ان صفحات کو بھی پڑھا۔

اس کی تحریر سے یہ واضح نہیں تھا کہ وہ جواد ہاشمی سے محبت کرتی ہے اور اس کے عشق میں دیوانی ہے لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس سے متاثر ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ وہ اس کی قدر کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساری زندگی گزار سکتی ہے لیکن شادی نہیں کرسکتی۔

یہ الفاظ اور فقرے ایسے تھے جو اس بات کی غمازی کرتے تھے کہ وہ جواد ہاشمی کو چاہتی ہے اور اس کے ساتھ زندگی بھی گزارنا چاہتی ہے۔

وہ بہت دیر تک سوچتا رہا کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے؟ پھر وہ ڈائری اور خط لے کر جلال اکبر کے پاس پہنچا اسے ساری باتیں بتائیں جلال اکبر نے وہ خط اور ڈائری پڑھنے کے بعد کہا۔ "یار.........! ہم پولیس والے ہیں ایسے تاریک پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں۔ جیسے کہ جواد ہاشمی نے تجھ کو فون کیا لیکن تجھ سے ملاقات نہیں کی اور یہ تاثر دیا کہ وہ ریلوے اسٹیشن سے فون کر رہا ہے کیا وہ ریلوے اسٹیشن جانے سے پہلے ملاقات نہیں کرسکتا تھا؟ پھر اس نے یہ کہا کہ وہ شاید دو ہفتے کے بعد واپس آئے گا لیکن دو دن کے بعد تیرے پاس یہ پارسل آگیا۔ وہ اسماء کے خلاف یہ ثبوت پیش کر رہا ہے لیکن خود سامنے نہیں آرہا ہے۔"

"وہ سامنے آئے یا نہ آئے لیکن ثبوت تو پیش کر رہا ہے۔"

جلال اکبر نے ڈائری کو سامنے میز پر پٹختے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی ثبوت نہیں ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اسماء کو شعر و شاعری سے دلچسپی ہے۔ اس سلسلے میں وہ جواد ہاشمی سے متاثر ہے۔ جواد ہاشمی اگر واقعی اسماء سے محبت کرتا ہے اور اسے شریک حیات بنانا چاہتا ہے۔ تو اسے تجھ سے نہیں اس کے ماں باپ سے ملنا چاہئے اور اپنے دل کی بات اس سے کہنا چاہئے لیکن وہ ایسا نہیں کر رہا ہے۔ اس کے دل میں چور ہے۔ وہ صحیح بندہ نہیں ہے۔"

"یار! تیری یہ باتیں سن کر اطمینان ہو رہا ہے کہ اسماء اس سے صرف متاثر ہے یہ محبت وغیرہ کا چکر نہیں ہے۔"

"بالکل یہی بات ہے۔ میں کل صبح کالج جاؤں گا اور وہاں سے جواد ہاشمی کے بارے

میں معلومات حاصل کروں گا۔ ہوسکتا ہے اس سے وہاں ملاقات ہو جائے۔"

☆======☆======☆

ادھر ثریا بیگم نے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ وہ جواد ہاشمی بن کر فرمان سے ملاقات کرے۔ اسے کترانا نہیں چاہئے۔ روبرو بات ہوگی تو اسے کسی قسم کا شبہ نہیں ہوگا اور اسے یقین ہوجائے گا کہ اسماء کا جواد ہاشمی سے کوئی ناجائز تعلق ضرور ہے۔

اس کے بھائی نے کہا۔ "فرمان مجھے دیکھ کر کبھی یقین نہیں کرے گا کہ میں نوجوان جواد ہاشمی ہوں۔ آپ میری عمر دیکھ رہی ہیں۔ میں کسی پہلو سے بھی کالج کا اسٹوڈنٹ نظر نہیں آتا۔ وہ یقین کرلے گا؟ پھر یہ کہ اس کا دوست جو یہاں رشتہ مانگنے آیا تھا وہ پولیس والا ہے جب وہ میرے بارے میں انکوائری کرے گا تو میری ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی اور وہ مجھے فراڈ کے الزام میں جیل بھیج دے گا۔"

اگر ثریا کا بھائی یوں محتاط نہ رہتا تو پکڑا جاتا۔ واقعی دوسرے ہی دن جلال اکبر کالج گیا تھا۔ وہاں سے پتہ چلا کہ جواد ہاشمی وہ کالج چھوڑ کر بلکہ وہ شہر ہی چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اس کے حالات کچھ ایسے تھے کہ اسے گھر واپس جانا پڑا۔ وہ کراچی سے آیا تھا اور اس کا مکمل پتہ نہیں تھا۔

اس کے مکمل پتہ کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔ جلال اکبر نے واپس آکر فرمان سے کہا۔ "یار.........! اسماء کے خلاف سازش کی جارہی ہے۔ پتہ نہیں کون اس بے چاری کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔ کل تیرے پاس یہ ڈائری اور خط پارسل کی صورت میں پہنچا تھا۔ اس سے دو دن پہلے جواد ہاشمی نے تجھ سے فون پر بات کی تھی' اور حقیقت یہ ہے کہ جواد ہاشمی ایک ماہ پہلے ہی کالج اور یہ شہر چھوڑ کر یہاں سے جاچکا ہے۔"

فرمان نے تشویش کا اظہار کیا۔ "پھر یہ کون ہے جو خوامخواہ اسماء کو بدنام کرنا چاہتا ہے؟"

"کوئی دل جلا ہوگا۔ میں نے کالج کی دو لڑکیوں اور دو لڑکوں سے معلومات حاصل کی ہیں۔ اسماء کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہ بہت سیدھی سادی اور ریزرو رہنے والی لڑکی ہے۔ کبھی کسی لڑکے سے بات نہیں کرتی۔ وہاں صرف اس کی چند سہیلیاں ہیں اور جواد ہاشمی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ایک شاعر تھا کالج میں فنکشن ہوتا تھا تو اسماء کو

ایک آدھ بار اس سے بات کرتے ہوئے دیکھا گیا تھا لیکن وہاں ان دونوں کا کوئی اسکینڈل نہیں ہے۔"

فرمان نے اس ڈائری اور خط کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تعجب ہے پھر یہ چیزیں کس نے مجھے بھیجی ہیں؟"

"میں بھیجنے والے کا نام اور پتہ نوٹ کرچکا تھا اور میں نے اس سلسلے میں معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ بھیجنے والے کا پتہ غلط لکھا ہوا ہے۔ تو خوامخواہ اس بے چاری پر شک کر رہا تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تو ایک شریف گھرانے میں رشتہ کر رہا ہے اور میری ہونے والی بھابی نہایت ہی شریف اور قابل اعتماد ہے۔"

فرمان نے ڈائری اور خط کو سینے سے لگا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب شادی ہوگی اور وہ دلہن بن کر آئے گی تو میں سرپرائز دینے کے طور پر اسے یہ چیزیں دوں گا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ ایسا نہ کرنا۔" جلال اکبر نے کہا۔

"مجھے ایسا کیوں نہیں کرنا چاہئے؟" فرمان نے پوچھا۔

"اس کی انا کو ٹھیس پہنچے گی۔ وہ یہی سمجھے گی کہ تو شادی سے پہلے اس پر شبہ کرتا تھا اور تو نے اس کی ڈائری اور یہ خط نہ جانے کیسے حاصل کیا تھا۔ یہ غیر اخلاقی بات ہے۔ وہ یقین نہیں کرے گی کہ کسی نے یہ چیزیں پارسل کے ذریعے تیرے پاس بھیجی تھیں۔ بہتر ہے انہیں جلا دے۔"

وہ ان چیزوں کو چوم کر بولا۔ "یہ میری اسماء کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ میں انہیں یادگار کے طور پر اپنے پاس چھپا کر رکھوں گا۔"

اس نے جلال کے گھر سے اپنے گھر آکر اس ڈائری اور خط کو الماری کے اندر ایک جگہ چھپا کر رکھ دیا۔

☆======☆======☆

ادھر ثریا بیگم کو حیرانی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ ڈائری اور وہ خط تو فرمان کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔ پھر اس کی طرف سے رد عمل ظاہر کیوں نہیں ہو رہا ہے۔

پھر دل کہتا تھا کہ شائد وہ پارسل ٹھیک طور سے پہنچا نہیں ہے۔ یہ ڈاک خانے والے بھی تو غیر ذمے دار ہوتے ہیں۔ مجھے انتظار کرنا چاہئے اور یہ معلوم کرنا چاہئے کہ

ڈائری اور خط اس کے پاس پہنچ چکا ہے یا نہیں؟

اس نے ایک ماہ کے بعد پریشان ہو کر بھائی سے پوچھا۔ "تم نے وہ چیزیں صحیح پتہ پر لکھ کر پارسل کی تھیں؟"

"ہاں.......... میں نے بالکل صحیح پتہ لکھا تھا۔ اس پارسل کو رجسٹرڈ کرایا تھا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ فرمان تک نہ پہنچا ہو۔"

وہ جھنجھلا کر بولی۔ "تو پھر اس کی طرف سے ردعمل ظاہر کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ اب شادی کو دو ماہ رہ گئے ہیں۔ کیا یہ لڑکی اتنے بڑے گھر کی دلہن بن کر جائے گی اور میری لڑکی یہاں بیٹھے رہے گی؟"

"اسما اگر اس گھر میں دلہن بن کر نہیں گئی تو یہ نہیں ہے کہ فرمان ہماری عاصمہ کو پسند کرلے گا اور اسے دلہن بنا کر لے جائے گا۔ آپ نے تو کبھی اپنی بیٹی کو اس کے سامنے پیش نہیں کیا۔ کبھی ان دونوں کا سامنا تو ہونا چاہئے۔ ان کی آپس میں ملاقات ہو گی کچھ وہ ایک دوسرے سے متاثر ہوں گے تو شاید آئندہ بات بن سکے۔"

وہ مایوس ہو کر بولی۔ "میں عاصمہ کو اس کے سامنے کیسے پیش کروں وہ ایب نارمل ہے۔ کوئی الٹی سیدھی بات کرے گی تو فرمان اس سے متاثر نہیں ہو گا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ فرمان اسے معصوم اور نادان سمجھے۔ آج کل کے لڑکے نادان لڑکیوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔"

وہ راضی ہو کر بولی۔ "تم مشورہ دے رہے ہو تو میں عاصمہ کو فرمان سے ضرور کسی طرح ملواؤں گی۔"

اس نے تدبیر سوچ لی کہ کس طرح ملاقات ہو سکتی ہے۔

جب فرمان اور جلال اکبر وغیرہ رشتہ مانگنے آئے تھے تو انہوں نے فرمان کی ایک تصویر انہیں دی تھی اور ان سے اسماء کی ایک تصویر لے گئے تھے۔ ثریا نے فرمان کی تصویر اپنی بیٹی کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "عاصمہ.........! یہ جوان کیسا ہے؟"

اس نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہت اچھا ہے۔ بہت ہی ہینڈسم ہے۔"

"کیا اس سے دوستی کرو گی؟"

"کیا یہ میرا دوست بن جائے گا؟"

"تم ذرا نارمل رہو گی۔ عقل مندی سے بات کرو گی تو وہ تم سے ضرور متاثر ہو گا۔ ماشاء اللہ میری بیٹی چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے تمہاری بھلائی کے لئے جو بات میرے دل میں چھپی ہوئی ہے وہ میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں۔ پہلے وعدہ کرو کہ اس بات کا ذکر کبھی اسماء سے نہیں کرو گی۔"

"آپ کہتی ہیں تو میں اسماء سے کبھی اس سلسلے میں بات نہیں کروں گی۔"

وہ تصویر دکھاتے ہوئے بولی۔ "یہ دراصل فرمان ہے۔ اسماء کا رشتہ مانگنے آیا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ اس کی جگہ تمہیں پیش کروں لیکن تم نے اس دن ایسی گڑبڑ کردی کہ بات نہ بن سکی۔ اب تم چاہو تو بات بنا سکتی ہو۔ میری دلی آرزو پوری کر سکتی ہو۔ وہ کروڑ پتی ہے۔ اس کے گھر جاؤ گی تو ساری زندگی عیش کرو گی۔"

"ممی.......... آج دوپہر کو دو لڑکے میرے پیچھے آتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ لڑکی جب تک کیش نہیں ہو گی اس وقت تک ہم عیش نہیں کر سکیں گے۔ کیا عیش کرنے کے لئے فرمان کو کیش کرنا ہو گا؟"

"بیٹی..........! وہ آوارہ اور اوباش قسم کے لڑکے تھے۔ غلط باتیں کر رہے تھے لیکن تمہارے سلسلے میں یہ بات درست ہے کہ فرمان کو پہلے کیش کرنا ہو گا۔ اسے اپنی طرف مائل کرنا ہو گا۔ اس کے بعد ہی تم ساری زندگی عیش کر سکو گی۔"

"آپ مجھے بتائیں کہ کیا کرنا ہو گا؟ میں وہی کروں گی۔"

"میں فرمان کا فون نمبر ملاتی ہوں۔ تم اس سے باتیں کرو۔ خوب لگاوٹ کی باتیں کرو گی تو وہ متاثر ہو گا لیکن یہ ظاہر نہ ہو کہ تم کوئی سستی اور گری پڑی لڑکی ہو اور خواہ مخواہ اس کے گلے پڑنا چاہتی ہو۔"

"میں ایسی بھی نادان نہیں ہوں۔ میں اپنے بارے میں کسی کو غلط رائے قائم کرنے کا موقع نہیں دیتی۔ بس کیا کروں؟ جانے کیسے مجھ سے غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ میرے بارے میں وہ رائے قائم نہیں ہوتی جو میں چاہتی ہوں۔ مگر اب میں کوشش کروں گی۔ ویسے آپ کا کیا خیال ہے فرمان اگر مجھے پسند کرلے گا اور مجھ سے راضی ہو جائے گا تو ہم دونوں بہنوں کو شادی کر کے یہاں سے لے جائے گا؟"

ماں نے اس کی پیٹھ پر ایک دھپ جماتے ہوئے کہا۔ "تو تو بالکل ہی بچی ہے۔ اول تو

دو بہنوں کی شادی کسی ایک سے نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ کہ جب وہ تجھے پسند کرلے گا تو پھر وہ اسماء سے شادی کیوں کرے گا؟ تیری کوشش یہی ہونی چاہئے کہ وہ اسماء کے مقابلے میں تجھے پسند کرے اور اس کے رشتے سے انکار ہی کردے۔"

وہ ہاں کے انداز میں سرہلا کر بولی۔ "ٹھیک ہے.......... میں یہی کروں گی۔"

ثریا بیگم نے فرمان کا فون نمبر ڈائل کیا پھر رابطہ ہوتے ہی ریسیور بیٹی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ اسے کان سے لگا کر انتظار کرنے لگی۔ جب فرمان کی آواز سنائی دی تو اس نے کہا۔ "ہیلو.......... میں بول رہی ہوں۔"

فرمان نے پوچھا۔ "آپ کون بول رہی ہیں؟"

"یہ لیں.......... آپ مجھے نہیں پہچانتے؟ میرا نام عاصمہ ہے۔ میں اس گھر سے بول رہی ہوں۔ جہاں آپ رشتہ مانگنے آئے تھے۔"

فرمان نے خوش ہوکر کہا۔ "اوہ اسماء! یہ تم ہو؟ تم نے مجھے فون کیا ہے۔ میں کبھی سوچ نہیں سکتا تھا کہ تم مجھے فون پر مخاطب کروگی۔ اور ہم کچھ باتیں کرسکیں گے۔"

"آپ کو فون پر باتیں کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو آپ نے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟"

"دیکھو.......... یہ میرا سسرال ہے۔ یہ ذرا معیوب سا لگتا تھا کہ تمہیں فون پر مخاطب کرنا چاہوں تو شادی سے پہلے تمہارے ممی ڈیڈی اعتراض کریں۔"

"لیں.......... یہ بھی کوئی اعتراض کرنے کی بات ہے۔ میری ممی نے تو خود ہی مجھے فون کرنے کی اجازت دی ہے۔"

ثریا بیگم نے ایک دم سے پریشان ہوکر بیٹی کو دیکھا۔ پھر فوراً ہی کریڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔ فون بند ہوگیا۔ وہ غصے سے بولی۔ "پاگل کی بچی!.......... تجھے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے تجھے فون کرنے کو کہا ہے؟ کیا کسی سے محبت کی جاتی ہے تو ماں باپ سے پوچھ کر کی جاتی ہے؟ دیکھو.......... میں نے ابھی لائن کاٹ دی ہے وہ وہاں سے ضرور فون کرے گا۔ تم بات بناؤ گی اور کہو گی کہ تم نے یہ سب مذاق میں کہا ہے۔ ورنہ تمہاری ممی نے تمہیں فون کرنے کے لئے نہیں کہا ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ ثریا بیگم نے کریڈل پر سے ہاتھ ہٹایا۔ وہ ریسیور کو

کان سے لگا کر بولی۔ "ہیلو.......... لائن کٹ گئی تھی۔"

پھر ہنستے ہوئے بولی۔ "میں نے بات ہی ایسی کہہ دی تھی بھلا کسی کی ممی کسی سے فون پر بات کرنے کی اجازت دیتی ہیں؟ نہیں دیتی ہیں ناں..........؟ بس میں نے وہ بات مذاقاً کہی تھی۔"

"اچھا تو تم مذاق بھی کرلیتی ہو۔ چہرے سے تو بہت سنجیدہ لگتی ہو؟ بائی داوے مجھے زندہ دلی پسند ہے۔"

"آپ نے میرا چہرہ کہاں دیکھا ہے؟ کہہ رہے ہیں کہ زندہ دلی پسند ہے۔"

"میں نے کہیں تمہیں دیکھ لیا تھا۔ کبھی ملوگی تو بتاؤں گا۔ پھر یہ کہ تمہاری ایک تصویر میرے پاس ہے لیکن تصویر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تصویر تیری دل میرا بہلا نہ سکے گی۔ میں بات کروں گا تو یہ خاموش رہے گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "تو آپ تصویر سامنے رکھیں اور فون پر بولتے رہیں۔ ایسا لگے گا کہ جیسے تصویر بات کررہی ہے۔"

پھر وہ چونک کر بولی۔ "میری تصویر آپ کے پاس کیسے؟"

وہ بولا۔ "دل کے آئینے میں ہے تصویر یار۔ جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔"

وہ پھر ہنسنے لگی۔ اس نے کہا۔ "تمہاری ہنسی بہت سریلی ہے۔ تمہاری ہنسی سن کر اور باتیں سن کر میں بے چین ہو رہا ہوں۔"

"کیا آپ ملنا چاہتے ہیں؟"

"تم تو میرے دل کی بات کہہ رہی ہو۔"

"تو پھر یہاں چلے آئیں۔"

ادھر ثریا بیگم نے انکار میں سرہلایا۔ وہ بات بدل کر بولی۔ "میرا مطلب ہے کہ یہاں میرے گھر میں نہیں بلکہ گھر کے سامنے جو گارڈن ہے۔ کیا وہاں ملاقات ہوسکتی ہے؟"

"ہاں.......... تم ابھی آسکتی ہو؟"

"بے شک.......... آسکتی ہوں۔"

"میں آدھے گھنٹے کے بعد وہاں پہنچوں گا۔ مگر تم کہاں ملوگی؟"

"وہ جہاں بچے جھولا جھولتے ہیں۔ وہاں انتظار کروں گی۔"

"بس تو میں فون رکھ رہا ہوں اور یہاں سے نکل رہا ہوں۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ "ممی..........! وہ مجھ سے ملنے آ رہے ہیں۔"

ماں نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "میری جان..........! تُو لاکھوں میں ایک ہے وہ دیکھتے ہی تجھ پر ہزار جان سے عاشق ہو جائے گا بس فوراً تیار ہو کر نکل چلو۔"

"کیا آپ بھی میرے ساتھ جائیں گی؟"

"اے لڑکی..........! میں تیرے ساتھ جا کر کیا کروں گی تجھے تیار ہونے کو کہہ رہی ہوں۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔

☆-------☆-------☆

فرمان آدھے گھنٹے بعد اس گارڈن میں آ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ بچے جھولا جھول رہے تھے۔ وہاں عورتیں بھی تھیں اور جوان لڑکیاں بھی نظر آ رہی تھیں لیکن اسماء دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اسے آنے میں دیر ہو سکتی تھی۔ اس لئے وہ اس کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد عاصمہ اس کے قریب آ کر بولی۔ "سوری فرمان صاحب! مجھے ذرا دیر ہو گئی۔"

وہ ذرا پیچھے ہو کر بولا۔ "آ.......... آپ کون ہیں؟"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "ابھی تو آپ سے فون پر باتیں ہوئی تھیں۔"

وہ ذرا الجھ کر بولا۔ "فون پر آپ سے باتیں ہوئی تھیں؟ لیکن.......... وہ تو میں نے اسماء سے باتیں کی تھیں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ "میرا نام عاصمہ ہے۔ کیا آپ کو فون پر اسماء سنائی دیا..........؟"

وہ احمقانہ طور پر ہاں ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "میں بھول ہی گیا تھا کہ وہاں اسماء کی بہن عاصمہ بھی ہے۔ شاید تھوڑی دیر پہلے آپ سے ہی باتیں ہوتی رہی تھیں۔"

"یہ آپ نے آپ آپ کیا لگا رکھا ہے؟ فون پر تو تم کہہ رہے تھے۔"

"جی ہاں.......... مگر وہ میں تمہیں اسماء سمجھ رہا تھا۔"

"تو کیا ہوا؟ نام کا ہی تو فرق ہے۔ ہم دونوں ہیں تو لڑکیاں۔ کیا وہ خوبصورت ہے؟ میں خوبصورت نہیں ہوں؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "ہاں ہاں بے شک تم بہت خوبصورت ہو لیکن.........."

وہ ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "آئیے ناں.......... وہاں گھاس پر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

وہ اسے کھینچنے لگی۔ وہ جبراً اس کے ساتھ چلتا ہوا ذرا دور آیا۔ گھاس پر بیٹھتے ہوئے

بولا۔ ”دیکھو.......... میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ تمہیں اسماء سمجھ کر باتیں کر رہا تھا۔“

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ”چلیں پھر غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں مجھے اسماء سمجھ کر باتیں کریں۔“

یہ کہہ کر وہ ہنسنے لگی۔ ہنستے ہوئے کہنے لگی۔ ”آپ کو میری ہنسی بہت پسند ہے ناں.........“

”وہ.......... میں نے فون پر سنی ہے دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں ناں.........؟“

”ڈھول کی آواز تو مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی۔ میں تو اپنی شادی میں ڈھولک بھی نہیں بجاؤں گی۔ ارے ہاں.......... ممی کہہ رہی تھیں کہ ایک دولہے کی دو بہنیں دلہن نہیں بن سکتیں۔ کیا یہ درست ہے؟“

”ہاں.......... بالکل درست ہے۔ میری شادی تمہاری بہن اسماء سے ہونے والی ہے۔ اس لئے تم فون پر ہونے والی باتیں بھول جاؤ۔“

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”کیسے بھول جاؤں؟ میرے گھر والے کہتے ہیں کہ میری یادداشت بہت اچھی ہے۔ میں کبھی کوئی بات نہیں بھولتی۔“

اچانک ہی وہ منہ کھول کر آں آں کرنے لگی۔ جیسے چھینکنا چاہتی ہو۔ وہ منہ پھیر کر بولا۔ ”ذرا ادھر منہ کرکے چھینکو۔“

”آپ کے پاس ماچس کی تیلی ہو گی؟“

”ماچس کی تیلی سے کیا کرو گی؟“

”میں ناک میں خارش کروں گی تو چھینک جلدی آئے گی۔ یہ کم بخت آتے آتے رک جاتی ہے۔“

ثریا بیگم دور ایک جگہ چھپ کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اسے اطمینان نہیں تھا کہ بیٹی کوئی بات فرمان سے کرسکے گی۔ اس نے سوچا تھا کہ بیٹی سے کوئی گڑبڑ ہو گی تو وہ فوراً سامنے آکر بگڑی ہوئی بات بنانے کی کوشش کرے گی۔

لیکن وہاں تو بات ایسی بگڑ رہی تھی کہ جسے وہ سنبھال نہیں سکتی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ جب بیٹی کو چھینکیں آتی ہیں تو وہ اپنے سامنے والوں کو بھول جاتی ہے۔

فرمان سگریٹ پینے کا عادی نہیں تھا۔ اس کے پاس ماچس نہیں تھی۔ اس نے کہا۔

”سوری میرے پاس ماچس نہیں ہے۔“

عاصمہ کی انگلیوں کے ناخن لانبے لانبے تھے۔ اس نے سب سے چھوٹی انگلی کے ناخن کو اپنے ایک نتھنے میں ڈال کر ذرا سا کھجایا تو ایک دم سے چھینک آ گئی۔ ”آں چھیں.......... آں چھیں..........“

وہ دوسری کے بعد تیسری چوتھی چھینکیں مارنے لگی۔ اس کے بعد سر جھکا کر تھوڑی دیر تک بیٹھی رہی یوں لگ رہا تھا کہ جیسے سر ذرا سا چکرا گیا ہو۔ ایسا چند سیکنڈ کے لئے ہی ہوا تھا۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر سامنے گارڈن کو دیکھنے لگی۔ رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ ہر طرف ہریالی تھی۔ بچے ہنس کھیل رہے تھے۔ عورتیں بھی ہنستی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ پھر اس نے ذرا سر گھما کر فرمان کو دیکھا اور چونک کر ایک دم سے پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ”تم کون ہو؟ میرے اتنے قریب آکر کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟“

وہ تعجب سے بولا۔ ”یہ کیا کہہ رہی ہو؟ میں فرمان ہوں۔ تمہاری بہن اسماء سے میری شادی ہونے والی ہے۔“

وہ اور ذرا پیچھے ہو کر بولی۔ ”جھوٹ مت بولو۔ بکواس مت کرو۔ ایک تو اتنے قریب آکر بیٹھ گئے اوپر سے رشتے داری جتا رہے ہو۔“

اس نے پریشان ہو کر اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر ذرا نرمی سے کہا۔

”عاصمہ..........! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم کچھ ایب نارمل ہو؟“

”تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟“

”دیکھو میں بتا چکا ہوں کہ تمہارا ہونے والا ایک رشتے دار ہوں پلیز.......... تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔“

”تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں شور مچاؤں گی اور پھر لوگ آکر تمہاری پٹائی کریں گے۔“

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس سے دور ہو کر اسے تشویش بھری ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ لڑکی کچھ ایب نارمل ہے۔ تھوڑی دیر پہلے اتنی لگاوٹ سے باتیں کر رہی تھی اور اب بالکل ہی پہچاننے سے انکار کر رہی ہے۔ وہ پھر بولا۔ ”دیکھو.......... تم خود کو پہچان رہی ہو۔ اپنا نام بھی تمہیں یاد ہے لیکن مجھے کیوں بھول رہی

ہو؟ یہ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ کیا تم اپنے گھر تنہا واپس جاسکتی ہو؟"

"ہاں......... بالکل جاسکتی ہوں۔ اس گارڈن کے سامنے ہی ہمارا مکان ہے۔"

"پلیز......... اس وقت تمہیں اپنے گھر جانا چاہئے۔"

"آپ کو مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جارہی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے گھر کی طرف جانے لگی۔ ثریا اس سے پہلے ہی اپنے گھر پہنچ گئی تھی۔ جانتی تھی کہ اب لڑکی قابو میں نہیں آئے گی۔ باہر ملے گی تو ماں کو بھی پہچاننے سے انکار کردے گی۔ گھر میں آکر ماں باپ کو پہچان لیتی ہے۔

ثریا نے گھر آکر پردے کے پیچھے کھڑکی سے دیکھا عاصمہ تیزی سے چلتی ہوئی گھر کے اندر آرہی تھی اور فرمان سڑک کے دوسری طرف کھڑا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جب گھر میں داخل ہوگئی تو فرمان نے اطمینان کی سانس لی۔

ادھر ثریا نے بیٹی کو دیکھتے ہی پوچھا۔ "واپس آگئیں؟ کیا ہوا؟"

اس نے ماں کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر سر کھجاتے ہوئے کبھی ماں کی طرف اور کبھی دروازے کی طرف دیکھا۔ ماں نے پوچھا۔ "کیا تم بالکل ہی ایب نارمل ہوگئی تھیں؟"

وہ پریشان ہوکر بولی۔ "میں گارڈن میں گئی تھی۔ وہاں ایک اجنبی میرے قریب آکر بیٹھ گیا تھا۔"

وہ بے زار ہوکر بولی۔ "اب میں تمہیں کیا سمجھاؤں؟ تم نے تو بنا بنایا کام بگاڑ دیا ہے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ جلدی سے بیٹی کے قریب آکر بولی۔ "شاید فرمان فون کر رہا ہے۔ ریسیور اٹھاکر اس سے بات کرو۔ وہ ضرور تمہاری خیریت پوچھنا چاہتا ہوگا۔ سامنے والے پی سی او میں گیا ہوگا۔"

"کون فرمان.........؟"

"ارے وہی جس سے ملنے تم گارڈن میں گئی تھیں۔"

"کیا میں فرمان سے ملنے گئی تھی؟"

"ہاں......... میں تمہیں ساری باتیں یاد دلاؤں گی۔ فی الحال فون سنو اور ان سے

سوری کہو۔ کہہ دو کہ تمہاری طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی۔ اس لئے گارڈن سے اٹھ کر گھر آگئی ہو۔ ان سے بعد میں باتیں کروگی۔"

فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی عاصمہ نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا پھر کان سے لگا کر پوچھا۔ "ہیلو......... کون ہے؟"

"عاصمہ میں فرمان بول رہا ہوں۔ بس اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ تم گھر کے اندر پہنچ گئی ہو۔ تم ٹھیک تو ہو ناں.........؟"

"ہاں......... میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کیا آپ مجھ سے گارڈن میں ملنے آئے تھے؟"

"ہاں......... ملنے آیا تھا لیکن اچانک ہی تمہاری ذہنی رو بھٹک گئی تھی تم نے مجھے پہچاننے سے انکار کردیا تھا۔"

"سوری......... میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ میں پھر کسی وقت بات کروں ی۔ ممی کہتی ہیں کہ مجھے........."

اس سے پہلے کہ وہ آگے کچھ کہتی ماں نے فوراً ہی کریڈل پر ہاتھ رکھ کر لائن کاٹ ی۔ پھر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "مجھے معاف کردے میری ماں......... آئندہ ں تجھ سے کبھی کوئی کام نہیں لوں گی۔ تجھ پر بھروسہ کرنا بہت بڑی حماقت ہوگی۔ جاؤ پنے کمرے میں جاکر لیٹ جاؤ۔ میں تیرے لئے بادام کا حلوا لاتی ہوں۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ ماں کچن کی طرف بڑبڑاتے ہوئے جانے لگی۔ جب بھی اس کی طبیعت خراب ہوتی تھی اور وہ ایب نارمل ہوتی تھی تو ماں اسے بادام کا حلوہ کھلاتی تھی تاکہ دماغی توانائی حاصل ہو۔ وہ بچپن میں بہت زیادہ ایب نارمل تھی۔ اب جوانی میں ذرا سنبھل گئی تھی۔ کبھی ایب نارمل ہوجاتی تھی ماں کا خیال تھا کہ بادام کا حلوہ کھانے سے کچھ فرق پڑ رہا ہے۔ بہرحال فرق پڑنے کے باوجود اس نے بنتا ہوا کام بگاڑ دیا تھا۔

☆======☆======☆

اسماء سرخ جوڑے میں دلہن بن کر فرمان کی خوابگاہ میں آگئی فرمان نے کمرے میں آکر دیکھا۔ وہ پھولوں بھری سیج پر گھونگھٹ نکالے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ بستر کے سرے پر بیٹھ کر

بولا۔ "ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں لیکن آج کی رات کے بعد اجنبی نہیں رہیں گے۔ ہمارے درمیان اتنا گہرا رشتہ ہوگا کہ اس کی گہرائی ہماری آئندہ نسلوں تک قائم رہے گی۔"

وہ اور قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ آہستگی سے کسمسانے لگی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے گھونگھٹ کو اٹھایا تو وہ اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔ جیسے سہمی ہوئی ہو۔ اس نے کہا۔ "میں نے تمہیں ایک بار ایک تقریب میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ جیسی دوسری لڑکیاں ہوتی ہیں۔ ویسی ہی تم ہو لیکن تمہاری شخصیت میں کیسی عجیب سی کشش تھی کہ میں تمہاری طرف مائل ہوتا چلا گیا تھا۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے ایک ہاتھ کو تھام لیا تو وہ بڑی آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑوانے لگی۔ وہ بولا۔ "پلیز.......... ہاتھ نہ چھڑاؤ۔ یہ ہاتھ ساری زندگی کے لئے مجھے دے دو۔"

وہ ایک دم سے ہاتھ چھڑا کر ذرا پیچھے ہٹ گئی۔ پھر اپنا دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو اس میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ دکھائی دیا۔ اس نے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟ کیا روبرو رہ کر خط و کتابت کے ذریعے بات کرو گی؟"

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس تہہ کئے ہوئے کاغذ کو لیا پھر اسے کھول کر پڑھنے لگا۔ اسماء نے لکھا تھا۔

"فرمان صاحب! ابھی آپ سے میرا نکاح نہیں پڑھایا گیا ہے اور میں یہ لکھ رہی ہوں۔ جب یہ تحریر آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گی تو اس وقت تک نکاح پڑھایا جا چکا ہوگا۔ اور میں آپ کی منکوحہ کہلاؤں گی۔

لڑکیوں کو بچپن ہی سے گڑیاں کھیلنے کا شوق ہوتا ہے۔ وہ گڈے گڑیا کی شادیاں کرتی ہیں۔ یوں لاشعوری طور پر ان کے اندر یہ بات ہوتی ہے کہ انہیں بھی دلہن بننا چاہئے لیکن میرے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ شادی کے نام سے الجھن محسوس کرتی رہی۔

آپ مجھے ایک نفسیاتی مریضہ کہہ سکتے ہیں لیکن میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ تنہائی میں مرد کی قربت کا تصور کرتے ہی لرز جاتی ہوں۔ سوچتی ہوں کہ یہ سراسر بے حیائی ہے

کہ کوئی اجنبی ہمیں ہاتھ لگائے۔

آپ کہیں گے کہ ہماری دنیا میں ازل سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ بے شک ایسا ہوتا آیا ہے لیکن ایسی مثالیں بھی ہیں جب خود مرد کبھی کسی عورت کی قربت پسند نہیں کرتا اور ساری عمر شادی نہیں کرتا۔

اسی طرح ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو مرد کی قربت سے کتراتی ہیں اور ساری زندگی شادی نہیں کرتیں۔ میں بھی یہی کرنا چاہتی تھی لیکن سوتیلی ماں کے سائے میں بھی نہیں رہنا چاہتی تھی۔ پھر باپ کے بڑھاپے کو دیکھتی تھی اور سوچتی تھی کہ یہ میرا بوجھ کب تک اٹھائیں گے اور میں اس قابل نہیں ہوں کہ خود اپنا بوجھ اٹھا سکوں۔ میں نے مجبور ہو کر یہ نکاح قبول کیا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ کی توہین کر رہی ہوں۔ ہرگز نہیں.......... آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ میں آپ کو چاہتی ہوں۔ پسند کرتی ہوں اور آپ کے ساتھ ساری زندگی گزارنا چاہتی ہوں لیکن صرف ایک دوست کی حیثیت سے اس کے آگے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔"

اس نے خط ادھورا چھوڑ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اسے یاد آیا کہ اسماء نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا کہ جواد ہاشمی اس سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا لیکن اس نے جواد ہاشمی کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ وہ شادی نہیں کرے گی جواد ہاشمی اچھا ہے۔ وہ اس کی قدر کرتا ہے اس کے ساتھ ساری زندگی گزار سکتی ہے لیکن شادی نہیں کر سکتی۔

فرمان نے آگے پڑھا۔ اسماء نے لکھا تھا۔ "آپ کو میری یہ بات عجیب سی لگے گی بلکہ یہ باتیں آپ کو پسند بھی نہیں آئیں گی اور آپ مجھ سے ناراض بھی ہوں گے لیکن میں آپ سے التماس کرتی ہوں کہ آپ میرے جذبات اور احساسات کو سمجھیں میں وہ نہیں ہوں جیسی عام عورتیں ہوتی ہیں۔ میں ان سے مختلف ہوں پلیز.......... آپ مجھ سے محبت کریں۔ ایسے شوہر نہ بنیں جو بیوی کے جذبات کی قدر نہیں کرتے اور اس کے مسائل کو سمجھنا نہیں چاہتے۔ میں پھر ایک بار آپ سے التجا کرتی ہوں پلیز میرے احساسات اور جذبات کو سمجھیں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھ پاؤں گی۔"

فقط آپ کی کنیز.......... اسماء

اس نے خط پڑھ کر اسماء کو دیکھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اسے سمجھ میں نہیں آرہا

تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔ پھر اس نے کہا۔ "میری حالت تو تم نے ایسی کر دی جیسے بھوکے کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا ہو اور اس دسترخوان پر خالی پلیٹیں لاکر رکھ دی گئی ہوں۔ تم نے یہ درست لکھا ہے کہ مجھے تمہارے احساسات اور ذہنی حالت کو سمجھنا چاہئے۔ اس لئے میں سمجھنا چاہوں گا۔"

اس نے پھر اسماء کو دیکھا اور کہا۔ "اس طرح تم منہ پھیر کر بیٹھی رہو گی تو کیا خاک سمجھوں گا؟ تم نے کہا ہے کہ ہم دوست بن کر رہ سکتے ہیں تو کیا دوست ایک دوسرے سے منہ پھیرتے ہیں؟"

وہ ذرا مڑ کر اس کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی۔ وہ بولا۔ "شکریہ.......... میں تمہارے لئے بالکل اجنبی ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنا تعارف کراؤں۔ تم مجھے اچھی طرح پہچانو گی تب ہی مجھ پر اعتماد کرو گی۔ مجھ سے دوستی کرو گی لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب تم مجھ سے بات کرو۔ چپ رہو گی تو میں تمہارے احساسات کو سمجھ نہیں پاؤں گا۔"

وہ سر جھکا کر خاموش بیٹھی رہی۔ اس نے کہا۔ "تمہارے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ میں ماہر نفسیات نہیں ہوں لیکن اتنا سمجھ سکتا ہوں کہ بچپن میں کوئی بات پھانس کی طرح ذہن میں رہ جائے تو جوانی اور بڑھاپے تک مختلف شکلیں اختیار کر کے انسان کو ایب نارمل بناتی رہتی ہے۔"

وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "میں ایب نارمل نہیں ہوں۔ آپ مجھے کسی بھی طرح سے آزمالیں۔"

"یہ سہاگ کی سیج ایسی ہے جہاں بہت بڑی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے اور دنیا کی ہر عورت گزرتی ہے لیکن تم اس سے انکار کر رہی ہو۔ کیا اس طرح ایب نارمل ہونے کا ثبوت نہیں دے رہی ہو؟"

"سب ہی آم کھاتے ہیں اگر میں آم نہ کھاؤں تو کیا میں ایب نارمل کہلاؤں گی؟ اپنی اپنی پسند اور اپنا ایک رجحان ہوتا ہے۔ ذہن جس طرف مائل نہ ہو تو اسے جبراً مائل نہیں کرنا چاہئے۔"

"میں جبر نہیں کر رہا ہوں اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ ہے لیکن تم کچھ تو بتاؤ؟ مجھے نکاح کے نام پر مجازی خدا تسلیم کرنے کے بعد پھر میری قربت سے انکار کیوں کر رہی ہو؟ کیا مجھے

اپنا مجازی خدا تسلیم نہیں کر رہی ہو؟"

"میں جانتی ہوں میرا خدا جانتا ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ ہی میرے سب کچھ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔"

"تو پھر مجھے اتنا حق تو پہنچتا ہے کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ سکوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ پکڑا وہ پھر کسمسانے لگی۔ التجا کرنے لگی۔ "پلیز ایسا نہ کریں۔ ہاتھ پکڑنے سے تو دوستی نہیں ہوتی۔ ہم فاصلہ رکھ کر بھی باتیں کر سکتے ہیں۔"

وہ ہاتھ چھوڑ کر بولا۔ "کیا ہاتھ چھوڑنے سے دوستی قائم رہتی ہے؟ یہ کیسی دوستی ہوگی کہ ہاتھ پکڑنے والے پر اعتماد نہ ہو اور دوستی کا دعویٰ بھی کرتی رہو؟"

"میں آپ کے کسی ایسے سوال کا جواب نہیں دے سکوں گی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کریں؟"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر چلتا ہوا دروازے کے پاس آیا۔ اسماء پریشان ہو کر اسے دیکھ رہی تھی اور پوچھ رہی تھی۔ "کیا آپ ناراض ہو گئے ہیں؟"

"کیا مجھے ناراض نہیں ہونا چاہئے؟"

"پلیز.......... آپ باہر نہ جائیں۔"

وہ قریب آتے ہوئے بولا۔ "تو کیا تم مجھے قریب آنے دو گی؟"

وہ التجا آمیز لہجے میں بولی۔ "خدا کے لئے آپ ایسی باتیں نہ کریں۔"

"نہ قریب آنے دو گی نہ دور جانے دے رہی ہو۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا میں یہاں بیچ کمرے میں کھڑا رہوں؟"

"میں آپ کو یہاں بیٹھنے سے منع تو نہیں کر رہی ہوں۔"

"کیا یہ سیج صرف بیٹھنے کے لئے ہے؟"

"آپ پھر ویسی ہی باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں تو صرف باتیں کر رہا ہوں۔ دوسرے تو بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔"

اسماء نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔

وہ تیزی سے پلٹ کر دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ وہاں سے چلتا ہوا ایک کمرے کے

پاس آیا پھر اس کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ جلال اکبر اپنی بیوی کے ساتھ وہیں رہ گیا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا تھا کہ نئی دلہن ہے یہاں اسے کسی بھی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے عورت ہی عورت کو سمجھتی ہے۔ لہٰذا آج کی رات انہیں وہاں رہنا چاہئے۔

دستک کی آواز پر جلال اکبر نے دروازہ کھول کر اسے دیکھا۔ پھر کہا۔ "ابے تو.......... اتنی رات کو یہاں؟ کیا دلہن نے دھکے مار کر نکال دیا ہے؟"

وہ بولا۔ "ہاں.......... کچھ ایسی ہی بات ہے۔"

بیگم جلال نے آکر پوچھا۔ "کیا بات ہے فرمان بھائی.......... آپ دلہن کو چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہیں؟"

اس نے وہ تہہ کیا ہوا کاغذ ان دونوں کی طرف بڑھایا پھر کہا۔ "اسے پڑھ لیں پھر میں بات کروں گا۔ اتنا کہہ دوں کہ جب میں نے دلہن کو چھونا چاہا تو اس نے یہ کاغذ مجھے تھما دیا تھا۔"

"بھائی..........! اندر آجاؤ۔ یہاں بیٹھو ہم دیکھتے ہیں کہ معاملہ کیا ہے؟"

وہ اندر آکر بیٹھ گیا جلال اکبر اور اس کی بیگم اس تحریر کو پڑھنے لگی۔ تحریر ایسی تھی کہ جس کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اسماء نے صاف طور پر نہیں لکھا تھا' بات کو پردے میں رکھ کر لکھا تھا۔ اس لئے یہ بات صاف سمجھ میں آرہی تھی کہ وہ سہاگ رات کو میاں بیوی کے رشتے سے انکار کر رہی ہے۔ بیگم جلال نے کہا۔ "یہ تو دلہن نے مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔"

جلال نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ دلہن کے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے اسے سمجھنا چاہئے۔ دنیا کی ہر لڑکی اپنا گھر چھوڑ کر دلہن بن کر ایک اجنبی کے گھر آتی ہے اور وہاں اسے اپنا پن ملنا چاہئے۔ بھرپور پیار ملنا چاہئے۔ اگر کوئی مسئلہ ہے تو اسے سمجھنا ہوگا۔"

بیگم جلال نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "فرمان بھائی!.......... آپ یہاں بیٹھ کر باتیں کریں میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ وہاں سے دلہن کے کمرے میں آئی۔ اسماء ذرا کھل کر آرام سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی فوراً سمٹ کر بیٹھنے لگی۔ بیگم جلال نے کہا۔ "آرام سے بیٹھو۔ مجھے اپنی بڑی بہن سمجھو۔ یہاں تم ایک اجنبی ماحول میں آئی ہو لیکن آج کے بعد یہ ماحول اجنبی نہیں

رہے گا۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہوگا یہاں تم سیاہ وسفید کی مالک بن کر رہو گی لیکن گھر کو جنت بنا کر رکھنے کے لئے گھر کے مالک کو بھرپور محبتیں دینی پڑتی ہیں۔ میں نے بھی اپنے شوہر کے ساتھ یہی کیا۔ ساری دنیا کی عورتیں یہی کرتی ہیں۔ پھر تمہیں اعتراض کیوں ہے؟"

وہ چپ بیٹھی رہی بیگم جلال نے کہا۔ "دیکھو' چپ رہنے سے تو بات نہیں بنے گی۔ تم تعلیم یافتہ ہو۔ سمجھدار ہو۔ یہاں گھر بسانے کے لئے آئی ہو۔ گھر اجاڑنے کے لئے نہیں آئی ہو۔ لہٰذا کم سے کم مجھ سے کھل کر بات کرو۔"

وہ بولی۔ "میں کیا بات کروں؟ بس مجھے یہ سوچ کر بھی شرم آتی ہے کہ کوئی مرد میرے بدن کو ہاتھ لگائے گا۔"

"وہ کوئی مرد نہیں ہے۔ تمہارا شوہر اور مجازی خدا ہے' تمہارے جسم و جان کا مالک ہے۔ عورت ایک مرد کو اپنا بنانے کے لئے اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کرتی ہے۔"

"وہ میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں۔ میں نے کتابوں میں بھی پڑھا ہے اور فلموں میں بھی دیکھا ہے۔ بہت کچھ سنا بھی ہے اور سمجھا بھی ہے لیکن میں کیا بتاؤں کہ ایسا سوچتے ہوئے بھی شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہوں۔"

بیگم جلال نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "اپنے شوہر سے شرم نہیں آنی چاہئے۔ فرمان بھائی بہت اچھے ہیں تمہیں بہت ساری محبتیں دیں گے۔ تم انہیں ایک بار اپنا بنا لو پھر دیکھو کہ ساری زندگی تم ان کے ہی گن گاتی رہو گی۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں کیا بتاؤں میرے تصور میں جب یہ بات آتی ہے کہ مجھے وہ ایک کتاب کی طرح کھولیں گے تو ایک دم سے حیا آتی ہے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔"

"عورت ایک ایسی کتاب ہے جو صرف اپنے شوہر کے ہاتھوں سے کھلتی ہے۔"

"یہی تو مجھے سوچ کر شرم آتی ہے کہ وہ صرف کتاب کو نہیں بلکہ ایک ایک ورق کھولیں گے۔ یہ کتنی شرم کی بات ہے۔"

"کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ تم خوامخواہ اسے مسئلہ بنا رہی ہو۔"

پھر اس نے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھو' بات یہ ہے کہ فرمان بھائی ابھی تمہارے لئے بالکل اجنبی ہیں میں انہیں بھی سمجھاتی ہوں اور

تمہیں بھی سمجھاتی ہوں کہ آج تم دونوں خوب ایک دوسرے سے باتیں کرو۔ ایک دوسرے سے گھل مل جاؤ۔ پہلے ایک دوسرے سے اچھی طرح متعارف ہو جاؤ۔ ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھ لو۔ اس کے بعد تم خود ہی ان کی طرف مائل ہو جاؤ گی۔ یہ قدرتی بات ہے کہ عورت کسی ایک مرد سے متاثر ہوتی ہے اور تم فرمان بھائی سے متاثر ہو جاؤ گی۔ ان کی ہر خواہش کے سامنے جھک جاؤ گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر بولی۔ "میں جا رہی ہوں۔ فرمان بھائی کو بھیج رہی ہوں۔ ان سے باتیں کرو اور خوب باتیں کرو۔ میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ صرف تم سے باتیں کریں گے اور تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے۔"

وہ چلی گئی۔ اسماء پھر دلہن کی طرح گھونگھٹ نکال کر سنبھل کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمان نے کمرے میں آکر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر قریب ہو کر بولا۔ "تم نے درست کہا تھا کہ مجھے تمہارے احساسات اور ذہنی حالت کو سمجھنا چاہئے اور اب میں سمجھ رہا ہوں۔ اطمینان رکھو اب ہم صرف باتیں کریں گے۔ جب تمہیں نیند آئے گی تو سو جانا۔ تمہیں کم از کم میرے ساتھ بند کمرے میں تو سونا ہی ہو گا۔ تم نے نکاح قبول کیا ہے اور یہ ازدواجی زندگی کا تقاضہ ہے اور تمہارا فرض بھی ہے۔"

وہ بڑی محبت سے باتیں کرنے لگا اور زیادہ سے زیادہ اس کی باتیں کرنے لگا۔ اس کے ماضی اور حال کی اسی سے سننے لگا۔ کسی کا دل جیتنے کا سب سے پہلا گُر یہی ہے کہ صرف اسی کے بارے میں باتیں کرو۔ اس کی تعریفیں کرو۔ اس کے ماضی اور حال کے بارے میں پوچھتے رہو اور اس کی ہر بات پر کبھی حیرانی اور کبھی خوشی کا اظہار کرتے رہو تو خاطر خواہ کامیابی ہوتی ہے اور اسے کامیابی ہو رہی تھی۔

سوا چار بجے تک اسماء اس سے اچھی خاصی گھل مل گئی۔ ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگی۔ پھر اس نے ایک بار جمائی لی تو فرمان نے کہا۔ "تم تھک گئی ہو۔ تمہیں آرام کرنا چاہئے۔ آؤ یہاں سو جاؤ۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف دیکھا تو وہ سمجھ گیا پھر بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ یہاں بالکل تاریکی رہے گی۔"

اس نے اٹھ کر تمام سوئچ آف کر دیئے۔ کمرے میں گہری تاریکی چھا گئی۔ پھر وہ بھی

بیڈ پر آکر لیٹ گیا۔ تاریکی میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس کے قریب ہی لیٹی ہوئی ہے۔ اس کے اندر پہلی رات کی بے چینی تھی لیکن وہ بڑے صبر اور ضبط سے کام لے رہا تھا۔ اسے جیتنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی پہلی رات ہار جائے۔

اس نے دوسری رات اتنا اعتماد حاصل کر لیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ سکتا تھا۔ اسماء نے اعتراض نہیں کیا لیکن وہ روشنی کو دشمن سمجھتی تھی۔ لہٰذا اس نے کمرے میں تاریکی رکھی اور کہا۔ "میں نے تمہیں تمہارے چہرے سے پسند کیا تھا۔ اب یہی چہرہ تاریکی میں نہیں دیکھ سکوں گا لیکن یہ میرے لئے کیا کم ہے کہ تمہارا ہاتھ میرے ہاتھوں میں ہے؟"

وہ بڑے پیار سے دل میں اتر جانے والی باتیں کرتا رہا۔ وہ باتیں کرتے کرتے اونگھنے لگی۔ پھر سو گئی۔ نیند کے دوران اسے کچھ ایسا لگا جیسے وہ ہاتھ اسے ڈھونڈ رہا ہے۔ کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر پہنچ رہا ہے۔ وہ کچھ نیند میں تھی اور کچھ جاگی جاگی سی تھی کچھ سمجھ رہی تھی اور کچھ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ انجان بنی ہوئی تھی۔ آخر انسان تھی اس کے اندر بھی جذبات تھے اور وہ جذباتی لہریں ساحل کے بازوؤں میں آکر ابھرنا' مچلنا اور ٹکرانا چاہتی تھیں۔

یہ ایسی خواہشیں تھیں جنہیں وہ اب تک کچلتی آئی تھی لیکن فرمان کی قربت نے اسے تھکا دیا تھا۔ آخر وہ ہار گئی۔ تاریکی کے باوجود آنکھیں بند کر کے اس مرحلے سے گزر گئی۔ جس کا تصور کرتے ہی وہ شرما جاتی تھی۔ یہ تو صرف فرمان ہی جانتا تھا کہ اس کی شریک حیات نے اس کے کیسے پسینے چھڑا دیئے تھے۔

اتنا تو ہوا کہ اسماء پر اعتماد قائم ہو گیا۔ یہ یقین ہو گیا کہ وہ بہت حیا والی ہے۔ اتنی شرمیلی ہے کہ رات کو بیڈ روم میں ہمیشہ تاریکی رکھتی ہے۔ زیرو پاور کی بھی روشنی ہو تو اعتراض کرتی ہے۔

یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ ایسی حیا والی نے جواد ہاشمی سے یا کسی سے بھی نہ عشق کیا ہو گا اور نہ کبھی کوئی تعلق رکھا ہو گا۔ جس نے بھی اس حیا والی کی زندگی میں زہر گھولنا چاہا تھا اسے ناکامی ہوئی تھی۔

☆======☆======☆

شادی کو دو برس گزر گئے۔ دونوں میاں بیوی بہت خوش تھے۔ بڑی اچھی ازدواجی

زندگی گزر رہی تھی۔ اسماء نے بیوٹیشن کا کورس کیا ہوا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اپنا ایک الگ کاروبار کرے۔ فرمان نے اس کی خواہش کو پورا کیا اور وہاں کے ایک مہنگے علاقے میں بیوٹی پارلر قائم کیا۔ اس طرح اسماء کی زندگی مصروفیت سے گزرنے لگی۔

تیسرے برس اسماء کے پاؤں بھاری ہوگئے۔ چوتھے برس کے شروع ہوتے ہی وہ ماں بن گئی۔ اس نے فرمان کو بیٹے کی صورت میں محبت کا ایک تحفہ دیا۔ زندگی بہت عیش و آرام سے گزر رہی تھی۔ دولت بھی تھی۔ مسرتیں بھی تھیں فرمان کا کاروبار پھل پھول رہا تھا۔ اس نے لندن میں اپنا ایک آفس قائم کیا تھا۔ ادھر اسماء کا بیوٹی پارلر بھی خوب چل رہا تھا۔ اچھی خاصی آمدنی ہو رہی تھی۔ وہ ایک کے بعد دوسرا پھر تیسرا بیوٹی پارلر بڑے بڑے علاقوں میں قائم کر رہی تھی۔

ثریا بیگم یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور انگاروں پر لوٹ رہی تھی اس نے اسماء کا راستہ کاٹ کر اپنی بیٹی کو فرمان کی دلہن بنانا چاہا تھا لیکن اس مقصد میں ناکام ہوگئی تھی۔

اس کی بدنصیبی یہ تھی کہ عاصمہ ایب نارمل تھی۔ حالانکہ خوبصورت تھی۔ پُرکشش تھی نارمل رہنے کے دوران بڑے سلیقے سے زندگی گزارتی تھی۔ سستے خیالات اور جذبات میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی۔ سنجیدگی سے سوچا کرتی تھی کہ اس کی زندگی میں بھی کسی چاہنے والے کو آنا چاہئے۔

اور وہ بھول جاتی تھی کہ کتنے چاہنے والے آئے اور وہ خود ہی چھینکیں مارنے کے بعد ان آنے والوں کو بھول گئی۔

ثریا بیگم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب میری بیٹی فرمان کے گھر دلہن بن کر نہیں جاسکے گی۔

وہاں اسماء اور فرمان میاں بیوی ہونے کے باوجود لیلیٰ مجنوں کی طرح ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اب وہاں ثریا کی دال نہیں گلنے والی تھی۔

اور وہ اپنے منصوبوں اور ارادوں سے باز آنے والی نہیں تھی۔ بعض عورتوں کو کسی کا گھر تباہ کرکے دلی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ ایسے خوش ہوتی ہیں جیسے انہوں نے اس دنیا میں پیدا ہونے کا مقصد پورا کرلیا ہو۔

اکثر ایسی عورتوں کی کامیابی کے سلسلے میں تقدیر ان پر مہربان ہوجایا کرتی ہے۔ ثریا

بیگم کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ایک دم اچانک ایک تقریب میں اس کا سامنا جواد ہاشمی سے ہوگیا۔

وہاں گیلری میں ایک مصور کی تصویروں کی نمائش ہو رہی تھی۔ وہ مصور ثریا بیگم کی فیملی میں سے تھا۔ وہ اس کی عزت افزائی کے لئے اس تقریب میں گئی تھی۔ وہیں اس مصور نے اس سے جواد ہاشمی کا تعارف کرایا۔

"مسز! یہ جواد ہاشمی ہیں۔ بہت مشہور و معروف شاعر ہیں کوئی تین چار برس پہلے اسی شہر کے کسی کالج میں پڑھتے تھے۔ پھر حالات سے مجبور ہو کر یہ شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

وہ جواد ہاشمی کا نام سن کر چونک گئی تھی۔ پھر وہ شاعر بھی تھا اور تین برس پہلے یہاں کے ایک کالج میں پڑھتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "مسٹر ہاشمی! کیا آپ یہاں کے ڈی اے کالج میں پڑھتے تھے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔ "جی ہاں......... میں اسی کالج میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔"

"تب تو آپ میری بیٹی اسماء سے واقف ہوں گے؟"

اس نے چونک کر ثریا کو دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا مس اسماء آپ کی صاحبزادی ہیں؟"

"ہاں......... میری بیٹی کو بھی کالج کے زمانے میں شاعری کا شوق تھا۔"

"آپ کی صاحبزادی تو بہت ہی ذہین ہیں۔ میں نے پیش گوئی کی تھی کہ اگر وہ اپنی مشق جاری رکھیں گی تو ایک نامور شاعرہ کی حیثیت سے کوئی مقام حاصل کرسکیں گی۔"

"شادی کے بعد لڑکیوں کی زندگی اور طور طریقے بدل جاتے ہیں۔ وہ بھی اب شعرو شاعری بھول چکی ہے۔"

"اچھا......... تو کیا ان کی شادی ہوچکی ہے؟"

"ہاں......... ہو تو گئی ہے مگر کیا بتاؤں۔ اچھے نصیب والیوں کو ہی اچھے شوہر ملتے ہیں۔ وہ بے چاری تو اپنی قسمت کو روتی رہتی ہے۔"

وہ بڑے دکھ سے بولا۔ "مجھے یہ سن کر افسوس ہو رہا ہے' کیا میں آپ کی صاحبزادی سے مل سکتا ہوں؟"

"تم آج کل کہاں رہتے ہو؟"

"میں ایک فرم میں ملازم ہوں۔ اس فرم کی ہی طرف سے رہنے کے لئے ایک کوارٹر ملا ہے۔ وہیں تنہا رہتا ہوں۔"

"تم اپنا نام پتہ لکھ کر دو اور فون نمبر بھی لکھ دو۔ میں کل کسی وقت تم سے فون پر ہی بات کروں گی اور اپنی بیٹی سے بھی ملاؤں گی۔"

اس نے فوراً ہی ایک کاغذ پر اپنا نام اور مکمل پتہ لکھ دیا پھر کہا۔ "میرے گھر فون نہیں ہے۔ اگر آپ اپنا فون نمبر دیں تو میں کہیں سے بھی رابطہ کر سکتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہوگی میں اسماء سے تمہارا ذکر کروں گی تو وہ آج ہی شام کو تمہارے پاس دوڑی چلی آئے گی۔"

وہ بولا۔ "اب تو شام ہو چکی ہے۔ ویسے کل چھٹی کا دن ہے میں کل سارا دن گھر میں ہی رہوں گا اور اسی کا انتظار کرتا رہوں گا۔"

وہ اس سے رخصت ہو کر گھر کی طرف جانے لگی اور بڑی تیزی سے سوچنے لگی کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ کس طرح اسماء کو جواد ہاشمی سے ملانا چاہئے۔ وہ دونوں تنہائی میں ملاقات کریں گے اور فرمان کی نظروں میں آئیں گے تو ایک جھٹکے سے شادی کی مضبوط زنجیر ٹوٹ جائے گی۔ فرمان اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دے گا۔

وہ گھر پہنچی تو اس کی بیٹی عاصمہ کے ساتھ ایک اجنبی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئی۔ وہ اجنبی اسٹیج کا بہت مشہور فنکار جمال اختر تھا۔ عاصمہ نے کہا۔ "ممی.........! ان سے ملیں۔ یہ اسٹیج کے بہت مشہور فنکار........."

ثریا نے اس کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "انہیں کون نہیں جانتا؟ یہ بہت مشہور ہیں۔ ان کا نام جمال اختر ہے۔ میں نے ایک بار ان کو ٹی وی اسکرین پر دیکھا تھا۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "آپ لوگ میرے قدر دان ہیں کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اسٹیج پر آکر آپ لوگوں کو خوش کر سکوں۔ ٹی وی پر آنا چاہتا ہوں لیکن اب تک صرف دو ہی بار چانس مل سکا ہے۔ دراصل میں غریب فنکار ہوں۔ میرے ذرائع نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لئے میں ٹی وی جیسے میڈیا تک پہنچ نہیں پاتا۔"

"میری بیٹی سے کہاں ملاقات ہوگئی؟"

"ممی.........! یہ غریبوں کی امداد کے لئے اسٹیج ڈرامہ کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے مخیر افراد سے چندہ لے رہے ہیں۔ میں نے کہا گھر چلیں میری ممی آپ کو پانچ ہزار روپے دیں گی۔"

ثریا نے جھجکتے ہوئے جمال اختر کو دیکھا پھر کہا۔ "آپ یہاں آرام سے بیٹھیں میں ذرا چینج کر کے آتی ہوں۔"

وہ وہاں سے جاتے ہوئے بولی۔ "عاصمہ! ذرا میری بات سنو۔"

عاصمہ اس کے ساتھ ساتھ بیڈ روم میں آئی۔ وہ ذرا غصے سے بولی۔ "تم سوچتی سمجھتی نہیں ہو۔ خوامخواہ پانچ ہزار چندہ دینے کی ہامی بھر لی ہے۔"

"ممی.........! یہ جمال اختر مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ بہت ہنساتے ہیں۔ ابھی طرح طرح کی آوازیں نکال رہے تھے۔ جس بندے کی نقل کرنے کو کہو اس کی نقل ہو بہو کرتے ہیں اور بالکل اس کے لب ولہجے میں بولتے ہیں۔"

"بولتے ہوں گے کیا پانچ ہزار کوئی معمولی رقم ہوتی ہے؟ تم نے خوامخو مجھ سے پوچھے بغیر وعدہ کر لیا۔"

"آپ ناراض کیوں ہوتی ہیں؟ نہیں دینا ہے تو نہ دیں میں انہیں جاکر کہہ دیتی ہوں میری ممی کنجوس ہیں۔ وہ پانچ ہزار نہیں دے سکیں گی۔"

"خبردار......... اس سے کچھ نہ کہنا۔ کیا ہماری بے عزتی کراؤ گی؟ میں اپنے مسئلوں میں الجھی ہوئی ہوں اور تم ایک نئی مصیبت لے آئی ہو۔"

"آپ کس مسئلے میں الجھی ہوئی ہیں؟ مجھے بتائیں میں آپ کی الجھن کو دور کروں گی۔"

"تم اگر سمجھ دار ہوتیں تو پھر رونا ہی کس بات کا تھا۔ بھیک منگوں اور چندہ لینے والوں کو پکڑ لاتی ہے۔ ذرا اسماء کو دیکھ کیسے مالدار شخص کو پھانس رکھا ہے۔ پتہ نہیں تجھے کب عقل آئے گی؟"

"میں اس فکر میں نہیں رہتی کہ کسی مالدار سے شادی ہوگی یا نہیں؟ میں لائف انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے سوچ رکھا ہے کہ جمال اختر کے ساتھ خوب انجوائے کروں گی۔ ہم دونوں ٹیلی فون کے ذریعے دوسروں کو بے وقوف بنائیں گے۔ وہ فون پر

طرح طرح کی آوازیں نکالیں گے۔ ان کے رشتے داروں اور دوستوں کی آوازوں میں بولیں گے تو وہ لوگ اُلو بنتے رہیں گے۔ بڑا مزہ آئے گا۔"

ثریا اس بات سے چونک گئی۔ اس نے بیٹی کو سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔

"میں نے ایک بار اسکرین پر انہیں دیکھا تھا۔ یہ بڑے بڑے فنکاروں اور شخصیات کی نقل اتار رہے تھے۔ کیا میں کسی کی آواز کی نقل اتارنے کو کہوں گی تو یہ ایسا کرسکیں گے؟"

وہ خوشی سے اچھل کر بولی۔ "ضرور کریں گے اور میں کہوں گی تو کبھی انکار نہیں کریں گے۔ آپ مجھے بتائیں آپ کس کی آواز ان کے منہ سے سننا چاہتی ہیں؟"

"میں خود جمال اختر سے بات کروں گی۔ تم چلو میں ابھی آرہی ہوں۔"

وہ ڈرائنگ روم کی طرف چلی گئی۔ ثریا سوچنے لگی۔ وہ چاہتی تھی کہ اسماء کو کسی طرح یہ خبر ملے کہ جواد ہاشمی اس شہر میں آیا ہوا ہے اور اس کا پتہ ٹھکانہ بھی اسماء کو معلوم ہونا چاہئے تاکہ وہ اس سے جاکر ملاقات کرے۔

ثریا خود یہ باتیں اسماء سے نہیں کرنا چاہتی تھی اس پر یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی اور جواد ہاشمی کی ملاقات کے بارے میں کچھ جانتی ہے۔ اگر کہیں پر بات بگڑ جائے تو......... یہ کبھی ظاہر نہ ہو کہ وہ اس کے اور جواد ہاشمی کے معاملے میں ملوث تھی۔ وہ اپنے سر کوئی الزام نہیں لینا چاہتی تھی۔ لہٰذا اپنے بچاؤ کے لئے پہلے سے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا چاہتی تھی۔

اس نے اس پہلو پر بڑی سنجیدگی سے اور بہت دیر تک غور کیا کہ جمال اختر کو اس معاملے میں استعمال کیا جائے تو کہاں تک کامیابی حاصل ہوسکے گی۔ پھر وہ وہاں سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ جمال اختر نے اسے سر سے پیر تک دیکھ کر پوچھا۔ "آپ نے چینج نہیں کیا؟"

وہ بولی۔ "میں ابھی پھر باہر جاؤں گی۔ کیا آپ میرے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے کہیں چلیں گے؟ ہم جلد ہی واپس آجائیں گے۔"

وہ بولا۔ "یہ میرے لئے خوشی کی بات ہے کہ آپ مجھے اپنے ساتھ کہیں لے جارہی ہیں اور میں آپ کے کسی کام آسکتا ہوں۔ ابھی عاصمہ کہہ رہی تھی کہ........"

وہ بات کو کاٹ کر بولی۔ "یہ تو بس یونہی کہتی رہتی ہے۔ سمجھتی کچھ نہیں ہے۔ عاصمہ

تم یہاں ہمارا انتظار کرو۔ میں جمال صاحب کے ساتھ جارہی ہوں جلدی ہی لوٹ آؤں گی۔"

وہ تنک کر بولی۔ "نہیں......... میں بھی جمال صاحب کے ساتھ جاؤں گی۔"

"دیکھو......... ضد نہ کرو۔ ہم ابھی جائیں گے ابھی آئیں گے۔"

"آپ مجھے ساتھ کیوں نہیں لے جانا چاہتے ہیں؟"

"ضد نہ کرو۔ پہلے اپنے آپ کو سمجھو تمہاری یادداشت کمزور ہے بہت سی باتیں بھول جاتی ہو۔ اگر تمہیں کوئی راز کی بات بتائی جائے تو تم بھول جاؤ گی اور دوسروں کے سامنے اسے اگلنا شروع کردو گی۔"

"میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں آپ سے پرومس کرتی ہوں۔"

جمال اختر نے کہا۔ "پلیز عاصمہ.........! جب تمہاری ممی کہہ رہی ہیں کہ تمہیں نہیں جانا چاہئے تو کیا حرج ہے؟ میں ابھی تمہارے پاس لوٹ آؤں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں بس انتظار کرو۔ میں ابھی جاؤں گا اور ابھی ان کے ساتھ واپس آجاؤں گا۔"

وہ مجبوری سے اسے دیکھ کر منہ بناتے ہوئے بولی۔ "اچھی بات ہے آپ کہہ رہے ہیں تو میں مان جاتی ہوں۔"

ثریا جمال اختر کے ساتھ باہر آئی پھر اپنی کار میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے سے پہلے اس نے پرس میں سے پانچ ہزار نکال کر اس کی طرف بڑھائے وہ بڑی خاکساری سے بولا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

وہ بولی۔ "میں اس سے بھی زیادہ دے سکتی ہوں۔ تمہاری دوسری ضرورتیں پوری کرسکتی ہوں کیا تم میرا ایک کام کرو گے؟"

"آپ جو کہیں گی میں وہ کروں گا۔ بشرط یہ کہ وہ میرے بس کی ہو۔"

"تمہارے اختیار میں ہے۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھائی پھر کوٹھی کے احاطے سے باہر نکل کر ڈرائیو کرتے ہوئے بولی۔ "ایک شخص کی آواز اور لب ولہجے کی ہوبہو نقل کرسکو گے؟"

"بے شک کرسکوں گا۔ آپ مجھے اس کی آواز سنائیں۔"

"میں وہیں جارہی ہوں۔ یہاں آرٹ گیلری میں ایک مصور کی تصویروں کی نمائش

ہو رہی ہے۔ وہاں جواد ہاشمی نامی ایک شخص ہے۔ اس مصور کا نام ذاکر حسین ہے۔ تم اس کے پاس جاکر جواد ہاشمی کے بارے میں پوچھو گے تو وہ تمہاری ملاقات اس سے کرائے گا۔ یا تم اپنے طور پر جس طرح چاہو اس کے بارے میں وہاں معلومات حاصل کرو۔ اس سے ملاقات کرو۔ اس سے گفتگو کرنے کے بعد ہی اس کی آواز کو سن سکو گے اور اس کی نقل کر سکو گے۔"

"آپ جواد ہاشمی کے بارے میں کچھ بتائیں۔ وہ کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اور کس قسم کا بندہ ہے؟"

"میں بعد میں سب کچھ بتاؤں گی۔ ابھی تم گفتگو کے دوران میں اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔"

"ویسے میرے اس کام کا معاوضہ تمہیں کتنا ملنا چاہئے؟"

"آپ جو بھی دیں گی وہ میں لے لوں گا۔ پچھلے دو ماہ سے میں نے کرایہ ادا نہیں کیا ہے۔ مالک مکان پریشان کر رہا ہے۔"

"کتنا کرایہ دیتے ہو؟"

"ایک چھوٹا سا مکان ہے بالکل تنہا رہتا ہوں۔ ہزار روپے ماہانہ دیتا ہوں۔ دو ہزار مجھ پر چڑھ گئے ہیں۔"

"میں تمہیں چار ہزار دوں گی۔"

"پھر تو میں آپ کا ہر کام کرنے کے لئے سر کے بل کھڑا رہوں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے اسٹیج ڈراموں سے گزارہ نہیں ہوتا؟"

"اسٹیج ڈرامے ہمیشہ نہیں ہوتے۔ مہینے میں ایک آدھ ہفتے کے لئے کوئی ڈرامہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر دو تین ماہ تک یا چار پانچ ماہ تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پھر کوئی پروڈیوسر ڈرامہ تیار کرتا ہے تو مجھے چانس ملتا ہے۔"

"تو پھر تمہارا گزارہ کیسے ہوتا ہے؟"

"بس کچھ نہ پوچھیں۔ کبھی کسی فنکشن میں جاکر کوئی کامیڈی آئٹم پیش کرتا ہوں تو وہاں سے کچھ پیسے مل جاتے ہیں۔ کبھی آپ جیسی مہربان ہستی کے کام آجاتا ہوں تو ان سے

مجھے کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے۔"

"تم میرا کام جب تک کرتے رہو گے تمہیں مجھ سے بہت کچھ ملتا رہے گا۔"

وہ آرٹ گیلری کی عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔ اس نے کار روک کر کہا۔ "اب تم جاؤ اور آرٹ گیلری میں پہنچ کر اس مصور کے ذریعے جواد ہاشمی تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ اس سے باتیں کرو۔ پھر میرے پاس آکر بتاؤ کہ تم نے کیا کچھ معلومات حاصل کی ہیں اور کیا تم اس کی آواز اور لہجے کی نقل کر سکتے ہو یا نہیں؟ میں یہاں تمہارا انتظار کرتی رہوں گی۔"

وہ کار سے اتر کر اس عمارت کے اندر چلا گیا۔ وہ خاموش بیٹھی اس کا انتظار کرنے لگی اور سوچنے لگی کہ جمال اختر نے اگر کامیابی سے نقالی کی تو اسماء سے فون پر رابطہ کر کے کیا کہا جائے گا؟

جمال اختر اپنی فنکاری سے جواد ہاشمی بن کر اسماء سے کیا کہے گا؟ کس طرح کی باتیں ہونی چاہئیں؟

وہ اندازہ کرنے لگی کہ اسماء سے فون پر کس قسم کی گفتگو ہو سکتی ہے؟ اور وہ مکالمے کیا ہوں گے جو جمال اختر کو ادا کرنے ہوں گے؟

وہ بہت دیر تک سوچتی رہی۔ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ جمال عمارت سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا آرہا تھا۔ قریب آتے ہی جواد ہاشمی کے لہجے اور آواز میں بولنے لگا۔ "دیکھئے میڈم! میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں؟ آپ ابھی میری باتیں سنتی رہیں اور فیصلہ کریں جب تک آپ کے سامنے رہوں گا تو اسی آواز اور لہجے میں بولتا رہوں گا۔ اس طرح میری پریکٹس بھی رہے گی۔ آپ اس طرح جس سے بات کرنے کو کہیں گی تو میں اس کے سامنے یہ ثابت کردوں گا کہ میں ہی جواد ہاشمی ہوں۔"

وہ دروازہ کھول کر اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا پھر بولا۔ "اب بتائیں مجھے کیا کرنا ہے؟"

وہ بولی۔ "ایک لڑکی ہے اسماء........ تم جواد ہاشمی کی آواز میں اسے فون پر مخاطب کرو گے اور کہو گے کہ اب تم کراچی سے واپس اس شہر آگئے ہو اور یہاں ایک فرم میں ملازمت کر رہے ہو۔ تم جواد ہاشمی کے کوارٹر کا پورا پتہ اسے بتاؤ گے۔ اور کہو گے کہ تم

سخت بیمار ہو اور اس سے ملنا چاہتے ہو چونکہ اب اندھیرا ہو چکا ہے وہ نہیں آسکے گی۔ اس لئے اس سے کہہ سکتے ہو کہ کل تم اس کا انتظار کرو گے۔ اگر اس کی کوئی مجبوری ہے تو وہ تب بھی آخری بار آکر تم سے ملاقات کرلے۔"

جمال اختر نے پوچھا۔ "کیا اسماء کو جواد ہاشمی سے کوئی دلچسپی ہے؟"

"ہاں......... وہ دونوں کالج میں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ چار برس پہلے وہ ایک دوسرے سے متاثر تھے۔ جواد ہاشمی اس سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ویسے اسے چاہتی ضرور تھی۔ اسے ایک بہت بڑا شاعر مانتی تھی اور اس کی قدر کرتی تھی۔"

ثریا کو اسماء اور جواد ہاشمی کے بارے میں جس حد تک معلوم تھا وہ اسے بتاتی رہی پھر بولی۔ "تمہارا کمال یہ ہوگا کہ اول تو اسے یقین دلا دو کہ جواد ہاشمی ہی بول رہا ہے۔ دوسرا کمال یہ ہوگا کہ اسے کسی بھی طرح ملاقات کے لئے راضی کرلو اور کل کا کوئی وقت طے کرلو۔ اگر تم کامیاب ہو جاؤ گے تو میں ابھی تمہیں پانچ ہزار دوں گی۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "میں ابھی فون کرتا ہوں۔"

"یہاں سے کسی ایسے پی سی او میں چلو جہاں کیبن ہو۔ میں اس کیبن میں تمہارے ساتھ بیٹھی رہوں گی تم جہاں بولنے میں گڑبڑ کرو گے تو میں سنبھال لوں گی۔"

اس نے ایک پی سی او کا پتہ بتایا۔ وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ وہ دونوں اس پی سی او کے ایک کیبن میں آگئے۔ ثریا نے اسماء کی کوٹھی کا فون نمبر ڈائل کیا۔ پھر کان سے ریسیور لگا کر سننے لگی۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے اپنے آنچل کے کونے کو اپنے منہ میں ٹھونس لیا تاکہ آواز بدل جائے اور اسماء اسے اپنی سوتیلی ماں کی حیثیت سے پہچان نہ سکے۔ دوسری طرف سے اسماء کی آواز سنائی دی۔ ثریا نے انجان بن کر پوچھا۔ "کیا میڈم اسماء موجود ہیں؟"

"جی ہاں......... میں اسماء ہی بول رہی ہوں۔"

"پلیز......... ہولڈ کریں ایک صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے ریسیور جمال اختر کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے لے کر کان سے لگانے کے بعد بڑے جذباتی انداز میں بولا۔ "ہیلو اسماء.........! کیا تم میری آواز کو پہچان رہی ہو؟"

اسماء کا دل دھک سے رہ گیا۔ ایک دم سے پرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "آپ......... آپ جواد ہاشمی صاحب ہیں؟"

وہ بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم نے مجھے بھلایا نہیں ہے۔ اتنی دور سے فون پر میری آواز بھی پہچان رہی ہو۔"

"آپ کہاں ہیں؟ کیا اسی شہر میں ہیں؟"

"ہاں......... اب میں یہاں آگیا ہوں۔ ایک فرم میں ملازمت کر رہا ہوں۔ یہاں رہنے کے لئے ایک کوارٹر ملا ہے مگر اتنی بڑی دنیا میں بالکل تنہا ہوں۔"

وہ ذرا رک کر جھجک کر بولی۔ "آپ نے ابھی تک شادی نہیں کی؟"

"تمہیں شاید یاد نہیں ہے؟ میں نے کہا تھا کہ میں صرف تم سے شادی کروں گا۔ ورنہ کبھی نہیں کروں گا۔"

"پلیز جواد صاحب!......... اب آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ میری شادی ہو چکی ہے۔ اور میں ایک بچے کی ماں بن چکی ہوں۔"

"ہاں......... مجھے معلوم ہوا تھا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے اور تم ماں بھی بن چکی ہو۔ میں نے سوچا کہ تم سے ملنا مناسب ہوگا یا نہیں؟ پھر سوچا کہ شاید روبرو تم ملنا نہ چاہو۔ ٹیلی فون پر تو بات کر سکتی ہو؟"

"آپ کو میرا فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

"یہ نہ پوچھو کہ کیسے معلوم ہوا؟ کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ تم ایک بہت مشہور بزنس مین کی بیوی ہو۔ کوئی بھی تمہارا فون نمبر حاصل کر سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ ذرا کھانسنے لگا۔ "کیا بات ہے؟ آپ کھانس کیوں رہے ہیں.........؟"

"میں دو روز سے بیمار ہوں۔ تنہا اپنے کمرے میں پڑا رہتا ہوں۔ طبیعت ذرا ٹھیک ہوتی ہے تو ڈاکٹر سے جاکر دوا لے آتا ہوں۔ نہ کوئی اپنا ہے نہ پرایا ہے۔ ایسی حالت میں تمہاری یاد شدت سے آرہی تھی۔ دوا لے کر باہر آیا تو ایک پی سی او سے فون کرنے کو دل مچل گیا۔ تم نے برا تو نہیں مانا.........؟"

"نہیں......... نہیں آپ نے اچھا کیا کہ فون پر مجھے مخاطب کیا۔ میں آپ کو کبھی بھلا نہیں سکتی۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ آپ کی بیماری کا سن کر مجھے تکلیف ہو رہی

ہے۔ آپ یہاں بالکل تنہا ہیں۔ آپ کچھ دنوں کے لئے اپنے والدین کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟"

"جب طبیعت سنبھلے گی تو دیکھوں گا کہ جاسکتا ہوں یا نہیں۔ شاید دفتر سے چھٹی نہ ملے۔ اسماء! میں نے تم سے کبھی کچھ نہیں چاہا۔ آج ایک بات کہنا چاہتا ہوں کیا تم مان لوگی؟"

"ماننے والی بات ہوگی تو ضرور مان لوں گی۔"

"تم مان سکتی ہو۔ صرف اس بیماری کا خیال کرکے تم کچھ دیر کے لئے میرے پاس آسکتی ہو۔ ایک بار مجھ سے ملاقات کرلو۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "یہ.......... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں فرمان سے کیا کہوں گی کہ کس سے ملنے جارہی ہوں؟ یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"میں یہاں پردیس میں ہوں۔ بیمار ہوں کوئی میری جلتی ہوئی پیشانی پر ہاتھ رکھنے والا بھی نہیں ہے۔ تم بے شک یہاں آکر میری پیشانی پر ہاتھ نہ رکھو۔ دور سے ہی ایک جھلک دکھادو۔ آخری بار ملاقات کرلو۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ایک بیمار کی آخری خواہش ہو۔"

"پلیز.......... آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی عمر دے' میں کچھ سوچتی ہوں کچھ کرتی ہوں۔"

"سوچنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ کر گزرنے سے بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ تم حوصلہ کرکے میری خاطر تھوڑی دیر کے لئے آجاؤ گی تو میں سچ کہتا ہوں کہ تمہیں دیکھتے ہی شاید اپنا دکھ بیماری اور تنہائی سب کچھ بھول جاؤں۔"

وہ تھوڑی دیر چپ رہی پھر بولی۔ "ابھی تو رات ہوچکی ہے میں نہیں آسکوں گی۔"

"کوئی بات نہیں.......... میں کل تمہارا انتظار کروں گا۔"

وہ بولی۔ "ٹھیک ہے.......... فرمان کل صبح کی فلائٹ سے ملتان جارہے ہیں۔ شاید رات تک واپسی ہوگی یا پرسوں تک واپس آئیں گے میں کل دس بجے تک آپ سے ملنے آسکتی ہوں لیکن آپ کا ایڈریس کیا ہے؟"

جمال اختر نے اسے مکمل ایڈریس بتایا پھر کہا۔ "میں کل ٹھیک دس بجے بے چینی سے تمہارا انتظار کروں گا اور میری بے چینی کا تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ مجھے آج رات

نیند نہیں آئے گی۔ کروٹ بدل بدل کر صبح کا انتظار کروں گا۔"

"پلیز.......... ایسی باتیں نہ کریں۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میری شادی ہوچکی ہے۔ اور آپ ابھی مجھ سے وعدہ کریں کہ جب میں آپ سے ملنے آؤں گی تو آپ ایسی کوئی رومانوی گفتگو نہیں کریں گے؟"

"اچھی بات ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

ثریا نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اس سے پوچھو کہ فرمان اس وقت کہاں ہے؟"

اس نے ہاتھ اٹھایا تو جمال اختر نے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہارے میاں صاحب کہاں ہیں؟"

"وہ ابھی دفتر میں ہیں۔ تھوڑی دیر سے آئیں گے کسی ضروری میٹنگ میں الجھے ہوئے ہیں۔"

"اسی لئے ہمیں آزادی سے گفتگو کرنے کا موقع مل گیا۔ تمہارا بہت . ت شکریہ۔ میں کل تمہارا بے چینی سے انتظار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے.......... اب میں فون رکھ رہی ہوں۔ خدا حافظ۔"

اس نے بھی کہا۔ "خدا حافظ" رابطہ ختم ہوگیا۔ وہ ریسیور کو رکھ کر ثریا کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ وہ اس کے شانے کو تھپک کر بولی۔ "شاباش.......... تم نے تو کمال ہی کردیا۔ ایسے رومینٹک انداز میں بول رہے تھے جیسے سچ مچ جواد ہاشمی ہو اور اس سے عشق کرتے رہے ہو۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "میڈم! ہم اسٹیج فنکار ہیں۔ ہر قسم کا رول ادا کرتے ہیں۔ یہ رول ادا کرنا کون سا مشکل تھا؟ اور آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔"

"اب ایک مرحلہ اور رہ گیا ہے تم اس کے شوہر فرمان سے گفتگو کرو گے۔ میں اس کا نمبر ملاتی ہوں۔ یہ تو معلوم ہوچکا ہے کہ وہ ابھی دفتر میں ہی ہے۔"

"یہ بتادیں کہ اس سے کیا کہنا ہے؟ پہلے ہم مکالمے سیٹ کرلیں پھر اس کے بعد اسے کال کریں۔"

وہ یہ طے کرنے لگے کہ اب فرمان کو فون پر مخاطب کرکے کیا کہا جائے اور جو کچھ وہ

کہے گا اس کے جواب میں پھر کیا کہنا مناسب ہوگا۔ کس طرح اسے یقین دلانا ہوگا کہ جواد ہاشمی ہی فون کر رہا ہے اور کل صبح دس بجے اس کی بیوی اس سے ملنے اس کے کوارٹر میں آنے والی ہے۔

☆======☆======☆

فرمان اس وقت اپنے آفس میں بیٹھا ایک ضروری کام نمٹا رہا تھا۔ اسماء کے نصیب بگڑنے والے تھے۔ اس لئے آج دوپہر کچھ ایسی بات ہوگئی تھی کہ وہ کام کے دوران بھی ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا اور بار بار اسماء کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔

ہوا یہ تھا کہ دن کے ایک بجے وہ ایک ضروری میٹنگ میں مصروف تھا۔ اپنے منیجر اور مشیروں سے ایک نئے پروجیکٹ کے سلسلے میں گفتگو کر رہا تھا۔ ایسے وقت ہی اس کے پاس رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ پاس کھڑی ہوئی لیڈی سیکرٹری نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ پھر کہا۔ "ہیلو......... یہ فرمان انٹرپرائزز ہے۔"

پھر وہ دوسری طرف کی بات سننے لگی۔ کچھ پریشان ہو کر اس نے چور نظروں سے فرمان کی طرف دیکھا پھر جواباً کہا۔ "جی ہاں......... ثمینہ صاحبہ یہاں ہیں تو سہی لیکن میٹنگ میں مصروف ہیں اور وہ فون اٹینڈ نہیں کر سکیں گی۔ آپ ایک گھنٹے کے بعد فون کر سکتے ہیں۔"

اس بات پر فرمان نے چونک کر لیڈی سیکرٹری کو دیکھا پھر وہ اپنے ایک مشیر سے باتیں کرنے لگا۔ سیکرٹری نے ریسیور رکھ دیا۔ جب میٹنگ برخاست ہوگئی اور سب لوگ اٹھ کر چلے گئے تو فرمان نے لیڈی سیکرٹری سے پوچھا۔ "کس کا فون تھا؟ ثمینہ کو کون پوچھ رہا تھا۔؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "سر.........! وہ ثمینہ کا شوہر تھا۔"

"ثمینہ آج چھٹی پر ہے۔ تم نے اس سے جھوٹ کیوں کہا کہ وہ اس وقت یہاں میٹنگ میں مصروف ہے؟"

لیڈی سیکرٹری نے سر جھکا لیا۔ وہ سخت لہجے میں بولا۔ "میں جواب سننا چاہتا ہوں یہ ہو کیا رہا ہے؟ تم میرے سامنے جھوٹ بول رہی تھیں۔ فون ایسے وقت آیا تھا کہ تم کوئی اور بات نہیں کر سکتی تھیں۔ اس وقت تم جھوٹ بولنے پر مجبور ہوگئی تھیں ورنہ یہ بات

نہ چھپاتیں۔ کیا اس کے شوہر کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ثمینہ نے آج چھٹی لی ہوئی ہے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "جی......... اس کے شوہر کو یہ بات نہیں معلوم ہے وہ گھر سے یہی کہہ کر نکلی ہے کہ وہ دفتر جا رہی ہے۔"

"اور وہ دفتر نہیں آئی؟ پھر کہاں گئی ہے؟"

اس نے منہ پھیر لیا۔ کچھ بتانے سے ہچکچانے لگی۔ فرمان نے ڈانٹ کر کہا۔ "اگر تم نے مجھ سے سچ نہ کہا تو میں تمہیں اس جاب سے ہٹا دوں گا۔ سیکرٹری اسے کہتے ہیں جو اپنے باس کے سیکرٹ چھپا کر رکھتی ہے' اور تم ہو کہ دوسرے کے راز اپنے باس سے چھپا رہی ہو۔"

وہ بولی۔ "سر! مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی۔ میں نے ثمینہ کی دوستی کی خاطر آپ سے یہ بات چھپائی تھی۔ دراصل اس کا بوائے فرینڈ لندن سے آیا ہوا ہے۔ شادی سے پہلے وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ ان دونوں میں گہرے تعلقات تھے۔ یہ بات اس کے شوہر کو معلوم نہیں ہے۔"

وہ حیرانی سے بولا۔ "تعجب ہے۔ شادی کے بعد بھی ثمینہ اپنے شوہر کو دھوکہ دے رہی ہے اور اپنے عاشق سے ملنے کے لئے اس نے آفس سے چھٹی لی ہے!؟"

"سر! میں کیا بتاؤں؟ میں نے تو اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر یہ سچ ہے کہ محبت اندھی اور بہری ہوتی ہے۔ نہ دیکھتی ہے نہ کسی کی سنتی ہے۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا۔ "ثمینہ کا ڈسچارج لیٹر لکھو۔ اسے فوراً ہی جاب سے ہٹاؤ۔ میں ابھی اس کاغذ پر دستخط کرنا چاہتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا اپنے دفتر میں آ کر بیٹھ گیا تھا۔ نئے پروجیکٹ کی فائل کھول کر پڑھنے لگا تھا ایسے ہی وقت اس کا ذہن بھٹکنے لگا۔ اسے شادی سے پہلے اسماء کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اس کی وہ ڈائری اور وہ لکھا ہوا خط یاد آ رہا تھا۔

اس کے دوست جلال اکبر نے یہ کہہ کر اس کی تسلی کی تھی کہ خط کی تحریر سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اسماء جواد ہاشمی سے محبت کرتی ہے۔ پھر ڈائری میں جو کچھ بھی لکھا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جواد ہاشمی سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔

فرمان کی نظریں کھلی ہوئی فائل پر جمی ہوئی تھیں لیکن اس کا دھیان دوسری طرف

لگا ہوا تھا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے ڈائری میں لکھا کہ وہ جواد ہاشمی سے شادی نہیں کرنا چاہتی لیکن اس کے ساتھ ساری زندگی گزار سکتی ہے۔

وہ اس دوسرے فقرے پر ہی غور کر رہا تھا۔ اب یہی فقرہ بہت اہم بن رہا تھا یعنی وہ شادی فرمان جیسے مالدار شخص سے کرنا چاہتی تھی اور اس غریب شاعر سے صرف عشق کرنا چاہتی تھی۔ اس سے محبت کرنا چاہتی تھی۔

اس کے دفتر میں کام کرنے والی ثمینہ نے شادی کسی سے کی تھی لیکن محبت اپنے پرانے عاشق سے ہی کر رہی تھی اور ایسی اندھی ہو رہی تھی کہ شادی کے بعد بھی اس سے ملنے کہیں گئی ہوئی تھی اور شوہر اس دھوکے میں تھا کہ وہ آفس گئی ہوئی ہے۔

فرمان کے دل و دماغ میں پھر شبہ پیدا ہوا۔ کیا اسماء بھی اپنے پرانے عاشق کو اسی طرح چاہتی ہوگی؟ کیا وہ اسے دھوکہ دیتی ہوگی؟ کیا اس سے چھپ کر ملاقات کرتی ہوگی؟

ایسے کئی سوالات اس کے دماغ میں گردش کر رہے تھے۔ آدھے گھنٹے کے بعد لیڈی سیکرٹری ایک ڈسچارج لیٹر لکھ کر اس کے دفتر میں آئی پھر اس کے سامنے پیش کرتے ہوئے بولی۔ ”سر! ہو سکے تو ثمینہ کو معاف کر دیں۔“

اس نے پوچھا۔ ”تم اس کے لئے کس بات کی معافی چاہتی ہو؟ کیا اس لئے کہ اس نے خواہ مخواہ دفتر سے چھٹی لی اور کسی عاشق سے ملنے گئی یا اس لئے معاف کر دوں کہ وہ اپنے شوہر کو دھوکہ دے کر اپنے کسی یار سے ملنے گئی ہے؟“

”سر! وہ اپنے دفتری کام سرانجام دینے میں بڑی مستعد رہتی ہے اور بڑی خوش اسلوبی سے ہر کام انجام دیتی ہے۔ اس نے آج تک کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔“

”چونکہ اس نے مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا‘ اس لئے ایک گناہ گار عورت کو معاف کر دیا جائے؟ کیا تم بھی اپنے شوہر کو اسی طرح دھوکہ دیتی ہو؟“

وہ ایک دم سے چونک گئی پھر تن کر بولی۔ ”سر! آپ میری توہین کر رہے ہیں۔ ثمینہ یہاں ایک بہت اچھی ریکارڈ کیپر ہے۔ اس لئے میں نے اس کی حمایت کی ہے۔ آپ مجھے غلط نہ سمجھیں‘ پلیز۔“

”اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں غلط نہ سمجھوں تو پھر غلط عورت کی حمایت میں نہ بولو۔“

اس نے سر جھکا لیا۔ فرمان نے اس کاغذ پر دستخط کئے پھر اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ ”جاؤ۔ یہ لیٹر اس بدچلن عورت کے منہ پر مارو جو اپنے شوہر کے اعتماد کو دھوکہ دے رہی ہے۔“

وہ اس کاغذ کو اٹھا کر سر جھکائے بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی دفتر سے باہر چلی گئی۔ اس کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ ثمینہ کو ملازمت سے نکالنے کی وجہ سے اسے دکھ پہنچ رہا ہے۔

ادھر یہ دکھ فرمان کے اندر شدت اختیار کر رہا تھا کہ بیویاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اپنے شوہروں کو دھوکہ دیتی رہتی ہیں اور چھپ کر اپنے یار سے ملتی رہتی ہیں۔

اس نے کئی بار سامنے رکھی ہوئی فائل کو پڑھنے کی کوشش کی لیکن اس کا ذہن بھٹکتا رہا۔ بار بار وہ اسماء کے بارے میں سوچتا رہا اور اپنے دل کو سمجھاتا رہا کہ نہیں میری اسماء بہت حیا والی ہے۔ وہ ایسی بدچلن نہیں ہو سکتی۔ وہ میرے اعتماد کو کبھی دھوکہ نہیں دے گی۔

وہ اپنے دل کو سمجھا رہا تھا کہ لیکن جو لوگ شکی مزاج کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اچھی طرح سمجھا نہیں پاتے۔ وہ اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر جانے آنے لگا۔ ایسے وقت انٹرکام کا بزر سنائی دیا۔ اس نے ایک بٹن کو دبا کر پوچھا۔ ”ہیلو! کیا بات ہے؟“

دوسری طرف سے لیڈی سیکرٹری نے کہا۔ ”سر! ثمینہ کا فون ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔“

”میں بات نہیں کرنا چاہتا۔“

”پلیز سر! میری ایک بات مان لیں۔ آپ تو اس کی چھٹی کر رہے ہیں۔ آخری بار اس سے بات کرنے میں کیا حرج ہے؟ آپ کم از کم اسے باتیں سنانے کے لئے بات کر لیں۔“

وہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولا۔ ”ٹھیک ہے‘ بات کراؤ۔“

اس نے بٹن دبا کر آف کیا۔ دوسری طرف فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریوالونگ چیئر پر بیٹھ کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”ہیلو! کیا بات ہے؟“

"سر! آپ کا غصہ حق بجانب ہے لیکن میں اپنی صفائی میں کچھ کہوں گی تو آپ کو کبھی یقین نہیں آئے گا۔ بے شک میں نے اپنے شوہر کو دھوکہ دیا ہے' صرف اس لئے کہ وہ ذرا سے شکی مزاج ہیں۔ آپ یقین کریں کہ میں بدچلن نہیں ہوں۔ گناہ گار نہیں ہوں۔ شادی سے پہلے جمی میرا کلاس فیلو تھا۔ ہم ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔ میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ میں اس سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی اور اسی سے شادی کرنا چاہتی تھی۔"

فرمان نے ناگواری سے کہا۔ "جب تم اسے اتنی شدت کے ساتھ چاہتی تھیں تو پھر اپنی صفائی کیوں پیش کر رہی ہو؟"

"پلیز' آپ میری پوری باتیں سن لیں۔ میرے ڈیڈی کا اچانک انتقال ہو گیا تھا۔ ہم بہت قرضوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایسے وقت میں میرے موجودہ شوہر ضیاء الدین نے ہماری مدد کی۔ اچھی خاصی رقم دے کر ہمارا قرض اتارا اور اس کے بدلے میرا ہاتھ مانگا تو مجبوراً مجھے ان سے شادی کرنا پڑی۔"

وہ ذرا توقف سے بولی۔ "ضیاء الدین صاحب کوئی زیادہ دولت مند نہیں ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ شادی کے بعد مجھے ملازمت کرنے کا موقع دیں گے۔ اس طرح مجھے آپ کے ہاں ملازمت مل گئی اور میں یہاں کام کرنے لگی۔ پانچ برس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ جمی لندن سے واپس آ گیا ہے۔ شادی کر چکا ہے اور اپنی دلہن کو ساتھ لایا ہے۔ اس نے مجھ سے فون پر رابطہ کیا تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں اس سے اور اس کی دلہن سے ملنے ضرور آؤں گی۔

"میں نے جمی کا موجودہ فون نمبر آپ کی سیکرٹری کے پاس نوٹ کروا دیا ہے۔ آپ اس فون نمبر کے ذریعے جمی سے تصدیق کر سکتے ہیں کہ میں نے اس سے تنہائی میں ملاقات نہیں کی ہے بلکہ اس کی بیوی بھی وہاں موجود تھی۔"

"تم اپنی صفائی میں جو کچھ بھی کہہ لو' میں صرف ایک ہی سوال کروں گا کہ تم نے اپنے شوہر کو اعتماد میں کیوں نہیں لیا؟ اسے دھوکہ دے کر کیوں گئیں؟ اسے یہ کیوں کہا کہ تم ڈیوٹی پر ہو؟ اس طرح تم مجھے اور میرے آفس کو بھی بدنام کر رہی ہو اور تم نے آج کی چھٹی کی جو درخواست دی' اس میں جھوٹ لکھا کہ تمہارے شوہر کی طبیعت ناساز ہے'

اس لئے نہیں آ سکو گی۔ یہ سارا جھوٹ' سارا فراڈ کس کھاتے میں ڈالا جائے؟"

"میں اپنی پارسائی بیان کر چکی ہوں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا کی ہر عورت بدچلن ہوتی ہے اور بیویوں پر یوں اندھے ہو کر شبہ نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ایک لڑکی کالج لائف میں کسی سے محبت کرتی ہے اور بعد میں اس کی شادی دوسری جگہ ہو جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے اعتماد کو دھوکہ دے رہی ہے۔ اس کی نیکی پارسائی اور وفاداری یہی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ساری زندگی گزار دیتی ہے۔ اس کے بعد اپنے کسی بوائے فرینڈ کا تصور بھی نہیں کرتی۔ میں نے جمی سے صرف اس لئے ملاقات کی کہ میرے کبھی اس سے اچھے تعلقات تھے اور اس کی بیوی بھی مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔"

"تم جو کچھ بھی کہو' میرا وہی ایک سوال ہے کہ تم نے آج کی چھٹی کے لئے جھوٹی درخواست کیوں دی؟ تم نے اپنے شوہر کو بیمار کیوں کہا؟ ہمیں بھی دھوکہ دیا اور دفتر سے غیر حاضر رہیں۔ کیا یہ الزام کافی نہیں ہے؟"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ رابطہ ختم کر دیا۔ ثمینہ کی باتیں اور اس کی آواز سن کر وہ اور زیادہ بھڑک گیا تھا۔ یہ بات بھی ماننے کو تیار نہیں تھا کہ شوہر کے اعتماد کو دھوکہ دے کر جانے والی بدچلن نہیں ہے اور اس نے اپنے بوائے فرینڈ جمی سے تنہائی میں ملاقات نہیں کی ہو گی اور اپنا منہ کالا نہیں کیا ہو گا۔

ایسا تو دیکھنے میں آتا ہی رہتا ہے کہ جب گناہ گار پکڑا جاتا ہے تو اپنی پارسائی جتانے کے لئے خدا اور رسول کی قسمیں کھانے لگتا ہے۔ جھوٹی قسم کھاتے وقت خدا سے بھی نہیں ڈرتا۔ ثمینہ کے بارے میں بھی یہی خیال تھا کہ وہ اپنی ملازمت بحال کرانے کے لئے جھوٹی باتیں کر رہی تھی اور اپنی پارسائی جتا رہی تھی۔

اس نے میز پر کھلی ہوئی فائل کو دیکھا پھر سوچا کہ اس طرح تو وہ اس اہم کام کی طرف توجہ نہیں دے سکے گا۔ خواہ مخواہ کی باتیں اس کے ذہن میں گردش کر رہی ہیں۔ منیجر اور مشیر کو بلانا ہی ہو گا۔ ان کی موجودگی میں ہی وہ کام پر توجہ دے سکے گا۔

اس نے یہی کیا۔ ان دونوں کو بلوایا' پھر ان کے ساتھ بیٹھ کر وہ فائل پڑھنے لگا اور اس سلسلے میں تفصیلی بحث کرنے لگا۔ اس طرح اس کا دھیان بٹ گیا۔ وہ شام پانچ بجے دفتر سے چلا جاتا تھا لیکن کام بہت زیادہ تھا۔ پھر دوسری صبح نو بجے کی فلائٹ سے ملتان بھی

جانا تھا۔ اس لئے وہ وہاں دیر تک بیٹھا رہا۔ جنرل منیجر اور مشیر کی موجودگی کے باعث اب اس کا دھیان نہیں بھٹک رہا تھا۔ اب وہ پوری طرح کام کی طرف توجہ دے رہا تھا۔

آٹھ بجے منیجر اور مشیر اس سے اجازت لے کر چلے گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو' میں فرمان بول رہا ہوں۔ فرمایئے؟"

دوسری طرف سے جمال اختر نے کہا۔ "میں کیا فرماؤں؟ چار برس پہلے آپ سے فون پر گفتگو کی تھی۔ آپ کو تو اب میری آواز اور لب و لہجہ بھی یاد نہیں رہا ہوگا اور وہ گفتگو بھی یاد نہیں رہی ہوگی۔"

"پلیز' آپ پہیلیاں نہ بجھائیں۔ یہ بتائیں آپ کون ہیں؟"

"خاکسار کو جواد ہاشمی کہتے ہیں۔"

یہ نام ایسا تھا کہ فرمان کے دماغ میں ایک دھماکہ سا ہوا۔ وہ ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ بول رہا تھا۔ "ایک آزاد پنچھی کو سونے کے پنجرے میں قید کر کے سمجھ رہے ہیں بڑا تیر مارا ہے اور اس کے عاشق سے اسے جدا کر دیا ہے۔ اب آپ کی یہ خوش فہمی ختم ہو جانی چاہئے۔"

وہ غصے سے بولا۔ "یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"میں ایک صاف اور سیدھی بات پوچھ رہا ہوں۔ اگر میں یہ ثابت کر دوں کہ اسماء میری دیوانی ہے' مجھ سے پیار کرتی ہے' تو کیا آپ اس کا پیچھا چھوڑ دیں گے؟ اسے میری زندگی میں آنے کا موقع دیں گے؟"

وہ تلملا کر بولا۔ "تم بہت ہی غیر اخلاقی گفتگو کر رہے ہو۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ جو تم کہہ رہے ہو' اسے سچ ثابت کر سکو گے؟"

"سانچ کو کیا آنچ! میں کل ہی صبح دس بجے یہ ثابت کر دوں گا۔"

"کس طرح ثابت کرو گے؟"

"پہلے تو آپ میری معلومات کی داد دیں۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ کل صبح نو بجے کی فلائٹ سے آپ ملتان جا رہے ہیں۔"

"یہ......... یہ تم کیسے جانتے ہو؟"

"ظاہر ہے کہ مجھے اسماء نے ہی بتایا ہوگا۔"

فرمان اپنے ہونٹ بھینچنے لگا۔ ادھر سے جواد ہاشمی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ "اسماء نے مجھ سے کہا ہے کہ تم کل صبح نو بجے یہاں سے ملتان کے لئے روانہ ہو جاؤ گے۔ پھر وہ ٹھیک دس بجے میرے پاس میرے کوارٹر میں ملنے آئے گی۔ میں آپ پر بھروسہ کر کے اپنے کوارٹر کا پتہ بھی لکھوا رہا ہوں۔ پلیز نوٹ کریں۔"

اس نے کوارٹر کا پتہ بتایا پھر کہا۔ "دیکھیں' آپ ایک شریف آدمی ہیں۔ اگر وہاں پہنچ کر آپ نے مجھے اسماء کے ساتھ دیکھا اور کوئی ہنگامہ کیا تو ہم تو چھوٹے لوگ ہیں۔ آپ بڑے آدمی ہیں۔ بے عزتی آپ کی ہوگی۔ آپ کے نام پر کیچڑ اچھالی جائے گی۔ لہٰذا آپ وہاں کوئی ہنگامہ نہیں کریں گے۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ اگر آپ ثبوت چاہتے ہیں تو کل تک خاموش رہیں۔ اسماء کو یہ بات نہ بتائیں ورنہ وہ مجھ سے ملنے نہیں آئے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ پردہ اٹھ جائے۔ سچ سامنے آئے اور اس کے دل سے آپ کا خوف مٹ جائے اور وہ آپ سے آزاد ہو جائے۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔ باقی کل ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔ فرمان نے ریسیور کو اپنے چہرے کے سامنے لا کر دیکھا پھر اسے مٹھی میں یوں سختی سے جکڑ لیا کہ جیسے اسماء کی گردن دبوچ رہا ہو۔ پھر اس نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ دیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر پھر ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ اس کے اندر جیسے پارہ بھر گیا تھا۔ وہ ایک جگہ ٹک نہیں سکتا تھا۔ کبھی اِدھر ہو رہا تھا' کبھی اُدھر ہو رہا تھا۔ کبھی بیٹھ رہا تھا' کبھی اٹھ رہا تھا۔ ایسے وقت سوچ رہا تھا کہ اپنے دوست جلال اکبر سے رابطہ کرنا چاہئے۔ ان دنوں جلال اکبر کا تبادلہ ہو چکا تھا اور وہ کراچی شہر میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔

اس نے فون کے ذریعے رابطہ کیا تو پتہ چلا کہ وہ شہر میں نہیں ہے' کسی کیس کے سلسلے میں حیدر آباد گیا ہوا ہے۔

وہ جھنجلا کر دفتر سے نکل آیا۔ کار ڈرائیو کر کے گھر کی طرف جانے لگا۔ اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ گھر جائے اور اسماء کی صورت دیکھے۔ اس پر شدید غصہ آ رہا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ غصے میں کچھ نہ کچھ بکے گا' الٹی سیدھی باتیں کرے گا تو اسماء سمجھ لے گی

کہ اسے اس پر شبہ ہو رہا ہے۔ پھر وہ دوسرے دن جواد ہاشمی سے ملنے نہیں جائے گی اور وہ اس طرح رنگے ہاتھوں پکڑی نہیں جائے گی لہٰذا اسے اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھنا ہوگا۔

اس نے کار کا رخ موڑ دیا۔ لانگ ڈرائیو کے لئے ہائی وے پر آ گیا۔ دھیمی رفتار سے ڈرائیو کرتا ہوا اپنے موجودہ حالات پر غور کرنے لگا۔ اپنے ذہن کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا۔ اپنے ذہن کو کنٹرول کرنا جانتا تھا۔ بزنس میں کوئی اونچ نیچ ہو یا نفع و نقصان ہو تو دلبرداشتہ نہیں ہوتا تھا۔ حالات اس کے مزاج کے خلاف بھی ہوں تو غصہ نہیں آتا تھا۔ اپنی ذہانت سے حالات پر قابو پالیا کرتا تھا۔

وہ آدھی رات کو کوٹھی میں آیا تو دماغ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور وہ اپنے آپ کو کنٹرول کر رہا تھا۔ اسماء کو دیکھ کر فوراً مسکرایا لیکن اس کی اس مسکراہٹ میں طنز چھپا ہوا تھا۔ وہ بے چاری اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "آپ نے اتنی دیر کر دی؟ جلدی جائیں' فریش ہو کر آئیں۔ میں کھانا گرم کرتی ہوں۔"

"میں کھا چکا ہوں اور بہت تھکا ہوا ہوں۔ اب سونا چاہتا ہوں۔ پلیز مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔"

اس نے بیڈ روم میں آ کر لباس تبدیل کیا پھر بیڈ پر آیا۔ وہ بستر کے سرے پر بیٹھ گئی۔ اس کے پاؤں دبانے لگی۔ اس نے کہا۔ "کیا کرتی ہو؟ اپنی یہ خدمت گزاری رہنے دو۔ مجھے پسند نہیں ہے۔"

اس کے لہجے میں کڑواہٹ آ گئی تھی۔ اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالا پھر کہنے لگا۔ "میرا مطلب ہے کہ میں بہت پریشان ہوں۔ کل ملتان سے واپس آؤں گا تو شاید پریشانی دور ہو جائے۔ حالات قابو میں آ جائیں گے۔"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"پلیز اسماء! میں ابھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ جاؤ' سو جاؤ۔ مجھے بالکل تنہا چھوڑ دو۔"

وہ پریشان ہو گئی۔ اس سے جواد ہاشمی کے سلسلے میں بات کرنا چاہتی تھی۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ شوہر کو دھوکہ دے کر اس سے ملاقات کرنے جائے لیکن فرمان اس کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ تھکن اور بیزاری ظاہر کر رہا تھا۔ وہ بیڈ سے اتر کر

بولی۔ "اچھی بات ہے۔ آپ آرام سے سو جائیں۔ میں صبح بات کروں گی۔"

یہ بات کر کے وہ سوئچ بورڈ کی طرف آئی۔ پھر اس نے لائٹ کا سوئچ آف کر کے کمرے میں اندھیرا کر دیا پھر زیرو پاور کے بلب کو روشن کر دیا اور وہاں سے چلی گئی۔

فرمان اس رات کروٹیں بدلتا رہا۔ کبھی سوچتا رہا' کبھی سوتا رہا' کبھی جاگتا رہا۔ صبح ہوئی تو پتہ نہ چلا کہ وہ سو رہا تھا یا گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بات دل و دماغ کو تکلیف پہنچا رہی ہو تو ایسی حالت میں نیند نہیں آتی اور اگر نیند کا غلبہ ہو تو پتہ نہیں چلتا ہے کہ بندہ سو رہا ہے یا نیند کی حالت میں بھی پریشانیاں اسے جگا رہی ہیں اور اسے سوچتے رہنے پر مجبور کر رہی ہیں۔

بہرحال وہ صبح چھ بجے اٹھ کر غسل کرنے گیا۔ شیو وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا تو اسماء انتظار کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی بولی۔ "میں ابھی ناشتہ لا رہی ہوں۔"

وہ چلی گئی تو وہ سوچنے لگا۔ "ناشتہ کرنے کے دوران میں یہ بولتی رہے گی اور مجھے زہر لگتی رہے گی۔ میں نہ تو اس کی صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔ نہ اس کی آواز سننا چاہتا ہوں۔ اس سے کسی طرح بس ایک آدھ گھنٹے تک اور کترانا ہے۔ یہ میرے ساتھ ائرپورٹ ضرور جائے گی کیونکہ میں کار لے کر جاؤں گا اور یہ کار کو واپس لے کر آئے گی۔"

وہ ایک ٹرالی میں ناشتہ لے آئی۔ اس سے پہلے ہی فرمان فائل اٹھا کر فون کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ وہ بولی۔ "پہلے ناشتہ کر لیں۔"

"میں ناشتہ بھی کرتا رہوں گا اور کام بھی کرتا رہوں گا۔ مجھے بہت ضروری فون کرنے ہیں اور اس فائل کی بھی سٹڈی ضروری ہے۔"

وہ ناشتہ کرنے کے دوران میں فائل کو پڑھتا رہا جبکہ پڑھنا کوئی ضروری نہیں تھا۔ دھیان بھی فائل کی طرف نہیں تھا۔ بس وہ کسی طرح سے اسے ٹال رہا تھا۔ وہ پریشان ہو کر اسے دیکھ رہی تھی پھر بولی۔ "میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کہنا چاہتی ہوں۔ مگر آپ تو بے حد مصروف ہیں۔"

"ایسی بھی کیا ضروری بات ہے؟ میں واپس آ جاؤں گا تو خوب باتیں کر لینا۔ ابھی تو مجھے کام کرنے دو۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنا کام چھوڑ دیں؟"

"دیکھو، تم تعلیم یافتہ ہو۔ اچھی طرح سمجھتی ہو کہ بزنس کے معاملات میں کتنا مستعد رہنا پڑتا ہے۔ ایک ذرا سی غفلت سے لاکھوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ کیا تم مجھے نقصان میں ڈالنا چاہتی ہو؟"

اس نے سر جھکا لیا۔ فرمان نے اپنی مصروفیت ظاہر کرنے کے لئے فون کے ذریعے جلال اکبر سے رابطہ کرنا چاہا۔ یوں بھی وہ اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن پتہ چلا کہ وہ اب تک حیدر آباد سے واپس نہیں آیا ہے۔

لیکن فرمان نے اسماء پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ فون پر جلال اکبر سے رابطہ نہیں ہوا ہے۔ وہ خواہ مخواہ فون پر الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔ قہقہے لگانے لگا۔ وہ دونوں دوست ایک دوسرے سے بے تکلف تھے۔ وہ بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتا رہا اور یہ تاثر دیتا رہا کہ یہ باتیں بھی کاروبار سے ہی تعلق رکھتی ہیں اور وہ اسی لئے جلال اکبر کو ملتان بلا رہا ہے تاکہ دونوں دوستوں کی وہاں ملاقات ہو جائے اور وہ اس سے اپنے مسئلے پر باتیں کر سکے۔

فرمان اسی طرح وقت گزارتا رہا۔ ناشتہ کر کے فائل کو بند کیا پھر اسے ایک بریف کیس میں رکھا۔ اسماء نے کہا۔ "میں نے آپ کے سفری بیگ میں تمام ضروری سامان رکھ دیا ہے۔ ایک جوڑا لباس کا بھی ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔ رات تک واپس آ جاؤں گا۔ یہ بریف کیس ضروری ہے، اسے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

وہ دونوں باہر آ کر کار میں بیٹھ گئے۔ فرمان کار ڈرائیو کرتا ہوا ائیرپورٹ کی طرف جانے لگا۔ اسماء اندر ہی اندر بہت پریشان تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ فرمان بہت ہی شکی ہے اور شادی سے پہلے اس کے کردار پر شک کرتا تھا۔ اس کے بارے میں اس نے انکوائری بھی کی تھی۔ پھر مطمئن ہونے کے بعد اس سے شادی کی تھی۔

یہ بات کسی نے اسماء کو نہیں بتائی تھی۔ اب سے ایک ہفتے پہلے اسماء نے کسی ضرورت سے فرمان کی وہ الماری کھولی جس میں اس کے ضروری کاغذات اور فائلز، دستاویزات اور جائیداد کے ضروری کاغذات رکھے رہتے تھے۔ چونکہ اس الماری سے اسماء

کو کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس لئے وہ کبھی اسے کھول کر نہیں دیکھتی تھی لیکن فرمان اسے کہہ گیا تھا کہ اس کی پسندیدہ نیوی بلیو کلر ٹائی نہیں مل رہی ہے۔ اسے تلاش کر کے رکھے۔

اس نے پہلے کپڑوں والی الماری میں اسے تلاش کیا۔ پھر سوچا کہ شاید فرمان نے بھول سے اسے دوسری الماری میں رکھا ہو۔ اس نے دوسری الماری کو کھول کر دیکھا۔ وہاں بھی کچھ کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان ہی وہ ٹائی مل گئی۔ ایسے ہی وقت اس کی نظر فائلوں کے نیچے دبی ہوئی ایک ڈائری پر گئی۔ وہ اس ڈائری کو ہزاروں لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ وہ ڈائری شادی سے پہلے گم ہو گئی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فائلوں کے نیچے سے اس ڈائری کو نکال کر دیکھا تو واقعی وہ اسی کی ڈائری تھی۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ حیرانی سے سوچنے لگی۔ "یہ فرمان کے پاس کیسے آئی؟ کیا شادی سے پہلے فرمان نے اس کی ڈائری چوری کی تھی؟" اس کے اندر وہ خط بھی رکھا ہوا تھا۔

وہ اس خط اور ڈائری کو لے کر بڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اس نے الماری کو بند کر دیا۔ یہ سوچ کر دل کو صدمہ پہنچ رہا تھا کہ فرمان اس پر شبہ کرتا رہا اور اس کی ڈائری چرا کر پڑھتا رہا لیکن اس نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ یہ بات اس سے چھپاتا رہا۔ پتہ نہیں کیوں اس ڈائری اور خط کو بھی چھپاتا رہا تھا۔ اس سے کیا حاصل کرنا چاہتا تھا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں آ کر اس ڈائری کو دیکھ کر سوچنے لگی۔ عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ فرمان نے شادی سے پہلے وہ ڈائری کیسے چرائی ہوگی؟ یا کس کے ذریعے حاصل کی ہوگی؟ اس نے ایسی بے اعتمادی والی حرکت کیوں کی؟

اگر اسے شبہ تھا تو صاف طور سے وہ اس سے گفتگو کر سکتا تھا۔ اس سے پوچھ گچھ کر سکتا تھا۔ کسی کے خط اور ڈائری چرا کر پڑھنا یوں بھی غیر اخلاقی حرکت تھی۔

اس کے دل میں آیا کہ فرمان دفتر سے آئیں گے تو ان سے اس بارے میں سوالات کرے گی۔ پھر اس کی انا نے کہا کہ کیا ضرورت ہے سوال کرنے کی؟ جب وہ مجھے آوارہ بدچلن سمجھتے ہیں یا میرے کردار پر شبہ کرتے ہیں، میری ڈائری کو چھپا کر رکھتے ہیں اور مجھ

سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرتے ہیں تو پھر میں کیوں ان سے بات کروں؟

اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور اپنی توہین کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ وہ ڈائری اور خط لے کر چولہے کے پاس گئی۔ پھر چولہے کو آن کر کے اس کے ایک ایک ورق کو جلانے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ بات تکلیف پہنچا رہی تھی کہ جس شوہر سے اتنی محبت کرتی ہے' اسے دل و جان سے چاہتی تھی' وہ اس پر شبہ کرتا ہے' اور شبہ کرے یا نہ کرے' اس نے ڈائری اور خط چھپا کر کیوں رکھے تھے؟ کیوں اس پر اب بھی بھروسہ نہیں کر رہا تھا؟ کیوں اس سلسلے میں اس سے باتیں نہیں کر رہا تھا؟ یہ ایسی باتیں تھیں جو سراسر توہین آمیز تھیں۔

اس نے ڈائری اور خط کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اس بات کا اطمینان تھا کہ فرمان اس سلسلے میں اس سے کوئی بات نہیں کرے گا' اور یہ ہی ہوا۔ کتنے ہی دن گزر گئے۔ فرمان نے شاید وہ ڈائری اور خط نہیں دیکھا تھا یا دیکھنے کے بعد سوچتا رہ گیا ہوگا کہ یہ اس کی الماری سے کیسے غائب ہو گئی؟ اور وہ یہ بات اسماء سے پوچھ نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کا مجرم تھا۔ اس کی چیزیں چرا کر اپنے پاس چھپا کر رکھی ہوئی تھیں۔

پچھلی رات جواد ہاشمی کا فون سننے کے بعد وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ اس سے ملنا چاہئے یا نہیں؟ ملنے کے لئے بھی دل مچل رہا تھا۔ اس سے کوئی عشق نہیں تھا لیکن ایک طرح کا لگاؤ تھا۔ وہ اس کی قدر کرتی تھی اور ایک شاعر کی حیثیت سے اس کی بہت عزت کرتی تھی۔ ایسے وقت جبکہ وہ پردیس میں تھا' بالکل تنہا تھا اور بیمار بھی تھا' کوئی اسے دیکھنے اور علاج کرانے والا نہیں تھا۔

ایسے میں اس نے انسانی ہمدردی سے بھی سوچا کہ اس سے ایک بار ضرور ملنا چاہئے لیکن اس نے یہ بھی سوچا کہ شوہر کو اپنے اعتماد میں لینا چاہئے۔ جواد ہاشمی کے سلسلے میں فرمان اس پر شبہ کر چکا ہے۔ اگر وہ جواد ہاشمی کی تنہائی دکھ بیماری کا ذکر کرے گی تو شاید وہ اسے اس سے ملنے کی اجازت دے دے گا اور اگر وہ نہیں دے گا تو مجبور ہو جائے گی اور نہیں جائے گی۔ وہ پچھلی رات سے کوشش کر رہی تھی کہ اس سلسلے میں بات کرے۔

اس سلسلے میں یہ جھجک بھی تھی کہ جواد ہاشمی کا نام سن کر وہ بھڑک جائے گا کیونکہ وہ اسے اس کا پرانا عاشق سمجھتا ہے۔ وہ اچانک ہی اس کے بارے میں بات نہیں کر سکتی

تھی۔ کچھ تمہید باندھنے کے بعد ہی جواد ہاشمی کا ذکر کرنا چاہتی تھی لیکن فرمان اپنے طور پر کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اس سے کترا رہا تھا۔ اسے کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔

وہ ائرپورٹ پہنچے تو فلائٹ کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ کار سے اتر کر بولا۔ "تم گاڑی لے جاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔"

"میں ایسے نہیں جاؤں گی۔ آپ کو جاتے ہوئے دیکھوں گی۔ جب آپ اندر چلے جائیں گے تو میں یہاں سے جاؤں گی۔"

یہ تو رشتے داروں کو رخصت کرنے کا دستور ہی ہے کہ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتے اس وقت تک انہیں رخصت کرنے والے کھڑے رہتے ہیں اور محبت سے دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ بھی اسے محبت سے دیکھتے رہنا چاہتی تھی لیکن فرمان سمجھ رہا تھا کہ مکاری دکھا رہی ہے۔ اس کے جاتے ہی وہ اپنے عاشق کی طرف دوڑتی ہوئی جائے گی۔

اس نے بورڈنگ کارڈ لے کر پلٹ کر وزیٹر لابی میں کھڑی ہوئی اسماء کو دیکھ کر الوداعی انداز میں ہاتھ ہلایا تو اس نے بھی ہاتھ ہلایا۔ پھر وہ پلٹ کر اندر جانے لگا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اسماء وہاں سے پلٹ کر اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئی۔ اسے ڈرائیو کر کے وہاں سے جانے لگی۔

ادھر فرمان چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ جب وہ وزیٹر لابی سے چلی گئی تو وہ واپس آ گیا۔ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا۔ جہاں اس نے کار کھڑی کی تھی' اب وہاں نہیں تھی۔ اسماء وہاں سے جا چکی تھی۔ اس نے فوراً ہی ایک ٹیکسی کو روکا۔ اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اقبال ٹاؤن کی طرف چلو۔"

☆======☆======☆

اقبال ٹاؤن سے کچھ اور آگے چند پیچیدہ گلیوں کے بعد باری اسٹوڈیو کے پیچھے وہ کوارٹرز بنے ہوئے تھے۔ اسماء کار ڈرائیو کرتی ہوئی ایک کوارٹر کے سامنے آ کر رک گئی۔ کار سے اتر کر اس کے احاطے میں جا کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا تو جواد ہاشمی اسے دیکھتے ہی چونک گیا۔ خوشی سے کھل گیا' بولا۔ "اسماء تم! اتنی

صبح آئی ہو؟ آؤ اندر آؤ۔"

وہ کمرے کے اندر آئی۔ اس نے دروازہ بند کر دیا پھر کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم یہاں تک تنہا پہنچ سکو گی۔ باہر تمہاری کار کھڑی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تم کار بھی ڈرائیو کرنے لگی ہو۔"

وہ اندر آ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی کیونکہ وہ بیمار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "آپ تو بیمار تھے پھر اچانک تندرست کیسے ہو گئے؟"

وہ حیرانی سے بولا۔ "میں اور بیمار! یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

"آپ نے کل رات فون پر کہا تھا۔"

وہ حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے......... اور تمہیں فون کیا تھا؟"

"ہاں۔ کل رات تقریباً ساڑھے آٹھ بجے آپ نے مجھ سے فون پر باتیں کی تھیں۔ آپ حیران کیوں ہو رہے ہیں؟"

"کیا مجھے حیران نہیں ہونا چاہئے؟ جب کہ میں نے تم سے فون پر بات نہیں کی تھی۔ میں تو تمہارا فون نمبر بھی نہیں جانتا۔ تم کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو تو سہی۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "آپ نے مجھ سے بات نہیں کی۔ آپ میرا فون نمبر نہیں جانتے۔ میں کیا سمجھوں؟ کیا آپ جھوٹ بول رہے ہیں یا میرے کانوں نے دھوکہ کھایا ہے؟ میں تو آپ کی آواز ہزاروں لاکھوں میں پہچانتی ہوں اور اس وقت بھی میں وہی آواز اور لہجہ سن رہی ہوں۔"

"اسماء! تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو کہ میں نے پہلے کبھی تم سے کوئی جھوٹی بات نہیں کی۔ کبھی تمہیں دھوکہ نہیں دیا۔ پھر آج میں جھوٹ کیوں بولوں گا؟ کل آرٹ گیلری میں تمہاری ممی سے ملاقات ہوئی تھی۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر پوچھا۔ "ممی؟"

"ہاں، انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے، اور ماں بھی بن چکی ہو۔ بچے کو ساتھ کیوں نہیں لائیں؟"

"وہ آپا کے پاس ہے۔ میری ممی نے آپ کو میرا فون نمبر دیا ہو گا؟"

"یقین جانو، انہوں نے مجھے فون نمبر نہیں دیا۔ صرف اتنا کہا کہ وہ تمہیں میرے

بارے میں بتائیں گی کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں تو تم مجھ سے ملنے کے لئے یہاں ضرور آؤ گی، اور یہ دیکھو کہ تم آ گئی ہو۔"

"لیکن ممی نے نہ تو آپ کے بارے میں مجھے فون کیا اور نہ ہی کسی کے ذریعے خبر بھیجی۔ مجھے تو آپ نے فون پر بتایا تھا کہ آپ یہاں آ چکے ہیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہے اور بالکل تنہا ہیں۔ نہ کوئی اپنا ہے نہ پرایا ہے۔ آپ بے یار و مددگار اس کوارٹر میں پڑے ہوئے ہیں۔ میں بے چین ہو کر یہاں چلی آئی۔"

"تم بول رہی ہو اور میں حیران ہو کر سن رہا ہوں کہ میں نے جب فون نہیں کیا تو تمہیں دھوکہ کیوں ہو رہا ہے؟ کس نے فون کیا ہو گا؟ اور جس نے بھی فون کیا ہو گا تو وہ میری آواز اور لہجے میں بول رہا ہو گا؟"

"بالکل۔ آپ کی ہی آواز تھی۔ آپ ہی کا لہجہ تھا۔ میں دھوکہ نہیں کھا سکتی پھر دھوکہ کیسے کھا گئی؟"

جواد ہاشمی اس سے کچھ فاصلے پر دوسری کرسی پر بیٹھ گیا پھر بولا۔ "ذرا دم لو۔ آتے ہی خواہ مخواہ الجھ گئے ہیں۔ ذرا سوچتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا چائے پیو گی؟"

"نہیں۔ میں ابھی چائے پی کر آ رہی ہوں۔ یوں بھی یہ الجھن ایسی ہے کہ کچھ کھانے پینے کو جی نہیں چاہے گا۔"

"جب الجھن اور پریشانی ہو تو تھوڑی دیر کے لئے اسے بھول جانا چاہئے۔ ذہن کو پُرسکون رکھو۔ خیالات کو دوسری طرف بھٹکاؤ اور اِدھر اُدھر کی باتیں سوچتی رہو۔ فی الحال کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرو۔ یہ بتاؤ تمہاری ازدواجی زندگی کیسی گزر رہی ہے؟"

"میں بہت خوش نصیب ہوں۔ فرمان مجھے دل و جان سے چاہتے ہیں اور ہمارا ایک خوبصورت سا بیٹا بھی ہے۔"

"تعجب ہے۔ تمہاری ممی کہہ رہی تھیں کہ تمہارے میاں نے تمہاری زندگی عذاب بنا دی ہے۔ تم اپنی بدنصیبی پر روتی رہتی ہو۔"

وہ بولی۔ "تعجب ہے۔ ممی نے آپ سے ایسا کیوں کہا؟ انہیں جھوٹ بول کر کیا ملا ہو گا؟"

وہ بولا۔ "ایک بات ذہن میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ میری یہاں آمد کے بارے میں صرف تمہاری ممی کو ہی پتہ ہے اور وہی مجھ سے وعدہ کر کے گئی تھیں کہ تمہیں یہاں بھیج دیں گی اور تم یہاں آ گئی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہاری ممی نے ہی کسی کے ذریعے تمہیں اطلاع دی ہے اور وہ اطلاع دینے والا میری آواز اور لہجے میں بول رہا تھا۔"

اس نے پوچھا۔ "وہ کیوں اس طرح بول رہا تھا؟ اس طرح ڈرامہ پلے کرنے کی ضرورت کیا تھی؟"

"ایک اور بات سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ تمہاری ممی نہیں چاہتی ہوں گی کہ میری اور تمہاری ملاقات کا پتہ تمہارے میاں کو چلے اور دوسروں کو معلوم ہو اور اس سلسلے میں وہ بدنام ہو جائیں۔ انہوں نے اس ملاقات سے خود کو الگ تھلگ رکھنے کے لئے شاید کسی دوسرے کے ذریعے فون کروایا ہے۔"

"میں سب باتیں مانتی ہوں لیکن یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ اس بولنے والے نے آپ کی آواز اور لہجہ کیوں اختیار کیا تھا؟ آخر یہ کیا ڈرامہ بازی ہے؟"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ وہ بھی خاموش ہو گئی تھی۔ بڑی تیزی سے سوچ رہی تھی کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ پھر اس نے کہا۔ "مجھے ابھی جا کر ممی سے ملنا ہو گا' ان سے پوچھنا ہو گا کہ جب انہوں نے آپ سے ملاقات کی تھی تو پھر مجھے اطلاع کیوں نہیں دی تھی؟ اور مجھے اطلاع دینے والا وہ کون تھا جو آپ کی آواز میں بول رہا تھا؟"

جواد ہاشمی نے تائید میں سرہلایا پھر کہا۔ "بے شک' تمہیں اپنی ممی سے ملنا چاہئے۔ شاید ان کے ذریعے یہ گتھی سلجھ سکے۔"

اسماء سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ فرش کی طرف گھور کر دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔ اس کا ذہن سوتیلی ماں کی طرف بھٹک رہا تھا۔ پھر اسے اپنی ڈائری اور اپنا خط یاد آیا۔ اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "جواد صاحب! میری زندگی میں ایک اور ایسی بات ہوئی ہے جو بڑی عجیب سی ہے اور میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اور کیا بات ہوئی ہے' مجھے بتاؤ؟"

"آپ کو شاید یاد نہ ہو کہ چار برس پہلے آپ نے مجھے ایک خط لکھا تھا۔"

وہ بڑے جذبے سے بولا۔ "مجھے تم سے تعلق رکھنے والی ہر بات یاد ہے۔ میں کچھ

نہیں بھولا۔"

"میں نے وہ خط اپنی الماری کے سیف میں رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک ڈائری بھی تھی۔ اس ڈائری میں' میں نے اس دن کی بات لکھی تھی جس دن آپ نے مجھ سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور میں نے معذرت چاہی تھی اور آپ سے کہا تھا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔ آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔ آپ کے ساتھ اگر زندگی بھر یونہی رہنے کا موقع ملا تو رہ جاؤں گی لیکن شادی نہیں کروں گی۔"

"ہاں' مجھے تمہاری یہ باتیں یاد ہیں۔"

"میں نے یہ سب باتیں ایک ڈائری میں لکھی تھیں اور وہ ڈائری خط کے ساتھ میری شادی سے پہلے غائب ہو گئی۔ میں تلاش کرتی رہی لیکن وہ دونوں چیزیں نہیں ملیں۔ اب سے ایک ہفتہ پہلے میں نے وہی ڈائری اور خط اپنے شوہر کی الماری میں پایا۔"

وہ حیران ہو کر بولا۔ "اچھا! مگر فرمان صاحب کے پاس وہ چیزیں کیسے پہنچ گئیں؟"

"یہی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ شادی سے پہلے وہ ایک ہی بار رشتہ مانگنے کے لئے میرے گھر آئے تھے۔ اس کے بعد وہ ڈائری اور خط گم ہو گئے تھے۔ چار برس کے بعد وہ مجھے اپنے شوہر کی الماری میں ملی تو یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ وہ بہت شکی مزاج ہیں۔ انہوں نے میرے بارے میں انکوائری کرائی ہو گی۔ پھر مطمئن ہو کر رشتہ کیا ہو گا لیکن وہ ڈائری اور خط انہوں نے ابھی تک کیوں چھپا رکھا تھا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"وہ چیزیں کہاں ہیں؟"

"میں نے انہیں جلا ڈالا ہے۔ اب مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ان ساری باتوں کے پیچھے میری سوتیلی ماں کا ہاتھ ہے۔ انہوں نے وہ چیزیں چرا کر فرمان صاحب کے پاس پہنچائی ہوں گی۔"

"اگر تمہیں یہ شبہ ہے تو پھر مجھے یہ شبہ کرنا چاہئے کہ تمہاری ممی نے کسی ایسے شخص کے ذریعے فون کروایا ہے جو میری آواز اور لہجے میں بول سکتا ہے۔ وہ ایسی چالیں چل رہی ہیں کہ ان کے خلاف کوئی الزام ثابت نہ ہو سکے اور تم مفت میں بدنام ہو جاؤ۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے جواد ہاشمی کو دیکھنے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "شادی سے پہلے

انہوں نے تمہیں بدنام کرنے کی کوشش کی لیکن تمہاری شادی ہو گئی۔ چار برس کے بعد کل انہیں موقع ملا۔ مجھ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پھر بدنامی کا کوئی منصوبہ بنایا۔ تمہارے علم میں یہ بات لائیں کہ میں یہاں آگیا ہوں۔ یہی بات کسی دوسرے کے ذریعے تم تک پہنچائی اور پھر ایسے انداز میں کہ تم بے اختیار دوڑی چلی آؤ۔ یعنی میری بیماری کا ذکر کیا گیا۔ میری بے بسی اور کسمپرسی بیان کی گئی۔ ان باتوں نے تمہیں متاثر کیا اور تم یہاں چلی آئیں۔ اگر اس طرح بیان نہ کیا جاتا اور میری حالت ایسی غیر نہ بتائی جاتی تو شاید تم نہ آتیں۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔ میں فون پر ہی کوئی بہانہ کر دیتی یا اپنی مجبوری بیان کرتی۔ آپ یقین کریں کہ میں اپنے شوہر کی لاعلمی میں یہاں آئی ہوں اور اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی ہوں۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے لیکن میں مجبور ہو گئی۔ مجھے اتنا موقع نہیں ملا کہ فرمان سے آپ کے بارے میں کوئی بات کرتی' آپ کا ذکر کرتی۔ آپ کی پریشانی اور بیماری کے بارے میں کچھ بتاتی لیکن کل رات سے اب تک فرمان اتنے مصروف رہے کہ مجھ سے بات تک نہ کر سکے۔ میں نے کئی بار کوشش کی لیکن انہیں مصروف دیکھ کر چپ رہی۔ اب میں سوچ رہی ہوں کہ یہ اچھا نہیں ہوا۔ مجھے ان سے اجازت لے کر یہاں آنا چاہئے تھا۔ میں ایک دن اور صبر کر لیتی۔ آج رات وہ آتے تو میں ان سے آپ کے بارے میں باتیں کرتی پھر کل آپ سے ملنے آتی لیکن.........."

وہ پریشان ہو کر جواد ہاشمی کو دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "تم اچانک اتنی پریشان کیوں ہو گئی ہو؟"

"پتہ نہیں کیا بات ہے؟ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ممی کوئی گڑبڑ کر رہی ہیں۔ مجھے یہاں سے جانا چاہئے۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ جواد ہاشمی نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ "ارے' یوں اچانک جا رہی ہو۔ تھوڑی دیر بیٹھو۔ ہم نے تو کوئی بات ہی نہیں کی۔"

"میں بھی آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن میں کیا بتاؤں' اچانک ہی میرا دل گھبرانے لگا ہے۔ خدا کو منظور ہوا تو میں فرمان سے اجازت لے کر کل آپ سے ملنے آؤں گی بلکہ فرمان کو بھی ساتھ لاؤں گی۔ مجھے افسوس ہے اچانک آئی ہوں اور اچانک جا

رہی ہوں۔"

وہ چلتی ہوئی دروازے کے پاس آئی پھر اسے کھول کر اپنی کار کی طرف جانے لگی۔ جواد ہاشمی بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "مجھے اپنا فون نمبر تو بتا دو؟"

"میں فون نمبر بھی بتاؤں گی' ایڈریس بھی بتاؤں گی بلکہ کل فرمان کے ساتھ آؤں گی تو آپ کو گھر آنے کی دعوت بھی دوں گی۔"

وہ کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جواد ہاشمی نے کہا۔ "اپنی ممی سے ضرور ملاقات کرنا اور اس سلسلے میں بات بھی کرنا۔ پھر وہ جو کہیں گی اور جو نتائج سامنے آئیں گے' ان سے مجھے ضرور آگاہ کرنا۔ میں بے چینی سے انتظار کروں گا۔"

اس نے آئندہ رابطہ کرنے کا وعدہ کیا پھر کار اسٹارٹ کر کے وہاں سے چل پڑی۔

☆======☆======☆

اسے اپنی سوتیلی ماں پر شبہ تھا کہ وہ کوئی گڑبڑ کر رہی ہے لیکن کیوں گڑبڑ کر رہی ہے اور کیسے کر رہی ہے؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کیونکہ کوئی شخص جواد ہاشمی کے لہجے اور آواز میں بول رہا تھا۔ وہ ایسے کیوں بول رہا تھا' اس کا مقصد کیا تھا؟

وہ اسی معمے کو حل کرنے کے لئے اپنے میکے پہنچ گئی۔ جمعہ کا دن تھا۔ اس کے ڈیڈی بھی گھر میں موجود تھے۔ بیٹی کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ ثریا نے بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ بیٹی! تم اچانک ہی آ گئیں۔ ہم تو سوچ رہے تھے کہ آج شام تم سے ملنے جائیں گے۔"

وہ اپنے باپ کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔ "ممی! کل آپ نے جواد ہاشمی سے ملاقات کی تھی؟"

وہ بولی۔ "ہاں ملاقات کی تھی اور میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بارے میں تمہیں بتاؤں گی۔ شاید تم اسے ملنا چاہو گی۔"

"تو پھر آپ نے مجھے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟"

"میں یہی بتانے تو آج شام تمہارے پاس جانے والی تھی۔ اس کا ذکر میں نے تمہارے ڈیڈی سے بھی کیا ہے۔ پوچھ' لو تمہارے پاس بیٹھے ہیں۔"

اس کے ڈیڈی نے تائید کی۔ "ہاں بیٹی! ابھی یہ جواد ہاشمی کا ذکر کر رہی تھیں اور

تمہارے پاس جانے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ باپ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے' تم پریشان لگ رہی ہو؟"

"کیا بتاؤں ڈیڈی! میرے ساتھ کچھ ایسے واقعات اور باتیں ہو رہی ہیں جن کی کوئی تک نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

"آخر کیا ہو رہا ہے' کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ؟"

"آپ کو یاد ہوگا کہ چار برس پہلے میری ڈائری اور ایک خط گم ہو گیا تھا؟"

اس کے باپ نے کچھ دیر سوچا پھر کہا۔ "ہاں' مجھے یاد آ رہا ہے۔ ایسا کچھ ہوا تھا۔ تمہاری ڈائری گم ہو گئی تھی۔ تو کیا ہوا؟ ابھی اس کا ذکر کیوں کر رہی ہو؟"

"وہ ڈائری مجھے چار برس کے بعد اپنے شوہر کی الماری میں سے ملی۔ آپ بتائیں کہ میری وہ چیزیں ان کے پاس کیسے پہنچ گئیں؟ اور میری سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ انہوں نے اس کے متعلق کوئی سوال بھی نہیں کیا اور اسے مجھ سے چھپا کر رکھا' کیوں چھپا کر رکھا؟ یہ سوچ کر میں پریشان ہو رہی ہوں۔"

اس کی ممی نے انجان بن کر پوچھا۔ "اس ڈائری میں ایسی کیا بات تھی جو تم اتنی پریشان ہو رہی ہو؟"

"بات تو کچھ بھی نہیں تھی لیکن یہ شوہر حضرات شک و شبہے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔ بات کچھ ہوتی ہے' سمجھتے کچھ ہیں۔ ان کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

اس کے ڈیڈی نے کہا۔ "اگر تمہاری ڈائری میں کوئی قابل اعتراض بات ہوتی تو فرمان میاں ضرور تمہارا محاسبہ کرتے اور تمہارے خلاف کچھ بولتے۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جب ہی انہوں نے تم سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ خاموش رہے ہیں۔ پھر تم پریشان کیوں ہو رہی ہو؟"

"اس سے بھی زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ کل رات کسی نے مجھے جواد ہاشمی کی آواز میں فون کیا تھا اور مجھے بتایا تھا کہ وہ فلاں جگہ رہتے ہیں اور وہ بہت سخت بیمار ہیں اور مجھے ان سے ملنا چاہئے۔ میں انسانی ہمدردی کے تحت ان سے ملنے گئی تو پتہ چلا کہ وہ

بیمار نہیں ہیں۔ اچھے خاصے تندرست ہیں اور انہوں نے مجھے فون نہیں کیا تھا۔"

ثریا بیگم نے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے' جب اس نے فون نہیں کیا تھا تو پھر تم نے اس کی آواز کیسے فون پر سنی؟"

"یہی بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے اور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ جواد صاحب کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔"

اس کے ڈیڈی نے کہا۔ "یہ بات تو بالکل ہی ناقابل فہم ہے کہ کسی نے جواد ہاشمی کی آواز میں تم سے فون پر بات کی اور تم اسے جواد سمجھتی رہیں جبکہ جواد انکار کر رہا ہے۔ پھر وہ کون ہو سکتا ہے جس نے فون کیا؟ اور فون کرنے سے اسے کیا فائدہ حاصل ہوا؟ وہ کیا چاہتا تھا؟ اس نے تمہیں جواد ہاشمی کے پاس کیوں بھیجا؟ اور تم کیوں چلی گئیں؟ اور تمہارے وہاں جانے سے اسے کیا فائدہ حاصل ہو رہا ہے؟"

ثریا نے پوچھا۔ "کیا تم جواد ہاشمی سے مل کر آ رہی ہو؟"

"جی ہاں۔ ابھی وہیں سے آ رہی ہوں۔ آپ سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ کل آپ ان سے ملیں اور مجھے ابھی تک خبر نہیں' اس کے برعکس کسی اجنبی کے ذریعے مجھے خبر ملی جو سراسر فراڈ ہے۔"

ثریا دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔ اس نے بظاہر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں ابھی گھر جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فراڈ پھر تمہیں فون کرے۔ اس سے باتوں ہی باتوں میں اس کا فون نمبر اور پتہ ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔"

پھر ثریا نے ایک ذرا توقف سے پوچھا۔ "کیا فرمان میاں کو معلوم ہے کہ تم جواد ہاشمی سے ملنے گئی ہو؟"

"وہ نہیں جانتے ہیں اور نہ ہی وہ یہاں ہیں۔ ملتان گئے ہوئے ہیں۔ رات کو یا کل صبح تک واپس آئیں گے۔"

باپ نے کہا۔ "پھر تو آج تم یہاں رہ جاؤ۔"

"نہیں ڈیڈی! مجھے ابھی گھر جانا ہے۔ وہاں سے بیوٹی پارلر کا سامان لے کر اپنے تینوں پارلرز میں جاؤں گی۔ جمعہ کے دن بھی بڑے کام نمٹانے ہوتے ہیں بلکہ آج کے دن زیادہ کسٹمرز خواتین آتی ہیں۔"

وہ جانے کے لئے اٹھ گئی۔ ثریا نے کہا۔ "ابھی تو آئی ہو' کچھ کھا پی کر تو جاؤ۔"

"نہیں ممی! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور پریشانی ہو تو کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔"

وہ ان سے رخصت ہو کر باہر آئی۔ کار میں بیٹھ کر گھر کی طرف جانے لگی۔ جب وہ کوٹھی کے احاطے میں پہنچی۔ پورچ میں آ کر کار سے اتری تو ملازم نے کہا۔ "میڈم! صاحب آئے ہوئے ہیں۔ آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ حیران ہو کر بولی۔ "کیا وہ ملتان نہیں گئے؟"

ملازم نے لاعلمی ظاہر کی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ وہاں سے گزرتی ہوئی اپنے بیڈ روم میں آئی تو فرمان وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی گھور کر بولا۔

"کہاں گئی تھیں؟"

اس کا لہجہ اور تیور ایسے تھے کہ اسماء چونک گئی۔ دماغ نے خطرے کی گھنٹی بجائی۔ وہ بولی۔ "میں ابھی ممی ڈیڈی کے پاس سے آ رہی ہوں۔"

"کیا صرف اپنے میکے گئی تھیں؟"

"آپ اس انداز میں سوالات کیوں کر رہے ہیں؟"

وہ ایک دم سے اٹھ کر گرجتے ہوئے بولا۔ "بکواس مت کرو۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تم سے ایک بھی سوال کیا جائے۔ تمہیں تو دھکے مار کر گھر سے نکال دیا جانا چاہئے اور ابھی تمہارے ساتھ یہی ہونے والا ہے۔"

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر پریشان ہو کر بولی۔ "فرمان! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ میرے ساتھ کیوں ایسا رویہ اختیار کر رہے ہیں؟"

"کیا تم پارسا بننا چاہتی ہو؟ یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا' اور یہ بھی نہیں جانتا کہ تم ابھی اپنے شناسا سے مل کر آ رہی ہو؟"

وہ چیخ مارتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر بولی۔ "نہیں......... نہیں فرمان! خدا کے واسطے ایسے الفاظ استعمال نہ کریں۔ میں جواد ہاشمی سے ملنے گئی تھی لیکن آپ ان کے بارے میں کوئی غلط رائے قائم نہ کریں۔ وہ بہت شریف انسان ہیں۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ دوسری طرف گھوم گئی۔ لڑکھڑاتی ہوئی ایک صوفے سے ٹکرا گئی۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ ایسی بات نہیں

تھی کہ وہ ایک طمانچہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ اثر طمانچے کا نہیں تھا بلکہ توہین کا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا شوہر اس پر ہاتھ اٹھائے گا۔ اسے دل و جان سے چاہنے والا ایسی بدسلوکی کرے گا۔

وہ گرجنے کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ "مجھے اُلو بنا رہی تھیں۔ آج میں نے اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا ہے۔ میں نے ملتان جانے والا ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ مجھے اس جواد ہاشمی کے مکان کا پتہ معلوم تھا۔ میں نے وہاں پہنچ کر دور ہی سے چھپ کر دیکھا تھا۔ تم نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تھا پھر تم اندر گئی تھیں۔ اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ میں وہاں پینتالیس منٹ یعنی پون گھنٹے تک کھڑا رہا۔ اس کے بعد تم وہاں سے باہر آئی تھیں۔ کسی کے ساتھ منہ کالا کرنے کے لئے پینتالیس منٹ بہت ہوتے ہیں۔"

وہ "نہیں......... نہیں........." کہہ کر چیخنے لگی۔ اپنا سر پیٹنے لگی۔ بالوں کو نوچنے لگی۔ جنونی انداز میں کہنے لگی۔ "خدا کے لئے۔ مجھے بے حیائی کا الزام نہ دیں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکوں گی۔ شرم سے مر جاؤں گی۔"

"تم جیو یا مرو' میری بلا سے۔ میں اب تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔ تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ تمہیں ایک منٹ کے لئے بھی اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔"

اس نے چیخ کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے اسے آگے کچھ کہنے سے روکا لیکن اس نے کہا۔

"میں نے پورے ہوش و حواس میں رہ کر تمہیں طلاق دی۔"

وہ صوفے سے ٹکرانے کے بعد فرش پر گر پڑی۔ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"نہیں فرمان! خدا کے لئے یہ غضب نہ کرنا۔ رک جاؤ۔ ابھی تم غصے میں ہو۔ غصہ حرام ہوتا ہے۔ گھروں کو تباہ کر دیتا ہے۔"

اس نے پھر کہا۔ "میں نے تمہیں طلاق دی۔"

وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھنا چاہتی تھی۔ اس نے پھر اسے ایک طمانچہ مار کر دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں طلاق دی۔"

وہ دھکا کھا کر پیچھے گئی تھی۔ دھکا کھا کر اس کا سر چکرایا۔ وہ فرش پر گر پڑی۔ اس

نے حقارت سے کہا۔ ”تم بے ہوش ہو یا مرجاؤ۔ میں تمہیں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں دوں گا۔“

یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ ایک شریک حیات کی زندگی شیشے سے زیادہ نازک ہوتی ہے۔ طلاق کی ایک ہی ٹھوکر سے ٹوٹ جاتی ہے۔ چند لمحے پہلے وہ سہاگن تھی' اب مطلقہ ہو چکی تھی۔ پہلے بہت عزت دار تھی۔ اب معاشرے میں بری طرح بدنام ہونے والی تھی۔ وہ حیا والی جو سہاگ رات میں اپنے شوہر سے بھی شرماتی رہی اور اس سے بے تکلف ہونے میں اس نے تین راتیں گزار دیں۔ ایسی شرم والی اب بدچلن اور فاحشہ کہلانے والی تھی۔

یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی عزت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ذلت دیتا ہے لیکن بیویوں کے معاملے میں شوہر حضرات انہیں جب چاہیں' عزت دے سکتے ہیں اور جب چاہیں انہیں ذلت کی پستیوں میں گرا سکتے ہیں۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک فرش پر پڑی رہی۔ پھر اسے ہوش آنے لگا۔ کوئی اسے پوچھنے والا نہیں تھا۔ جمعہ کے دن ملازمین چھٹی پر ہوتے تھے۔ باہر ایک ملازم کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ اسے معلوم نہ ہو سکا کہ اندر کیا ہو چکا ہے۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ فرش پر ہی بیٹھی رہی۔ اب اپنی اوقات سمجھ گئی تھی کہ اب اسے خاک میں ہی ملتے رہنا ہے۔ یہ معاشرہ اسے عزت سے جینے نہیں دے گا۔ عورتیں ہی عورتوں کو زیادہ برا بھلا کہتی ہیں۔ آئندہ میکے اور سسرال والی خواتین جگہ جگہ اسے بدنام کرنے والی تھیں۔ اتنی بڑی دنیا میں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جہاں وہ منہ چھپا سکتی۔ منہ چھپانے کی بس ایک ہی جگہ تھی اور وہ قبر تھی۔

لیکن مرنا بھی اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ایک بیٹا اس کی گود میں تھا۔ وہ اس معصوم کو تنہا چھوڑ کر اپنی جان نہیں دے سکتی تھی۔ دنیا والوں سے منہ نہیں چھپا سکتی تھی۔ اپنے بچے کے لئے اسے ہر حال میں جینا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ اب کیا کرے گی؟ کس طرح زندگی گزارے گی؟

اس نے آہٹ سن کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں فرمان کھڑا ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنے دوپٹے میں اپنا منہ چھپا لیا۔ اب وہ نامحرم تھا اور اسماء کے لئے پردہ واجب

ہو گیا تھا۔ وہ دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ اس نے پوچھا۔ ”تم ابھی تک یہاں ہو؟ یہاں سے کیوں نہیں گئیں؟“

”میں یہاں کتنی دیر رہ سکتی ہوں؟ مجھے تو جانا ہی ہوگا۔ اب دنیا والوں کی ٹھوکروں میں رہوں گی۔“

”تمہارے جیسی عورتوں کو ایسی سزا ہی ملنی چاہئے۔“

”میں اب اپنی پارسائی کا یقین نہیں دلاؤں گی۔ میرا خدا مجھے جانتا ہے' بس اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔ ایک التجا ہے آپ سے؟“

”میں جانتا ہوں کہ تم یہاں سے نکلو گی تو کنگال ہو جاؤ گی۔ میکے والوں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنی ہوگی۔ اس لئے اپنے لئے کچھ حصہ مانگنا چاہو گی۔ نکاح کے وقت مہر کی رقم پانچ لاکھ روپے طے پائی تھی۔ یہ رقم مجھے ادا کرنی ہوگی اور میں کل بینک کھلتے ہی یہ رقم ادا کر دوں گا۔“

”میں رقم نہیں چاہتی۔ اس کے بدلے اپنے ان تینوں بیوٹی پارلرز کی ملکیت چاہتی ہوں۔ آپ حساب لگائیں گے تو ان تینوں کی مالیت پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں ہوگی۔“

”ٹھیک ہے۔ وہ تینوں بیوٹی پارلرز تمہارے ہوئے۔ میں ان کے لئے دعویٰ نہیں کروں گا بلکہ پکا کاغذ لکھ کر دے دوں گا اور تمہارے بینک اکاؤنٹ میں جو رقم ہے' وہ بھی تمہاری ہے۔ اب اس سے زیادہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔“

”صرف ایک التجا اور ہے۔ آپ یہ مان لیں گے تو اس میں آپ کی بھلائی ہوگی۔“

”میری بھلائی کیسے ہوگی؟ تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“

”میں اس گھر سے نکل کر بدچلن اور فاحشہ کہلانا نہیں چاہتی۔ آپ چاہیں تو میری عزت رکھ سکتے ہیں۔ دنیا والوں سے یہ بات چھپا سکتے ہیں کہ آپ نے مجھے طلاق دی ہے۔ میں خدا سے دعا مانگتی رہوں گی کہ کبھی نہ کبھی میری پارسائی ثابت ہو جائے اور آپ کو اس غلطی کا احساس ہو کہ آپ نے غصے میں سوچے سمجھے بغیر طلاق دی ہے۔“

”بکواس مت کرو۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہاری بے حیائی دیکھی ہے۔ اس سلسلے میں بحث نہ کرو تو بہتر ہے۔“

”میں بحث نہیں کروں گی۔ صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں ایسا ممکن ہے کہ میری پارسائی

کبھی نہ کبھی ثابت ہو سکتی ہے۔ اس وقت آپ کو کم از کم اس بات کا دکھ نہیں ہوگا کہ آپ نے طلاق دینے کے باوجود مجھے مطلقہ عورت کی حیثیت سے بدنام نہیں کیا اور میری ناکردہ بے حیائی پر پردہ ڈالے رکھا۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔ "میں آپ کو خدا اور رسول کا واسطہ دیتی ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ زندگی کے چار برس بڑی پاکیزگی سے گزارے ہیں۔ یہ میرا خدا جانتا ہے۔ میں اس کا واسطہ بھی دیتی ہوں۔ خدا کے واسطے طلاق کی اس بات کو چاردیواری سے باہر نہ جانے دیں۔"

"میں دنیا والوں سے کیا کہوں گا کہ تم اس گھر کو چھوڑ کر الگ کیوں رہنے لگی ہو؟ اس سوال کا جواب میرے پاس کیا ہوگا؟"

"آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے درمیان عارضی طور پر علیحدگی ہوئی ہے۔ کسی نہ کسی دن سمجھوتہ ہوگا تو ہم پھر ایک چھت کے نیچے رہنے لگیں گے۔"

وہ ناگواری سے بولا۔ "سمجھوتہ کبھی نہیں ہوگا۔"

"میں نے آپ کو خدا اور رسول کا واسطہ دیا ہے۔ آپ خدا کو مانیں اور میری یہ بات مان لیں۔"

وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ میں جب تک یہ بات چھپا سکتا ہوں' چھپانے کی کوشش کرتا رہوں گا اور کسی کے سامنے تمہیں مطلقہ نہیں کہوں گا۔"

"کیا میں بچے کو ساتھ لے جا سکتی ہوں؟"

"مجھے ایسی عورت کا بچہ نہیں چاہئے جس نے اپنے مرد کا اعتماد کھو دیا ہو۔ وہ بچہ تمہیں ہی مبارک ہو۔ تم یہاں سے اپنی ضرورت کا جو سامان لے جانا چاہو' لے جا سکتی ہو۔ میں جا رہا ہوں۔ ایک گھنٹے کے بعد واپس آؤں گا۔ واپسی میں تمہیں یہاں دیکھنا نہیں چاہتا۔"

وہ اتنا کہہ کر وہاں سے پلٹ کر چلا گیا۔

☆======☆======☆

اسماء اس گھر سے نکل آئی۔ بیوٹی پارلر ایک بہت بڑی کوٹھی میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کا اوپری حصہ خالی رہتا تھا۔ اُس نے اِس حصے کو اپنی رہائش گاہ بنا لیا۔ وہیں دن رات

رہنے لگی۔ اسے تنہا چاردیواری میں رہ کر عدت کے دن گزارنے تھے۔

دنیا والوں سے طلاق کی لعنت کو بھی چھپانا تھا اور اپنے اس عمل کو بھی پردے میں رکھنا تھا کہ وہ عدت کے دن گزار رہی ہے۔ وہاں بیوٹی پارلر میں آنے والی عورتیں ہوا کرتی تھیں۔ مردوں سے سامنا نہیں ہوتا تھا۔ باہر بازار سے سودا سلف لانے کے لئے ملازمہ تھی۔ اس لئے گھر بیٹھے سارا کام ہو جاتا تھا اور وہ یوں عدت کے دن گزار رہی تھی۔

دوسری طرف ثریا بیگم کے دل میں کھلبلی رہتی تھی۔ یہ معلوم کرنے کے لئے وہ بے چین رہتی تھی کہ اسماء اور فرمان کے تعلقات کیسے ہیں؟ کیا فرمان کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اسماء اس کے اعتماد کو دھوکہ دے کر اپنے کسی عاشق سے ملنے گئی تھی؟

اور اگر ملنے گئی تھی تو اس کا ردعمل کیا ہو رہا ہے؟ کیا فرمان نے اسماء کی اس غلطی کو معاف کر دیا ہے؟ ثریا بیگم دو دنوں تک انتظار کرتی رہی کہ اسماء اور فرمان کی طرف سے کوئی خاص بات معلوم ہوگی لیکن ان کی طرف سے خاموشی تھی۔ اس نے فون پر رابطہ کیا تو گھر کا ٹیلی فون بڑی دیر کے بعد ایک ملازم نے اٹھایا۔ ثریا نے پوچھا۔ "اسماء کہاں ہے؟"

ملازم نے کہا۔ "بیگم صاحبہ تو اپنے بیوٹی پارلر میں دن رات رہتی ہیں۔ یہاں نہیں آتی ہیں۔"

"کیوں نہیں آتی ہیں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا۔"

"کیوں نہیں جانتے؟ تم گھر کے خاص ملازم ہو۔ تمہیں یہاں کے حالات کا علم ہونا چاہئے۔"

"میڈم! میں چاہے کتنا ہی پرانا ملازم ہوں لیکن صاحب اور بیگم صاحبہ کے ذاتی معاملات کی کھوج نہیں لگاتا ہوں۔"

ثریا نے رابطہ ختم کر دیا۔ پھر بیوٹی پارلر کے فون کے نمبر ڈائل کئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسماء کی آواز سنائی دی۔ ثریا نے پوچھا۔ "بیٹی! تم کہاں ہو؟ میں نے گھر فون کیا تھا۔ ملازم نے بتایا کہ تم وہاں نہیں آتی ہو۔ دن رات بیوٹی پارلر میں رہتی ہو۔ ایسی بھی کیا

مصروفیت ہے؟"

وہ بولی۔ "مصروفیت بھی ہے اور فرمان سے ناراضگی بھی ہے۔ اس لئے میں یہاں بیوٹی پارلر کے اوپری حصے میں رہتی ہوں۔"

"کیا تم اس سے علیحدہ رہنے لگی ہو؟ ناراضگی کس بات پر ہوئی ہے؟"

"سوری ممی! یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔"

"دیکھو ہم تمہارے بزرگ ہیں۔ اگر تم دونوں کے درمیان کوئی غلط فہمی ہو جاتی ہے یا علیحدگی ہو جاتی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ تمہاری غلط فہمیاں دور کریں اور تم دونوں کو پھر یکجا کریں۔"

"آپ ہماری فکر نہ کریں۔ میاں بیوی لڑتے ہیں' بچھڑتے ہیں' پھر مل جاتے ہیں۔ ہم بھی مل جائیں گے۔"

یہ کہہ کر اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ ثریا تھوڑی دیر تک اپنے فون کے ریسیور کو دیکھتی رہی پھر اس نے آفس کے فون پر فرمان سے رابطہ کیا۔ اس کی آواز سن کر بولی۔ "بیٹے! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟ ابھی اسماء سے بات ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ بیوٹی پارلر میں دن رات رہتی ہے اور تم سے ناراضگی بھی ہے۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اسماء ذرا سی تنک مزاج ہے۔ میری باتوں سے ناراض ہو کر چلی گئی ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ایسے کیسے ٹھیک ہوگا؟ مجھے معلوم تو ہونا چاہئے کہ کس بات پر علیحدگی ہوئی ہے؟"

"پلیز ممی! یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ ہم خود ہی نمٹ لیں گے۔ آپ کوئی دوسری بات کریں۔"

"دوسری بات کیا کروں؟ اسماء سے بھی کہا تو اس نے یہی جواب دیا کہ ذاتی معاملہ ہے۔ ٹھیک ہے پھر تم دونوں ہی آپس میں نمٹ لو۔ میں کون ہوتی ہوں بیچ میں بولنے والی۔"

یہ کہہ کر ثریا نے رابطہ ختم کر دیا۔ اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میاں بیوی میں علیحدگی ہو چکی تھی لیکن یہ خوشی ادھوری لگ رہی تھی۔ اس نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ فرمان غصے میں اسے طلاق دے دے گا۔ ہمیشہ کے لئے علیحدگی ہو جائے گی پھر وہ شوہر کی

ٹھوکریں کھا کر میکے آئے گی۔

لیکن اس کی توقع کے مطابق نہ اس نے ٹھوکریں کھائی تھیں اور نہ میکے آئی تھی۔ وہاں بیوٹی پارلر میں بڑے عیش و آرام سے تھی۔ یہ شبہ بھی نہیں ہو رہا تھا کہ فرمان نے طلاق دی ہے۔ اگر طلاق دیتا تو اس سے بیوٹی پارلرز وغیرہ چھین لیتا۔ اسے کوڑی کوڑی کا محتاج بنا کر میکے بھیج دیتا' اور ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

ثریا اس سے ملاقات کرنے نہیں گئی۔ یہ ناراضگی ظاہر کی کہ ان دونوں نے اسے اپنے اپنے معاملات میں شریک نہیں کیا ہے۔ دو ماہ گزارنے کے بعد پھر اس کے اندر کھلبلی پیدا ہوئی کہ آخر یہ اتنی طویل علیحدگی کیوں ہے؟ اس نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "عاصمہ! تمہیں اپنی بہن کے پاس جانا چاہئے اور بہنوئی سے بھی ملنا چاہئے۔"

عاصمہ نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں ان سے ملنے گئی تھی۔"

"کب گئی تھیں؟"

"یہی تو مجھے یاد نہیں رہتا لیکن ایسا لگتا ہے کہ میں ان سے مل چکی ہوں۔ میں جمال اختر سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ اسے معلوم ہوگا۔"

ثریا نے ناگواری سے کہا۔ "ایک تو تم نے جمال اختر کو اپنا دم چھلا بنا لیا ہے۔ اسے ساتھ ساتھ لئے پھرتی ہو۔ اس کی اوقات کیا ہے؟ اس کے ساتھ یوں بے تکلفی سے گھومتی پھرتی رہو گی تو بدنام ہو جاؤ گی۔ ہم بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

"میں اس کے ساتھ کہاں گھومتی ہوں؟ دو برس پہلے اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد کل ملاقات ہوئی اور آج پھر ہونے والی ہے۔"

ثریا نے بے زاری سے کہا۔ "دو مہینے پہلے تو اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ دو برس پہلے ہم نے کبھی جمال اختر کا ذکر بھی نہیں سنا تھا۔ پھر تم اس سے کیسے مل گئی تھیں؟ تمہاری یادداشت کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔"

"میں یہ حساب نہیں جانتی کہ دو ماہ سے مل رہی ہوں یا دو برس سے مگر مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے میں اسے صدیوں سے جانتی ہوں۔ وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

"دیکھو بیٹی! تمہاری یہ لگن' یہ چاہت مجھے اندیشے میں مبتلا کر رہی ہے۔ میں تمہیں

پھر سمجھاتی ہوں کہ اسے اپنا لائف پارٹنر بنانے کے بارے میں کبھی نہ سوچنا۔ ہم کبھی اسے اپنا داماد نہیں بنائیں گے۔"

ایسے ہی وقت جمال اختر آگیا۔ اس نے کہا۔ "ہیلو ممی! ہیلو عاصمہ!"

عاصمہ خوش ہو کر بولی۔ "ابھی تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ بس یہاں بیٹھو۔ میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی اپنے بیڈروم کی طرف چلی گئی۔ ثریا نے کہا۔ "جمال اختر! یہاں میرے سامنے بیٹھو اور میری بات غور سے سنو۔ میری بیٹی بہت ہی معصوم ہے۔ نادان ہے اور کچھ ایب نارمل بھی ہے۔ تم اس کی معصومیت سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔"

"ممی! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"دیکھو' مجھے ممی نہ کہو۔ میں تم سے کوئی رشتہ رکھنا نہیں چاہتی۔"

"آپ تو خواہ مخواہ مجھ سے بدظن ہو رہی ہیں۔ آخر مجھ میں کیا خرابی ہے جو آپ مجھ سے یوں کترا رہی ہیں اور اپنی بیٹی سے دور رکھنا چاہتی ہیں؟"

"تم میں کوئی خرابی نہیں ہے لیکن اپنی اوقات دیکھو۔ تم ہمارے برابر کے نہیں ہو۔"

"میں سیدھی سی بات کہتا ہوں کہ آپ مجھے داماد بنا لیں گی تو آپ کے برابر کا ہو جاؤں گا۔"

"ایسی بات دوبارہ نہ کہنا ورنہ میں تمہیں گھر میں گھسنے بھی نہیں دوں گی اور نہ ہی عاصمہ سے ملنے دوں گی۔"

"آپ اتنا غصہ نہ دکھائیں۔ ایک نہ ایک دن تو آپ مجھے داماد ضرور بنائیں گی۔"

"تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہے؟"

"خوش فہمی نہیں ہے۔ جب آپ نے پہلی بار مجھے جواد ہاشمی کے لب و لہجہ اور آواز کی نقل کرنے کو کہا تھا اور اس کی آواز کے ذریعے فرمان سے بات کرنے کو کہا تھا تو میں یہ نہیں جانتا تھا کہ آپ اپنی سوتیلی بیٹی سے اتنی سخت نفرت کرتی ہیں کہ اس کا گھر اجاڑ دینا چاہتی ہیں۔ اس کے شوہر کو غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہتی ہیں۔"

"بات مختصر کرو۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ میری وجہ سے ان دونوں میں علیحدگی ہو گئی ہے۔ دو ماہ سے وہ دونوں الگ الگ رہنے لگے ہیں۔ کبھی کبھی میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے کہ میں پیسوں کی خاطر ایسا کام کیوں کرتا ہوں؟ لیکن جب عاصمہ کو دیکھتا ہوں اور اس کی محبت مجھے ملتی ہے' تو سوچتا ہوں کہ میں نے ایک بہت بڑی غلطی کی ہے لیکن اس کے عوض مجھے آپ کی بیٹی کی محبت مل رہی ہے۔"

"تم پھر لمبی بات کر رہے ہو۔ اپنا مقصد بیان کرو۔"

"میرا مقصد بس یہی ہے کہ میں عاصمہ کو اپنی شریک حیات بناؤں گا ورنہ میں فرمان سے جا کر کہہ دوں گا کہ اسے کسی جواد ہاشمی نے فون نہیں کیا تھا۔ اس کی آواز کی نقل میں نے کی تھی اور میں نے ہی ان میاں بیوی کے درمیان پھوٹ ڈالی ہے۔"

ثریا نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "اور میں یہ صاف طور سے کہوں گا کہ یہ سب میں نے آپ کے کہنے پر کیا تھا۔ میرے پاس آپ کی بڑی بڑی کمزوریاں ہیں۔ اس بات کو آپ آئندہ نہ بھولیں تو بہتر ہو گا۔"

وہ اس کا منہ تکتی رہ گئی۔ کچھ کہہ نہ سکی۔ سوچنے لگی کہ یہ تو بری طرح پھانس رہا ہے اور اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ ایسے وقت عاصمہ تیار ہو کر آ گئی۔ پھر وہ دونوں باہر چلے گئے۔ وہ عاصمہ کو اس کے ساتھ جانے سے نہ روک سکی۔ اس وقت اسے اپنی کمزوری کا پتہ چل گیا تھا۔ وہ اب سوچے سمجھے بغیر جمال اختر کو اپنا مخالف بنانا نہیں چاہتی تھی۔

وہ سوچنے لگی کہ اس شخص کے ساتھ کیسے نمٹا جائے؟

جواد ہاشمی اسی شہر میں ملازمت کر رہا تھا۔ جمال اختر اگر مخالف بن جاتا تو جواد ہاشمی کو بھی گواہ کے طور پر فرمان کے سامنے پیش کر سکتا تھا کہ سوتیلی ماں جواد ہاشمی سے مل چکی تھی اور جمال اختر سے بھی مل کر اس نے ایسی سازشیں کی تھیں۔ ثبوت اتنے ٹھوس اور گواہ اتنے مضبوط ہوتے کہ وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے الزامات سے انکار کرنے کے قابل نہیں رہتی۔

جمال اختر اس کے لئے مصیبت بن گیا تھا۔

☆======☆======☆

فرمان نے غصے میں آ کر اسے طلاق دی تھی۔ اب اسے کبھی کبھی افسوس ہونے لگا تھا۔ وہ اسماء کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ تنہائی میں جب وہ رات کو سوتا تو کروٹیں بدلتے وقت وہ خیالوں میں آ جاتی تھی۔ اس کی باتیں اور ادائیں یاد آتی تھیں اور وہ حیرانی سے سوچتا تھا کہ اتنی حیا والی عورت کیسے بے حیا ہو گئی؟

وہ اگرچہ اسے طلاق دے کر افسوس کر رہا تھا لیکن اس کی طرف سے بدظن تھا۔ اس کے دل سے میل دور نہیں ہو رہا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس نے بے حیائی دکھائی ہے۔ اپنے پرانے عاشق سے ملنے کا مطلب ہی یہی تھا کہ وہ اپنے شوہر کے اعتماد کو دھوکہ دیتی رہی تھی۔

اس نے ایک رات اسے خواب میں دیکھا۔ وہ بڑی اداس تھی اور شکایت کر رہی تھی کہ فرمان! آپ نے بڑی جلدی کی۔ آپ کو کچھ تو میری وفا اور محبت کا خیال کرنا چاہئے تھا۔ آپ ذرا صبر کر لیتے۔ میرے بارے میں اچھی طرح تحقیقات کرتے کہ کیا جھوٹ ہے' کیا سچ ہے؟ معلوم کر کے پھر مجھے ٹھوکر مارتے تو میں اف تک نہ کرتی لیکن میں قصوروار نہیں ہوں۔ جب میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے تو پھر آپ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔

اس نے خواب میں اس سے بحث نہیں کی تھی کہ یہ گناہ گار ہے یا نہیں ہے۔ وہ تو صرف اسے دیکھتا رہا تھا۔ نیند سے بیدار ہونے کے بعد بستر پر لیٹا رہا تھا۔ چھت کو تکتا رہا تھا اور اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ وہ روتی رہی' بولتی رہی۔ میں کیوں خاموش تھا؟ میں نے اس پر الزام عائد کیوں نہیں کیا؟ اسے بدچلن اور فاحشہ کیوں نہیں کہا؟ شاید اس لئے کہ یہ محض ایک خواب تھا۔

پھر اس نے اپنے پرانے کاغذات دیکھنے کے لئے اپنی پرانی الماری کھولی اور اس کے اس حصے پر نظر ڈالی جہاں پرانی فائلز وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ وہیں اسماء کی ڈائری اور خط رکھا ہوا تھا جسے اس نے اسماء سے چھپا کر رکھا ہوا تھا لیکن اب وہ ڈائری اسے دکھائی نہیں دی۔ اس نے اسے پوری الماری میں تلاش کیا پھر سوچنے لگا کہ یہ کہاں گم ہو گئی؟

وہ حیرانی سے سوچنے لگا۔ "کیا وہ ڈائری اسماء کے ہاتھ لگ گئی تھی؟ کیا اسے معلوم ہو چکا تھا کہ میں اس پر شبہ کرتا رہا تھا اور شادی سے پہلے میں نے اس کے بارے میں

تحقیقات بھی کی تھیں؟ اگر اسے معلوم ہو چکا تھا تو وہ بہت گہری ہے۔ اس نے مجھ سے شکایت بھی نہیں کی اور خاموشی سے اپنے ڈائری اور خط کو چھپا کر رکھ لیا۔"

جس رات طلاق ہوئی اس کی دوسری رات وہ روتی رہی اور ڈائری میں لکھتی رہی کہ فرمان نے کس طرح اسے تین طلاقیں دی ہیں اور اسے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا ہے اور وہ اس کا گھر چھوڑ کر وہاں سے اپنے بیوٹی پارلر آ گئی ہے اور اب وہیں رہائش اختیار کر رہی ہے۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اس نے پھر ڈائری کے اوراق پر لکھا۔ "چار ماہ دس دن گزر چکے ہیں۔ عدت کی مدت پوری ہو چکی ہے۔ اب میں باہر نکلنے لگی ہوں۔ اس چار ماہ کے عرصے میں ڈیڈی مجھ سے دو بار ملنے آئے تھے۔ مجھے اپنے گھر آنے کے لئے کہا تھا اور میں نے بہانہ کر دیا تھا۔ پھر مدت پوری ہونے کے بعد میں سب سے پہلے ڈیڈی سے ملنے گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے مطلقہ ہونے کا شبہ کسی کو بھی نہیں ہے۔ سب یہی سمجھ رہے ہیں کہ میرے اور فرمان کے درمیان طویل علیحدگی ہوئی ہے۔ اب پہلے جیسی ناراضگی بھی نہیں ہے۔ فون کے ذریعے ہماری گفتگو ہو جایا کرتی ہے۔

میں نے ایسی جھوٹی باتیں بنا کر اپنے سہاگن ہونے کا بھرم رکھا ہے اور میں فرمان کی بھی شکرگزار ہوں۔ انہوں نے بھی میرے ماں باپ سے یہی کہا ہے کہ کبھی کبھی ہمارے درمیان فون کے ذریعے گفتگو ہو جاتی ہے۔ ایسی کوئی شدید ناراضگی نہیں ہے۔ ایک دن ہم ضرور ملیں گے۔ وہ بھی دنیا والوں سے جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ یہ ان کا احسان ہے کہ میرے سہاگن ہونے کا بھرم رکھ رہے ہیں۔

ادھر عاصمہ جمال اختر کی محبت میں دیوانی ہو رہی تھی۔ جمال اختر نے کہا۔ "ہمیں شادی کر لینی چاہئے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "کیسے کریں؟ ممی راضی نہیں ہوں گی اور ڈیڈی بھی انکار کریں گے۔ تمہیں کبھی داماد نہیں بنائیں گے۔"

"یہ بات میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے بے روزگار اور کنگال سمجھتے ہیں۔ اس لئے کبھی اپنا داماد نہیں بنائیں گے۔"

وہ بولی۔ "میں کچھ نہیں جانتی۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ اب میں تمہارے بغیر نہیں رہ

سکوں گی۔ کوئی تدبیر کرو۔"

"ایک ہی تدبیر ہے کہ ہم چھپ کر نکاح پڑھوالیں۔ میاں بیوی بن جائیں۔ اس کے بعد ہم شادی کا اعلان کریں گے تو تمہارے ماں باپ مجبور ہو کر مجھے داماد تسلیم کر لیں گے۔"

عاصمہ راضی ہو گئی۔ جمال اختر نے اپنے چند دوستوں کو جمع کیا اور ایک قاضی صاحب سے بات کی۔ اسے اچھی خاصی رقم دی۔ عاصمہ سے کہا۔ "تم آج شام دلہن بن کر چلی آؤ۔ نکاح پڑھایا جائے گا پھر تم میرے ساتھ رات گزارو گی۔ دوسرے دن تمہارے ماں باپ کے پاس چلیں گے۔"

عاصمہ اس دوپہر اسماء کے پاس ایک بیگ لے کر آئی۔ اسماء نے پوچھا۔ "اس بیگ میں کیا ہے؟"

اس نے کہا۔ "اس میں دلہن کا جوڑا ہے۔ میرا ایسا میک اپ کرو جیسے میں ایک دلہن ہوں پھر میں یہ جوڑا پہن کر جاؤں گی۔"

"تم ایسا میک اپ کر کے دلہن کا جوڑا پہن کر کہاں جاؤ گی؟"

"یہ مجھ سے نہ پوچھو۔ بس یہ سمجھو کہ میرا دل دلہن بننے کو چاہ رہا ہے۔ تم مجھے دلہن بنا دو۔"

اسماء نے اس کا بھرپور میک اپ کیا۔ اسے دلہن بنا دیا۔ وہ سہاگ کا جوڑا پہن کر اپنی کار ڈرائیو کرتی ہوئی جمال اختر کے مکان کے سامنے پہنچ گئی۔ شام کو قاضی صاحب آئے۔ انہوں نے نکاح پڑھایا۔ وہ جمال اختر کی شریک حیات بن گئی۔ دوستوں نے مبارک باد دی' دعوت کھائی پھر ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ جمال اختر نے اپنے ایک کمرے کو دلہن کی طرح سجایا تھا۔ سیج پر پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ عاصمہ اس سیج پر آ کر بیٹھ گئی تھی اور خود کو گھونگھٹ میں چھپا لیا تھا۔

جمال اختر نے کمرے میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کیا پھر اس کے قریب آ کر بستر کے سرے پر بیٹھ کر بولا۔ "عاصمہ میری جان! تم واقعی مجھ سے محبت کرتی ہو۔ تم نے اپنے ماں باپ سے چھپ کر مجھ سے شادی کی ہے۔ میں بھی ساری زندگی تم سے محبت کرتا رہوں گا اور صرف تمہارا ہی جیون ساتھی بن کر رہوں گا۔ میری زندگی میں تمہارے سوا

کوئی دوسری نہیں آئے گی۔"

اس نے اس کے ایک ہاتھ کو تھام لیا۔ پھر ایک انگوٹھی اس کی انگلی میں پہناتے ہوئے کہا۔ "دلہن کا گھونگھٹ اٹھانے اور اس کا چہرہ دیکھنے سے پہلے یہ رشوت دینی پڑتی ہے۔ یہ محبت بھری رشوت قبول کرو اور اب اپنا مکھڑا دکھاؤ۔"

اس وقت وہ گھونگھٹ میں چھپی ہوئی کچھ بے چین سی ہو رہی تھی۔ اسے چھینکیں آ رہی تھیں مگر وہ چھینک نہیں پا رہی تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی انگلی کے ناخن کو اپنے ایک نتھنے میں ڈال کر ذرا کھجایا تو چھینک آ گئی۔ ادھر جمال اختر نے اس کا گھونگھٹ اٹھایا' ادھر اس نے زور کی چھینک ماری پھر دوسری چھینک ماری پھر تیسری۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ اس نے چند لمحوں کے لئے آنکھیں بند کر لیں پھر جب آنکھیں کھول کر دیکھا تو حیران ہوئی' پریشان ہوئی۔ سامنے بیٹھے ہوئے جمال اختر کو دیکھ کر بولی۔ "کون ہو تم؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "کیوں مذاق کرتی ہو؟ میں تمہارا شوہر اور مجازی خدا ہوں۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے دھکا دیا' پیچھے ہٹایا پھر بستر سے اترنے لگی۔ وہ اس کا بازو پکڑ کر بولا۔ "ارے ارے' کیا کرتی ہو؟ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

وہ ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا کر دور ہوتے ہوئے بولی۔ "خبردار۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ پہلے بتاؤ کہ تم کون ہو اور میرے کمرے میں کیسے گھس آئے ہو؟"

"یہ تمہارا کمرہ نہیں ہے۔ میرے مکان کا ایک کمرہ ہے۔ میں نے اسے تمہاری خاطر ایک دلہن کی طرح سجایا ہے۔ دیکھو یہ پھولوں کی سیج ہے۔ آج ہماری شادی ہوئی ہے اور تم میری دلہن ہو۔ ہمیں آج کی رات یہاں گزارنا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ کیا تم مجھے اتنی بے حیا سمجھتے ہو؟ میں تمہیں جانتی نہیں' پہچانتی نہیں' اور تم سے شادی کر لوں گی اور میرے ماں باپ کہاں ہیں' بتاؤ؟"

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ پہلی بار اس کے ساتھ ایسا ہوا تھا۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ جب وہ چھینکیں مارتی ہے تو اس کے بعد وہ ایب نارمل ہو جاتی ہے اور اپنے سامنے والے کو نہیں پہچانتی۔ وہ پریشان ہو کر بولا۔ "عاصمہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ پلیز خدا کے لئے یہ ناٹک نہ کرو۔"

"کیا تمہیں یہ ناٹک نظر آ رہا ہے؟ ہٹ جاؤ میرے سامنے سے۔ دروازہ کھولو۔ مجھے

جانے دو۔"

"تم کہتی ہو تو دروازہ کھول دوں گا۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے باہر جائیں گے۔ کھلی فضا میں گھومیں پھریں گے' ہنسیں بولیں گے تو تمہارا موڈ ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے پلٹ کر دروازے کو کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اسے دھکا دے کر باہر چلی گئی۔ باہر اس کی کار کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کار میں بیٹھ کر اسے سٹارٹ کرنے لگی۔ جمال اختر حیران و پریشان تھا کہ یہ اچانک عاصمہ کو کیا ہو گیا ہے؟ اتنا تو جانتا تھا کہ وہ ایب نارمل ہے' یادداشت کمزور ہے لیکن ایسی یادداشت کمزور ہے کہ تازہ تازہ شوہر کو بھول جائے گی' یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

☆======☆======☆

وہ تیزی سے چلتا ہوا باہر آیا تو وہ کار میں بیٹھ کر اسے سٹارٹ کر چکی تھی۔ اس نے آواز دی۔ "رک جاؤ عاصمہ۔ اس طرح نہ جاؤ۔ پلیز رک جاؤ۔"

وہ دوڑتا ہوا کار کے قریب آیا۔ اس سے پہلے ہی کار آگے بڑھ گئی اور رفتار پکڑتے ہوئے اس سے دور جانے لگی۔ وہ کار کے پیچھے دوڑتا جا رہا تھا۔ اسے آوازیں دیتا جا رہا تھا لیکن وہ کار کی رفتار کے ساتھ نہیں بھاگ سکتا تھا۔ وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتی ہوئی اس سے بہت دور ہوتی چلی گئی۔ پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ سر تھام کر سڑک پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

بڑے ارمانوں سے دلہن کے لئے سیج سجائی تھی اور دلہن نے اسے سڑک پر لا کر بٹھا دیا تھا۔

وہ تیزی سے کار ڈرائیو کرتی ہوئی اپنے گھر کے سامنے آئی۔ کار سے اتر کر تیزی سے چلتی ہوئی کوٹھی کے اندر پہنچی۔ ڈرائنگ روم میں ماں باپ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھتے ہی ثریا نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ تم دلہن کیوں بنی ہوئی ہو؟ کہاں سے آ رہی ہو؟"

وہ ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئی پھر ہانپتے ہوئے بولی۔ "ممی! آج تو غضب ہو گیا۔ پتہ نہیں میں کیسے دلہن بن کر ایک شخص کے کمرے میں پہنچ گئی؟ وہ بالکل دلہن کا کمرہ تھا۔ سیج سجی ہوئی تھی۔ پھول کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں اور وہ شخص دلہا بنا ہوا تھا۔"

ماں باپ حیران و پریشان اسے دیکھ رہے تھے۔ باپ نے پوچھا۔ "آخر وہ کون تھا؟ تم کہاں گئی تھیں؟"

"مجھے کیا معلوم کہ وہ کون تھا؟ میں نے تو اسے خوب باتیں سنائیں پھر اسے دھکا دے کر یہاں بھاگ کر چلی آئی۔ اگر میں بھاگ کر نہ آتی تو وہ مجھے پکڑ لیتا پھر پتہ نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کرتا؟"

ماں باپ ایک دوسرے کو پریشانی سے دیکھنے لگے۔ ماں نے کہا۔ "بیٹی! تم نے تو پریشان کر دیا ہے۔ کیا تمہیں چھینکیں آئی تھیں؟"

وہ سوچنے لگی پھر بولی۔ "مجھے یاد نہیں ہے۔"

ثریا نے کہا۔ "ضرور تم نے چھینکیں ماری ہوں گی اور اپنے سامنے والے آدمی کو بھول گئی ہوں گی جبکہ تم اسی کے ساتھ کہیں ہو گی اور جس کے ساتھ تم گئی ہو گی' میں اسے پہچان رہی ہوں۔ وہ پکا بدمعاش ہے۔ اس نے تمہیں ورغلا کر تم سے نکاح پڑھایا ہو گا۔ ہم سب کا سر جھکانا چاہتا ہو گا۔ میں اس سے نمٹ لوں گی۔ تم فکر نہ کرو۔ جاؤ اپنے کمرے میں آرام سے سو جاؤ۔ جب سو کر اٹھو گی تو تمہاری یادداشت واپس آ جائے گی لیکن خبردار' جب نارمل ہو جاؤ تو ہماری ہدایت پر عمل کرنا۔ کسی کے بہکاوے میں مت آنا۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں نادان بچی نہیں ہوں کہ کسی کے بہکاوے میں آ جاؤں۔ میں جا رہی ہوں۔ اب سو جاؤں گی۔"

وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے باپ نے ثریا سے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا تم جمال اختر کے بارے میں سوچ رہی ہو؟"

"اور کس کے بارے میں سوچوں گی؟ وہ پکا کمینہ ہے۔ میری بیٹی کو بہکاتا رہتا ہے۔ اسی نے یہ حرکت کی ہو گی۔"

وہ غصے سے بولا۔ "میں تو اپنے کاروبار میں مصروف رہتا ہوں۔ تم یہاں دن بھر گھر میں کیا کرتی ہو؟ ایک بیٹی کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتیں؟"

"آپ خواہ مخواہ غصہ نہ دکھائیں۔ میں نے ایک نہیں دو بیٹیوں کو سنبھال کر رکھا تھا۔ ایک کی شادی کر دی اور دوسری کا یہ حال ہے کہ وہ صرف مجھے نہیں آپ کو بھی پریشان کرتی ہے۔ آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ اسے ملک سے باہر لے جائیں۔ یورپ یا امریکہ کے کسی ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ اس کا علاج کروائیں۔ شاید وہ ہمیشہ کے لئے نارمل ہو جائے۔"

"تم جانتی ہو کہ میں کاروبار کس طرح کر رہا ہوں؟ اتنا منافع نہیں ہے کہ میں باہر کے اخراجات اور علاج برداشت کر سکوں۔ بس یہ کوٹھی ہے' کار ہے اور عزت آبرو سے

تین وقت کی روٹی کھا رہے ہیں۔ یہی بہت ہے۔"

ایسے وقت قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ انہوں نے دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں جمال اختر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "میری بیوی کہاں ہے؟"

شاہنواز اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر بولا۔ "کیا بکواس کر رہے ہو؟ اپنی بیوی کو یہاں ڈھونڈنے کیوں آئے ہو؟"

"آپ کی بیٹی میری شریکِ حیات بن چکی ہے۔ ہمارا نکاح پڑھایا جا چکا ہے۔ میرے پاس پکے کاغذات موجود ہیں۔"

ثریا بیگم نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا پھر کہا۔ "تم اپنی اوقات نہیں جانتے؟ کیا تمہیں لات جوتے کھانے کے بعد اپنی اوقات سمجھ میں آئے گی؟ نکل جاؤ یہاں سے ورنہ میرے ملازم تمہیں دھکے دے کر یہاں سے باہر نکالیں گے۔"

اس نے اپنی بیوی کو آواز دی۔ "عاصمہ! تم کہاں ہو؟ عاصمہ! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"

اس کے باپ شاہنواز نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "ذلیل' کمینے! میری بیٹی کو آواز دے رہے ہو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس نے پھر دھکا دیا تو وہ پیچھے جا کر دروازے سے ٹکرا گیا پھر باہر جاتے ہوئے بولا۔ "اچھی بات ہے۔ مجھے ذلیل کر کے نکال رہے ہو۔ میں بھی تم لوگوں کو ذلیل کروں گا۔ اپنی بیوی کو یہاں سے لے کر ضرور جاؤں گا۔"

وہ پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کی سہاگ رات کے خواب چکنا چور ہو رہے تھے۔ دلہن حجلۂ عروسی میں آ کر ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ یہ تو وہ جانتا تھا کہ اس کی دلہن ایب نارمل ہے۔ یادداشت بھی کمزور ہے لیکن یہ پہلی بار معلوم ہوا تھا کہ وہ کبھی کبھی اپنے سامنے والے کو بھی بھول جاتی ہے اور کم بخت کیسے وقت پر اس کی یادداشت گم ہوئی تھی کہ جب جذبات کا سورج سوا نیزے پر تھا۔

وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر سیدھا فرمان کی کوٹھی میں پہنچا۔ ملازم سے کہا۔ "اپنے صاحب سے بولو کہ جمال اختر نامی ایک شخص ان سے ملنا چاہتا ہے۔"

ملازم نے کہا۔ "صاحب ابھی دفتر سے واپس نہیں آئے ہیں۔"

وہ وہیں دروازے پر بیٹھا رہا۔ جب سے اسماء نے وہ کوٹھی چھوڑی تھی تب سے فرمان رات کو دیر سے آنے لگا تھا۔ اس کا دل گھر میں نہیں لگتا تھا۔ وہ آدھی رات تک اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا تھا۔ اسماء کے خیال کو اپنے دل و دماغ سے نکالتا رہتا تھا۔ کبھی کامیاب ہوتا تھا' کبھی ناکام رہتا تھا۔ حیرانی سے سوچتا تھا کہ جب وہ بد چلن ہے' فاحشہ ہے تو اسے یاد کیوں کر رہا ہے؟ کیوں وہ بار بار اس کے اندر گھسی چلی آتی ہے؟

وہ آدھی رات کو اپنی کوٹھی میں واپس آیا تو جمال اختر نے دروازے پر کہا۔ "میرا نام جمال اختر ہے اور میں آپ کا رشتہ دار ہوں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "تم.......... میرے رشتے دار ہو؟"

"جی۔ میں آپ کا ہم زلف ہوں۔ میں نے آپ کی سالی عاصمہ سے شادی کی ہے۔"

"شادی! کب ہوئی؟ میں اتنا قریبی رشتہ دار ہوں۔ کسی نے مجھے خبر نہیں کی نہ ہی دعوت دی۔"

"میں نے اور عاصمہ نے چھپ کر شادی کی ہے۔ میں اسی سلسلے میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

فرمان نے کہا۔ "آؤ۔ اندر آؤ۔"

وہ اندر آ کر ڈرائنگ روم میں بیٹھا۔ فرمان نے اس کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں' اب بولو کیا بات ہے؟ یہ شادی کیسے ہوئی؟ اور تم نے عاصمہ سے چوری چھپے شادی کیوں کی؟"

"ہم دونوں پچھلے پانچ ماہ سے ایک دوسرے کو چاہتے رہے ہیں اور ہم نے جب محسوس کیا کہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے تو ہم نے شادی کر لی۔ آج شام کو نکاح پڑھوایا گیا ہے اور یہ نکاح نامے کی ایک فوٹو کاپی ہے۔"

اس نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔ فرمان نے اسے لے کر پڑھا۔ پھر کہا۔ "ہاں' بے شک نکاح ہو چکا ہے۔ کیا میرے ساس سسر کو اس کا علم ہے؟"

"جی ہاں۔ ابھی علم ہوا ہے اور انہوں نے مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا ہے۔"

فرمان نے مسکرا کر کہا۔ "چوری چھپے کی شادی کا یہی انجام ہوتا ہے۔"

جمال اختر نے پوچھا۔ "آپ عاصمہ کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہوں گے مثلاً یہی کہ وہ ایب نارمل ہے اور اس کی یادداشت کمزور ہے۔"

"ہاں۔ میں یہ جانتا ہوں۔"

"آپ یقین کریں کہ جو آج میرے ساتھ ہوا' میں اس کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

"وہ دلہن بنی سہاگ کی سیج پر بیٹھی تھی۔ میں اس کے پاس گیا تھا۔ اس کا گھونگھٹ الٹنا چاہتا تھا۔ اسی وقت اس نے چھینکیں ماریں پھر اچانک بدل گئی۔ پوچھنے لگی کہ میں کون ہوں؟ وہ مجھے پہچاننے سے انکار کرتی رہی۔"

وہ ذرا توقف سے گہری سانس لے کر بولا۔ "کیا آپ یقین کریں گے کہ جس دلہن نے نکاح قبول کیا ہو' اس نے اچانک ہی مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا؟"

فرمان نے ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بے شک۔ اس نے انکار کیا ہوگا۔ ایک بار میرے ساتھ بھی ایسا ہو چکا ہے۔ وہ مجھ سے باتیں کر رہی تھی کہ اچانک اسے چھینکیں آئیں اور وہ چھینکنے کے بعد ہی اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ میں کون ہوں اور اس کے قریب کیوں کھڑا ہوا ہوں؟ اس روز اس نے مجھے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ بہرحال میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہو چکا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ کل صبح تک نارمل ہو جائے گی اور مجھے پھر سے پہچاننے لگے گی۔"

"بے شک۔ کل وہ تمہیں اپنے مجازی خدا کی حیثیت سے پہچان لے گی۔ وہ دلہن تو تم سے راضی رہے گی لیکن اس کے ماں باپ کو کیسے راضی کرو گے؟"

"اس کی ماں تو بہت ہی خبیث ہے۔ وہ راضی ہو یا نہ ہو' میں اپنی دلہن کو ضرور راضی کروں گا۔"

"یہ مناسب نہیں ہے۔ اپنی ساس کو خبیث نہیں کہنا چاہئے۔"

"جب آپ کو اپنی ساس کی اصلیت معلوم ہوگی تو آپ بھی اسے یہی کہیں گے۔ اسے گالیاں دیں گے۔"

"ایسی باتیں نہ کرو۔ میں ایسا کم ظرف نہیں ہوں کہ بزرگوں کو گالیاں دوں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ آپ میں کتنا ظرف ہے۔"

"کیسی حقیقت بیان کرنا چاہتے ہو؟"

"میں ایک سٹیج آرٹسٹ ہوں۔ میری اچھی خاصی شہرت ہے لیکن آپ جیسے بزنس میں مصروف رہنے والے افراد مجھ سے واقف نہیں ہیں ورنہ آپ میرا نام سن کر ہی یہ سمجھ لیتے کہ میں سٹیج کا مشہور فنکار ہوں اور منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالتا ہوں اور کسی کی بھی آواز کی کامیابی سے نقالی کر لیتا ہوں ابھی میں جس آواز میں بول رہا ہوں' آپ اسے پہچانیں۔"

اس نے ایک ذرا توقف سے آواز نکالی اور جواد ہاشمی کی آواز اور لب و لہجے میں بولنے لگا۔ فرمان چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ توجہ سے سننے لگا' حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

جمال اختر نے جواد ہاشمی کے لب و لہجے میں کہا۔ "میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں فرمان صاحب۔ آپ مجھے پہچان رہے ہیں۔ اسی آواز نے ایک بار آپ کو فون پر کہا تھا کہ آپ کی بیوی دوسرے دن میرے کوارٹر میں آ کر مجھ سے ملنے والی ہے۔ پھر میں نے اس کوارٹر کا پتہ بھی آپ کو لکھوایا تھا۔ کیا یہ درست ہے؟"

وہ حیرانی سے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "بالکل درست ہے۔ کیا تم جواد ہاشمی کو جانتے ہو؟"

"میں اسے جانتا نہیں تھا لیکن آپ کی ساس صاحبہ نے مجھے ہزاروں روپے دیئے اس بات کے لئے کہ میں جواد ہاشمی سے جا کر ملوں۔ اس کی آواز کی نقل کروں پھر اس کی آواز میں آپ کو فون پر یہ بتاؤں کہ آپ کی بیوی اسماء جواد ہاشمی سے دوسرے صبح دس بجے ملنے والی ہے۔"

وہ تعجب سے بولا۔ "کیا وہ فون تم نے کیا تھا؟ جواد ہاشمی نے نہیں کیا تھا؟"

"بے چارے جواد ہاشمی کو تو اس بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں ہے۔ وہ اس معاملے سے بالکل بے خبر ہے۔"

"لیکن میں نے دوسرے دن اس کے کوارٹر کے سامنے چھپ کر دیکھا تھا۔ اسماء اس

سے ملنے گئی تھی؟"

"ہاں۔ دوسری طرف میں نے ہی اسماء کو جواد ہاشمی کی آواز میں کہا تھا کہ میں بہت بیمار ہوں۔ تم ایک شاعر ہونے کی حیثیت سے میری قدر کرتی ہو' عزت کرتی ہو' میرے پاس چلی آؤ۔ وہ بے چاری تو انکار کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں آئے گی مگر میں نے کہا تھا کہ اسے شوہر سے اجازت نہیں لینی چاہئے' چپ چاپ یہاں آ کر ملاقات کر لے۔ ایک بار اس بیمار کا حال دیکھ لے۔ اپنائیت کے دو بول بولے' اس کے بعد چلی جائے۔ میں نے جواد ہاشمی بن کر ایسی مجبوری اور بے بسی سے اس سے باتیں کیں اور احساس دلایا کہ میں یہاں پردیس میں بے یار و مددگار ہوں اور بیماری میں کوئی مجھے پوچھنے والا نہیں ہے تو وہ انسانی ہمدردی کے تحت دوڑی چلی گئی۔"

"تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟"

"کہہ تو رہا ہوں کہ آپ کی ساس صاحبہ نے مجھے ہزاروں روپے دیئے تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ آپ میاں بیوی میں جھگڑا ہو اور آپ کا گھر تباہ ہو جائے۔ وہ اسماء کو شاد و آباد نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔"

پھر اس نے فرمان کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔ "آپ سچ بتائیں کیا آپ اپنی بیوی سے بدظن ہو گئے ہیں؟ کیا اس پر شبہ کرتے رہے ہیں؟ میں نے سنا ہے کہ آپ دونوں میں علیحدگی ہو گئی ہے؟ عاصمہ بتا رہی تھی۔ کیا یہ علیحدگی اب تک قائم ہے؟"

وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ اس رات اسماء اس سے بار بار کچھ کہنا چاہتی تھی اور وہ اسے ٹال رہا تھا۔ اس وقت غصے میں تھا اور صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دوسرے دن وہ جواد ہاشمی سے ملنے جائے گی یا نہیں؟ اس نے دوسرے دن تک اس کی کوئی بات نہیں سنی تھی۔ شاید وہ جواد ہاشمی کے بارے میں ہی کچھ کہنا چاہتی تھی۔

جمال اختر نے پھر کہا۔ "فرمان صاحب! میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ کیا آپ اپنی بیوی پر شبہ کر رہے ہیں؟"

وہ چونک کر بولا۔ "کیا مجھے شبہ نہیں کرنا چاہئے؟ وہ مجھ سے پوچھ کر جا سکتی تھی۔ مجھ سے کہہ سکتی تھی کہ جواد ہاشمی بہت بیمار ہے۔ وہ انسانی ہمدردی کے تحت اس سے ملنا

چاہتی ہے تو کیا میں انکار کر دیتا؟ لیکن اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ مجھ سے کچھ کہے سنے بغیر میرے یہاں سے جاتے ہی وہ جواد ہاشمی سے ملنے چلی گئی تھی۔ میں اس شہر سے باہر نہیں گیا تھا۔ واپس آ گیا تھا۔ اس کا پیچھا کیا تھا اور میں نے کوارٹر تک جا کر دیکھا تھا کہ وہ اندر گئی تھی اور تقریباً پون گھنٹے تک جواد ہاشمی کے ساتھ بند کمرے میں رہی تھی۔"

"بند کمرے میں رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ گناہ گار بن گئی تھی۔ جس طرح آپ اب تک میری آواز کے ذریعے دھوکہ کھاتے رہے اور آپ کی وائف بھی دھوکہ کھاتی رہیں' اسی طرح یہ بھی دھوکہ ہو سکتا ہے۔ آپ اپنی بیوی کو سمجھنے میں غلطی کر سکتے ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ گناہ گار نہ ہوں۔ پارسا ہوں' باحیا ہوں۔ اس سے زیادہ اور میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

فرمان اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ بے چینی سے سوچنے لگا۔ "یہ کیا ہو گیا؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں اسماء کو کیا سمجھوں؟ کیا وہ گناہ گار ہے؟"

اس نے پلٹ کر جمال اختر سے کہا۔ "کیا جواد ہاشمی اس شہر میں موجود ہے؟"

"بے شک' وہ یہاں ملازمت کر رہا ہے اور اسی کوارٹر میں ہو گا۔"

"کیا تم ابھی میرے ساتھ چلو گے؟"

"بے شک۔ میں آپ لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے اور آپ دونوں کا گھر آباد کرنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ اس کی تلافی کروں گا اور آپ سزا دینا چاہیں گے تو سزا بھی پاؤں گا۔"

وہ دونوں کار میں بیٹھ کر جواد ہاشمی کے کوارٹر میں پہنچے۔ رات کے دو بجنے والے تھے۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی نیند بھری آواز سنائی دی۔ "کون ہے؟ کون اتنی رات کو آیا ہے؟"

جمال اختر نے اچانک ہی آواز بدل دی۔ اسماء کی آواز میں کہا۔ "ہاشمی صاحب! میں اسماء ہوں۔ آپ سے ملنے آئی ہوں۔"

فرمان اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ جواد نے دروازہ کھولتے ہی دونوں کو حیرانی سے دیکھا۔ پھر دور تک نظر دوڑائی۔ جمال اختر نے کہا۔ "اسماء صاحبہ یہاں نہیں ہیں۔ ہم دونوں آئے ہیں۔ یہ اسماء کے شوہر فرمان صاحب ہیں۔"

اس نے فرمان کو سلام کیا پھر مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ فرمان نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟"

"ہاں ہاں۔ ضرور تشریف لائیں۔"

وہ اندر آ کر بیٹھ گئے۔ جمال اختر نے ایک سٹیج فنکار کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا۔ پھر وہ ساری باتیں بتائیں کہ کس طرح اس نے اس کی آواز کی نقل کی تھی۔ ایک طرف جواد ہاشمی بن کر فرمان سے کہا تھا کہ اسماء دوسرے دن دس بجے ملنے کے لئے یہاں کوارٹر میں آئے گی اور دوسری طرف جواد ہاشمی بن کر اسماء سے جھوٹ کہا تھا کہ وہ سخت بیمار ہے اور اسے اس کی تیمارداری کے لئے یا مزاج پرسی کے لئے آنا چاہئے۔

جواد ہاشمی نے حیرانی سے پوچھا۔ "اچھا تو اس روز آپ نے میری آواز میں اسماء کو دھوکہ دیا تھا؟"

فرمان نے کہا۔ "صرف مجھے ہی نہیں تمہیں بھی دھوکہ دیا تھا۔ لیکن یہ اپنی غلطی کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ سچ سچ بتا دیں کہ اسماء سے آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟ کس قسم کے ہیں؟"

وہ بولا۔ "آپ یقین کریں یا نہ کریں۔ ہمارے تعلقات نہایت ہی پاکیزہ ہیں۔ اس روز وہ مجھ سے ملنے آئی تھیں۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے' میں نے ان کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ پریشان ہوتا رہا کہ آخر وہ کہاں چلی گئی ہیں؟"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر اپنی میز کے پاس گیا۔ وہاں ایک رحل پر کلامِ پاک رکھا ہوا تھا۔ اس نے کلامِ پاک کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہماری مقدس کتاب ہے۔ اسے ہاتھ میں لے کر جھوٹ بولنے والا دوزخ میں جائے گا' یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جھوٹ بولنے کی سزا ضرور دے گا۔ لہٰذا میں سچ بول رہا ہوں۔ اسماء جیسی باحیا لڑکی میں نے زندگی میں نہیں دیکھی۔ وہ ایک شاعر ہونے کی حیثیت سے میری قدر کرتی رہی تھیں اور اس روز محض مجھ سے انسانی ہمدردی کے تحت ملنے آئی تھیں۔ ہم تھوڑی دیر تک یہاں باتیں کرتے رہے۔ وہ پریشان تھیں۔ ہم اس بات پر حیران تھے کہ کس نے انہیں میری آواز میں فون کیا تھا؟ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور وہ پریشان ہو رہی تھیں۔ گھبرا رہی تھیں' ڈر رہی تھیں کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہو رہا ہے۔ کوئی ان کے

خلاف سازش کر رہا ہے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر کلام پاک کو چوم کر بولا۔ "فرمان صاحب' آپ مسلمان ہیں۔ آپ کو یقین کرنا چاہئے۔ میں نے کبھی اسماء کی ایک انگلی کو بھی ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ وہ پاکیزہ ہیں۔ جیسی پاکیزہ وہ یہاں آئی تھیں' ویسی ہی پاکیزہ وہ یہاں سے گئی تھیں۔"

یہ کہہ کر اس نے کلام پاک کو واپس رحل پر رکھ دیا۔ فرمان گم صم بیٹھا ہوا تھا اور اندر سے لرز رہا تھا۔ قرآن مجید کا حوالہ اتنا بڑا اور معتبر تھا کہ وہ جواد کے بیان کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اسے جھوٹا اور فریبی نہیں کہہ سکتا تھا۔

ایک تو اس کے لاشعور میں یہ بات بسی ہوئی تھی کہ اسماء بہت ہی حیا والی ہے' وہ مر تو سکتی ہے لیکن کبھی دوسرے مرد کی تنہائی میں نہیں جا سکتی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اسماء کے خلاف سازشیں کی جا رہی تھیں اور یہ سازشیں اس کی سوتیلی ماں کی طرف سے ہوتی رہی تھیں۔

تیسری بات یہ کہ جواد ہاشمی نے قرآن مجید کو ہاتھ میں لے کر اپنی سچائی کی قسم کھائی تھی۔ اسماء کو پاکیزہ اور پارسا کہا تھا تو ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ اس کی بات کی سچائی پر یقین کرے۔

کسی نہ کسی دن سچ کے سامنے سر جھکانا ہی پڑتا ہے اور وہ دن آ گیا تھا۔ فرمان کو سر جھکانا پڑا۔ اس نے جواد ہاشمی کو دیکھ کر کہا۔ "اسماء پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ ایک سوتیلی ماں نے اس کی زندگی میں اتنے کانٹے بکھیر دیئے ہیں کہ میں ساری زندگی انہیں سمیٹتا رہوں گا تب بھی اسے پھولوں پر نہیں چلا سکوں گا۔ پھر بھی مجھے اپنی ایک بہت بڑی غلطی کی تلافی کرنی ہے۔"

جواد ہاشمی نے کہا۔ "اگر آپ نے جانے انجانے میں اس پر کوئی ظلم کیا ہے تو پلیز آپ اس کی تلافی ضرور کریں۔ اگر اس سلسلے میں میری کسی خدمت کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔"

"کیا آپ ابھی میرے ساتھ کہیں چلنا پسند کریں گے؟"

وہ فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا۔ "بس ایک منٹ' میں لباس بدل کر آ رہا ہوں۔"

وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ پھر فوراً ہی لباس بدل کر آ گیا۔ فرمان ان کے ساتھ کار میں بیٹھ کر اپنی سسرال میں آیا۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ اس نے کال بیل کا بٹن دبایا تو تھوڑی دیر کے بعد ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔ پھر فرمان کو دیکھتے ہی سلام کیا۔ فرمان نے کہا۔ "جاؤ' اپنی بیگم صاحبہ اور صاحب کو بلا کر لاؤ۔ ہم یہاں ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ ملازم چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی شاہنواز تیزی سے چلتا ہوا آیا پھر داماد کو دیکھ کر بولا۔ "فرمان میاں! یہ اچانک اتنی رات کو کیسے آ گئے؟"

اسی وقت ثریا بھی وہاں آئی پھر جواد ہاشمی اور جمال اختر کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ فرمان نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو خیریت سے ہوں لیکن ان کی خیریت نہیں ہے۔ ذرا آپ اپنی بیگم صاحبہ سے پوچھیں کہ یہ میرے اور اسماء کے خلاف اب تک کیسے کیسے زہر اگلتی رہی ہیں اور ہماری زندگی میں کیسے کانٹے بچھاتی رہی ہیں؟"

شاہنواز نے اپنی بیگم کو گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ داماد صاحب اتنی رات کو یہاں آئے ہیں اور تمہارے خلاف باتیں کر رہے ہیں؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "میں نے........... میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ پتہ نہیں انہیں کیا غلط فہمی ہوئی ہے؟"

"میں ثابت کرنے آیا ہوں۔ مجھے کسی طرح کی غلط فہمی نہیں ہے اسی لئے دو گواہوں کو بھی ساتھ لایا ہوں اور ثبوت بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اس حاسد اور مکار عورت کے باعث آپ کی بیٹی سے میری علیحدگی ہو گئی ہے۔"

فرمان نے ثریا کو نفرت سے دیکھا پھر شاہنواز کو ساری باتیں تفصیل سے بتانے لگا۔ شاہنواز سنتا رہا اور غصے میں مٹھیاں بھینچ کر پہلو بدل کر اپنی بیگم کو دیکھتا رہا۔ اس کی باتیں ختم ہونے کے بعد جمال اختر نے کہا۔ "جناب سسر صاحب! آج آپ نے مجھے اپنے گھر سے نکالا تھا۔ میں ثابت کرنے آیا ہوں کہ اس گھر میں خود نہیں آیا تھا۔ آپ کی بیگم محترمہ مجھے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے لائی تھیں۔"

جواد ہاشمی نے کہا۔ "یہ محترمہ مجھ سے بھی آرٹ گیلری میں ملنے آئی تھیں اور بڑی میٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ سوتیلی بیٹی پر صدقے واری جا رہی ہیں

اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی بیٹی سے میری ملاقات کرائیں گی اور وہیں انہوں نے فرمان صاحب کی ہزار برائیاں کی تھیں اور کہا تھا کہ ان کی بیٹی شادی کے بعد بہت مصیبتیں جھیل رہی ہے اور فرمان صاحب سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔"

شاہنواز کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا۔ وہ ایک دم گرجتے ہوئے ثریا کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ وہاں سے بھاگنے لگی، چیخنے لگی۔ "آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ مجھے جان سے مار ڈالیں گے؟ میری بات بھی تو سنیں۔"

وہ چیختی ہوئی اپنے کمرے میں گئی پھر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ شاہنواز دروازے پر پہنچ کر اسے پیٹنے لگا۔ زور زور سے دروازے پر دستک دے کر کہنے لگا۔ "دروازہ کھولو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے میری بیٹی کی زندگی برباد کی ہے۔ تم اس گھر میں نہیں رہ سکو گی۔"

شور سن کر عاصمہ اپنے کمرے سے نکل کر آئی پھر بولی۔ "ڈیڈی! آپ اس طرح کیوں چیخ رہے ہیں؟ کیوں دروازہ پیٹ رہے ہیں؟"

وہ بولا۔ "تمہاری ماں اس دنیا کی بدترین جاہل عورت ہے۔ میں اسے دھکے دے کر اس گھر سے نکالوں گا۔"

اسی وقت فرمان آگیا۔ اپنے سسر کو تھپک کر کہنے لگا۔ "پلیز خاموش ہو جائیں۔ اس طرح شور مچائیں گے، ہنگامہ کریں گے تو آپ کی ہی بے عزتی ہوگی۔ پڑوس والے کیا سوچیں گے؟"

عاصمہ نے پوچھا۔ "فرمان بھائی! آپ کب آئے؟"

"ابھی آیا ہوں اور ڈرائنگ روم میں تمہارے میاں صاحب بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ دوڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی پھر جمال اختر کو دیکھ کر خوشی سے چہکتی ہوئی بولی۔ "ہائے۔ تم اب آئے ہو؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں؟ مجھ سے نکاح پڑھانے کے بعد مجھے یہاں چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟"

وہ بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہے۔"

"کیا میں تمہیں بھول گئی تھی؟"

"اور کیا، ٹھیک ایسے وقت جب تم دلہن بنی ہوئی تھیں اور میں تمہارا گھونگھٹ اٹھا

رہا تھا، تمہیں چھینک آگئی تھی اور تم مجھے بھول گئی تھیں۔"

وہ ہمدردی سے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے بولی۔ "اوہ سوری جمال! میں کیا کروں؟ میرے ساتھ ایسا ہو جاتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آگیا، یہی بہت ہے۔ آؤ ہم گھر چلیں۔"

"ذرا ٹھہرو۔ میں ذرا یہ تو معلوم کر لوں کہ آخر گھر میں ہو کیا رہا ہے؟ ڈیڈی بہت غصے میں ہیں۔ وہ ممی کو کمرے سے باہر آنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔"

"کمرے سے تو کیا وہ انہیں گھر سے باہر نکالنے والے ہیں۔ تمہاری ممی نے ایسی حرکتیں کی ہیں کہ انہیں کبھی معاف نہیں کیا جا سکے گا۔"

جمال اختر اسے ثریا کے بارے میں بتانے لگا۔ ادھر فرمان نے کسی طرح شاہنواز کو سمجھایا۔ وہ بھی سمجھ گیا کہ صبح تک بھی دروازہ پیٹتا رہے گا تب بھی وہ باہر نہیں نکلے گی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کی شامت آگئی ہے اور شوہر اسے گھر سے نکالنے والا ہے۔ اس نے دروازہ تو نہیں کھولا لیکن اندر سے ہی بولی۔ "فرمان بیٹے! میں تمہاری اور اسماء کی مجرم ہوں مگر خدا کے لئے اپنے سسر کو سمجھاؤ کہ وہ مجھے طلاق نہ دیں اور گھر سے نہ نکالیں۔"

فرمان نے کہا۔ "آپ نے تو ایسی ذلیل حرکت کی ہے کہ جتنی بھی سزا آپ کو دیں، کم ہے۔ پھر بھی ہم کم ظرف نہیں ہیں۔ آپ نے ہمارا گھر اجاڑا ہے، ہم آپ کا گھر نہیں اجڑنے دیں گے۔"

وہ شاہنواز کو سمجھا بجھا کر ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ عاصمہ نے کہا۔ "ڈیڈی! ابھی جمال نے مجھے بتایا ہے کہ ممی نے کیسی حرکتیں کی ہیں۔ مجھے تو سن کر شرم آ رہی ہے۔ میں جمال کے ساتھ جا رہی ہوں۔ ان کی شریک حیات بن چکی ہوں۔"

شاہنواز نے فرمان کی طرف دیکھا۔ فرمان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ دونوں درست کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے نکاح پڑھوا لیا ہے۔ آپ انہیں ان کی مرضی سے زندگی گزارنے دیں۔"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "ٹھیک ہے۔ تم اپنے مجازی خدا کے ساتھ جا سکتی ہو لیکن افسوس ہے کہ میں ایک باپ کی طرح تمہیں صحیح طریقے سے رخصت نہیں کر سکتا۔ تم دیکھ رہی ہو، تمہاری ماں نے کیسے حالات پیدا کر دیئے ہیں؟"

فرمان نے کہا۔ ”کوئی بات نہیں۔ میں انہیں ان کے گھر پہنچا دوں گا۔“

وہ چاروں باہر آئے۔ پھر فرمان کی کار میں بیٹھ کر جانے لگے۔ فرمان نے انہیں جمال اختر کے گھر تک پہنچایا پھر جواد کو اس کے گھر پہنچا کر واپسی میں سوچنے لگا۔ کیا کرے؟ کس طرح اسماء کا سامنا کرے؟ اب وہ شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے سامنے جانے سے کترا رہا تھا۔ جانا بھی بہت ضروری تھا۔

جب وہ اسماء کے بیوٹی پارلر والے بنگلے میں پہنچا تو صبح کے پانچ بج چکے تھے۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ اسماء کے سلسلے میں کچھ باتیں بھول چکا تھا۔ اس وقت یاد آیا کہ وہ صبح سویرے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھتی ہے۔ اس نے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔ صبح کے سناٹے میں کال بیل کی آواز اوپری حصے میں سنائی دی۔ وہ انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد اوپری بالکونی سے اسماء کی آواز سنائی دی۔ ”کون ہے؟“

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا سر جھکائے کھلے حصے میں آیا۔ اسماء نے اسے دیکھا تو حیران رہ گئی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو مل مل کر دیکھا تو واقعی اس کا سابقہ شوہر نیچے کھلے حصے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کا جھکا ہوا سر بتا رہا تھا کہ وہ شرمندہ ہے اور اس کے سامنے سر نہیں اٹھانا چاہتا ہے۔

وہ گم صم سی اسے دیکھتی رہی۔ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ کیوں آیا ہے اور اس کا سر کیوں جھکا ہوا ہے؟ کیا واقعی وہ شرمندہ ہے؟ کیا اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے؟

ایسے بہت سے خیالات اس کے ذہن میں آ رہے تھے مگر یقین نہیں ہو رہا تھا کہ حقیقت اس کے سامنے آ گئی ہو گی اور وہ اپنی غلطی پر پچھتا رہا ہو گا۔

بڑی دیر کے بعد اس نے پوچھا۔ ”آپ کیوں آئے ہیں؟“

اس نے سر اٹھایا تو وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس سے منہ چھپا لیا کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہو چکے تھے۔ وہ بالکونی کی طرف سر اٹھا کر بولا۔ ”میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

”کیا ابھی کچھ کہنے کے لئے رہ گیا ہے؟“

”ہاں۔ ابھی بہت کچھ ہے۔ اسی لئے میں آیا ہوں۔ پلیز دروازہ کھولو اور مجھے اندر

آنے دو۔“

”کس رشتے سے آنے دوں؟ آپ نامحرم ہو چکے ہیں۔ میں ایک مطلقہ عورت ہوں۔ میری پارسائی اسی طرح قائم رہے گی کہ میرے گھر کے دروازے پر کوئی اجنبی نہ آئے۔“

”میں اجنبی نہیں ہوں۔ ہمارے درمیان بہت گہرا رشتہ رہ چکا ہے۔ اب میں ایسا بھی اجنبی نہیں ہوں کہ تم مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرو گی۔ کیا تم اپنے کاروبار کے سلسلے میں باہر نہیں نکلتی ہو؟ غیروں سے گفتگو نہیں کرتی ہو؟ مجھے بھی ان میں سے ایک سمجھ کر باتیں کر لو۔ پلیز' دروازہ کھول دو۔“

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ وہ نیچے اتر کر آئی۔ پھر اس نے دروازے کو کھول دیا۔ اوپر بالکونی میں آ کر بولی۔ ”دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آپ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ڈرائنگ روم میں آ سکتے ہیں۔“

”شکریہ۔ میں آ رہا ہوں۔“

وہ تیزی سے چلتا ہوا اندر آیا۔ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپری حصے میں پہنچا پھر ڈرائنگ روم میں آ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک پردے کے پیچھے سے آواز سنائی دی۔ ”میں یہاں ہوں۔ آپ فرمائیں کس لئے آئے ہیں؟“

وہ چند لمحوں تک پردے کی طرف سر جھکا کر کھڑا رہا جیسے مجرم ہو اور سزا پانے کے لئے آیا ہو۔ پھر وہ پلٹ کر دوسری طرف منہ پھیر کر بولا۔ ”مجھے اپنی غلطی معلوم ہو چکی ہے۔ تم نے درست کہا تھا کہ کبھی حقیقت معلوم ہو گی تو میں پچھتاؤں گا اور واقعی اب میں پچھتا رہا ہوں۔“

اسماء مسرتوں سے بھر گئی۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کعبے کی طرف منہ کر کے سجدے میں گر گئی۔ رو رو کر کہنے لگی۔ ”میرے معبود! تُو دیر کرتا ہے لیکن اندھیر نہیں کرتا۔ تُو نے میری عزت رکھ لی' میری پارسائی ثابت کر دی۔ میں تیرا جتنا بھی شکر ادا کروں' کم ہے۔“

وہ سجدے میں گری رو رہی تھی۔ فرمان سر جھکائے کھڑا ہوا تھا اور شرم سے پانی پانی ہو رہا تھا۔

وہ سجدے سے سر اٹھا کر آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "اللہ تعالیٰ قہار ہے' جبار ہے' رحیم ہے' رحمان ہے' بے شک وہ کسی کو ذلت دینے میں قدرت رکھتا ہے اور کسی کو عزت دینے پر قادر ہے۔ اس نے چند ماہ کے لئے مجھے ذلت دی۔ شاید مجھ سے انجانے میں کوئی غلطی ہو گئی تھی۔ اس کی سزا میں پاتی رہی۔ اب مجھے پھر سے عزت مل رہی ہے۔ میری نیک نامی واپس آ گئی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ آپ کو کس طرح میری بے گناہی اور پارسائی کا یقین آ گیا ہے؟ میرے لئے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے مجھے بے گناہ تسلیم کر لیا ہے۔ اب مجھے آپ بدچلن اور فاحشہ نہیں کہیں گے۔"

"اسماء! اب مجھے شرمندہ نہ کرو۔ مجھ سے بہت بڑی بھول ہوئی ہے۔ میں کیا کرتا؟ جو کچھ آنکھوں سے دیکھا' تسلیم کرنا پڑا۔ تمہاری بھی اس میں ایک غلطی ہے۔"

"میری غلطی! وہ کیا؟"

"یہی کہ جواد ہاشمی سے ملنے جا رہی تھیں تو مجھے تو کہا ہوتا کہ وہ اس شہر میں ہے اور تم اس سے ملاقات کرنا چاہتی ہو۔ کیا میں تمہیں جانے سے روک دیتا؟"

"آپ بھول رہے ہیں۔ دوسرے دن آپ ملتان جانے والے تھے۔ اس سے ایک رات پہلے آپ دیر تک کہیں باہر رہے تھے۔ آدھی رات کے بعد گھر آئے۔ میں نے کھانے کے لئے کہا تو آپ نے انکار کر دیا۔ میں نے کچھ باتیں کرنا چاہیں تو آپ نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔ میں بار بار کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح آپ سے جواد ہاشمی کے بارے میں بات کروں لیکن آپ انکار کرتے رہے اور آپ نے مجھے ٹال دیا اور کمرے میں تنہا سو گئے۔ دوسری صبح بھی میں نے ناشتہ کرنے کے دوران میں آپ سے جواد ہاشمی کے متعلق کچھ کہنا چاہا لیکن آپ کبھی فائل میں مصروف رہے' کبھی فون کرتے رہے اور اس طرح سے مجھے ٹالتے رہے۔ آپ مجھ سے بات نہیں کر رہے تھے۔ میں کیسے آپ کی مرضی کے خاف کچھ بول سکتی تھی؟"

وہ بول رہی تھی اور اسے وہ سب کچھ یاد آ رہا تھا کہ اسماء نے اسے کتنی بار کہا تھا کہ وہ بہت ضروری باتیں کرنا چاہتی ہے لیکن اس نے اس کی بات سننے سے انکار کر دیا تھا۔ صبح ائرپورٹ جانے تک بھی اس کی کوئی بات نہیں سنی تھی۔ وہ ہاں کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "تم درست کہتی ہو۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ تم کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن

میں تم سے بدظن ہو چکا تھا۔ تم سے نفرت کر رہا تھا۔ تمہاری کوئی بات سننا نہیں چاہتا تھا۔ تمہاری آواز بھی میرے کانوں پر گراں گزر رہی تھی۔ اس لئے میں تم سے دور رہنا چاہتا تھا اور صرف اس وقت کا انتظار کر رہا تھا کہ جب تم ائرپورٹ سے واپس جاؤ' جواد ہاشمی سے ملو اور میں اپنی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھوں اور میں نے سب کچھ دیکھا اور غلط فہمی میں مبتلا ہوتا گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تمہاری سوتیلی ماں نے کس طرح سے تمہارے خلاف جال بچھایا ہے؟ اور میں اس جال میں الجھتا جا رہا ہوں۔"

"کسی نے بہکایا اور آپ بہک گئے۔ آپ سے ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی لیکن اس غلطی کی سزا آپ کو کیا ملی؟ کچھ نہیں۔ آپ کو کوئی سزا نہیں ملی۔ سزا تو مجھے ملی۔ میں سہاگن نہیں رہی' مطلقہ ہو گئی۔ آپ کی صرف ایک مہربانی نے مجھے بدنامی سے بچائے رکھا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ میں مطلقہ ہوں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں ساری زندگی آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گی۔"

"اسماء! تم بہت ذہین ہو۔ بہت سمجھدار ہو۔ تمہاری اس دور اندیشی کے باعث طلاق والی بات چھپی ہوئی ہے۔ دنیا نہیں جانتی کہ تم مطلقہ ہو اور میں نے تمہیں طلاق دی ہے۔ لہٰذا ہم پھر ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔"

وہ ایک دم سے پیچھے ہٹ گئی پھر تقریباً چیختے ہوئے بولی۔ "نہیں۔ آپ ایسی باتیں نہ کریں۔"

"میں ایسی کون سی انوکھی بات کہہ رہا ہوں؟"

"یہ ہمارے دین اسلام کے خلاف ہے۔ اب میں آپ کے سامنے نہیں آ سکتی۔ آپ کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ طلاق ہو چکی ہے۔ ہمارے دینی اصولوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور میں اس اہمیت کو کبھی نہیں بھلاؤں گی۔"

وہ آہستہ سے چلتے ہوئے' پردے کے قریب جاتے ہوئے بولا۔ "تم جذباتی ہو کر بول رہی ہو۔ ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو۔ غور کرو کہ جب میں نے طلاق دی تو ہم ایک کمرے میں تھے۔ ہمارے آس پاس کوئی نہیں تھا۔ کسی نے نہیں سنا کہ میں نے تمہیں طلاق دی۔"

"خدا سن رہا تھا۔ آپ جائیں اور کسی بھی عالم دین سے پوچھ لیں کہ کیا تنہائی میں

دی جانے والی طلاق کی اہمیت نہیں ہوتی؟ کیا وہ محض ایک مذاق ہوتا ہے جو شوہر اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے؟ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ جب کوئی نہیں دیکھتا تو خدا دیکھتا رہتا ہے اور خدا جانتا ہے کہ میں مطلقہ ہو چکی ہوں اس سے آگے اب کچھ نہ بولیں۔"

وہ تھوڑی دیر تک سر جھکائے کھڑا رہا' سوچتا رہا' پھر ٹہلنے لگا اس کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہے۔ اس سلسلے میں پھر کسی روز بات کروں گا لیکن ابھی تو تم پردہ نہ کرو۔ میرے سامنے تو آؤ۔ ہم بہت ساری باتیں کریں گے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے سامنے نہیں آ سکتی۔ ہم ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں۔"

"پلیز' ایسی باتیں نہ کرو۔ جب سے تم جوان ہوئی ہو' تب سے نہ تم نے کبھی برقع پہنا اور نہ ہی چادر لپیٹی۔ تم نے کبھی کسی سے پردہ نہیں کیا۔ مجھے ایک اجنبی سمجھو۔ جیسے تم روزانہ دنیا والوں کے سامنے آتی جاتی ہو' اپنے کاروبار کے سلسلے میں لوگوں سے ملتی ہو' بولتی ہو' اسی طرح مجھ سے بھی بول سکتی ہو۔ میں نے تمہاری طلاق والی بات مان لی مگر یہ پردے والی بات نہیں مانوں گا اور تمہیں بھی نہیں ماننا چاہئے کیونکہ تم شروع سے ہی پردے کی قائل نہیں رہی ہو۔"

اسماء نے سر جھکا کر سوچا۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ وہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں باہر جاتی ہے' شاپنگ کرتی ہے' اپنے بیوٹی پارلر کے سلسلے میں ضروری سامان خریدتی ہے۔ ایسے وقت میں غیر مردوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ سب سے ہی بولتی ہے پھر فرمان سے کیوں نہیں بول سکتی؟ وہ بھی اب غیر ہے۔ اس کے ساتھ بھی گفتگو کی جا سکتی ہے۔

اسماء نے کہا۔ "میں گھر سے باہر کاروباری سلسلے میں جاتی ہوں اور کاروبار سے تعلق رکھنے والوں سے ملتی ہوں اور ان سے بات کرتی ہوں لیکن آپ سے تو کوئی تعلق نہیں رہا۔ میں آپ سے کس سلسلے میں گفتگو کروں گی؟"

"مجھ سے اب بھی گہرا تعلق ہے۔ ہمارا بیٹا ہمارا مشترکہ سرمایہ ہے۔ یہ جتنا تمہارا ہے' اتنا ہی میرا ہے۔ اس کی پرورش کی ذمہ داری ہم دونوں پر لازم ہے۔ ہم دونوں اس کے بہتر مستقبل کی پلاننگ کر سکتے ہیں اور اس کے حوالے سے ایک دوسرے سے گفتگو کر

سکتے ہیں۔ میں جائز دلائل دے رہا ہوں۔ انہیں تسلیم کرو۔"

وہ پردے کی طرف دیکھنے لگا۔ پردے پر ہلکی سی لرزش ہوئی پھر وہ ایک طرف سرک گیا۔ اسماء سامنے آ گئی۔ چار ماہ کے بعد دکھائی دی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ اسماء کی نظریں جھکی ہوئی تھیں لیکن وہ نظریں اٹھائے جی بھر کر اسے دیکھ رہا تھا۔ جی چاہتا تھا کہ ابھی اس کے قریب جائے اور اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لے لیکن اب وہ اس کا شوہر نہیں رہا تھا۔ اپنی من مانی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ ایسی حیا والی تھی کہ اس کے سامنے بھی نہیں آنا چاہتی تھی لیکن اس نے بیٹے کا حوالہ دے کر اسے دور سے ہی سہی' تعلقات رکھنے پر مائل کر لیا تھا۔ اب وہ بیٹے کے حوالے سے ہی اس کے سامنے رہ سکتا تھا اور قربت کے باوجود اسے دور دور سے دیکھ سکتا تھا۔

اس نے پوچھا۔ "بیٹا کہاں ہے؟"

وہ ذرا طنزیہ انداز میں بولی۔ "آپ تو شاید بیٹے کا نام بھول گئے ہوں گے؟"

وہ جلدی سے بولا۔ "نہیں۔ بالکل نہیں بھولا۔ میں بھلا اپنے بیٹے کا نام بھی بھول سکتا ہوں؟ اپنے عدنان کو بھول سکتا ہوں؟ میں نے تمہیں بھی نہیں بھلایا۔ خدا گواہ ہے کہ جب تم کوٹھی سے چلی آئیں تو میں نے خود کو بہت تنہا محسوس کیا۔ تم سے بدظن ہونے کے باوجود تمہیں یاد کرتا رہا۔ کئی بار میں نے تمہیں اپنے خوابوں میں بھی دیکھا۔"

وہ فوراً ہی وہاں سے جاتے ہوئے بولی۔ "میں عدنان کو لے کر آ رہی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ وہ تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ شرمندگی ظاہر کرے گا' اپنی غلطی کی معافی مانگ لے گا تو وہ اس کے ساتھ رہنے پر راضی ہو جائے گی اور پھر سے ازدواجی زندگی کی شروعات ہو گی لیکن وہ بھول گیا تھا کہ وہ صرف حیا والی ہی نہیں ہے بلکہ پکی دین دار ہے اور دینی اصولوں کے خلاف اس کی کوئی بات نہیں مانے گی۔

وہ بچے کو دونوں بازوؤں میں اٹھائے سینے سے لگائے وہاں آئی۔ بچے کو دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آیا۔ وہ اس سے کترا کر دور ہو گئی۔ پھر ایک صوفے کے پاس آ کر اس نے بچے کو وہاں لٹا دیا پھر وہاں سے دور جا کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ بچے کو لینے کے لئے قریب آئے اور اس بہانے اسے ہاتھ لگائے۔

وہ مایوس ہوا۔ پھر بچے کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر چومنے لگا۔ سینے سے لگا کر بولا۔ "میں نے تمہاری محبت کے اس خوبصورت تحفے کو ٹھکرا دیا تھا۔ میں بھی کتنا بدنصیب ہوں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ دوپٹے سے منہ چھپا کر رو رہی تھی۔ وہ بولا۔ "میں بیٹے کو گود میں لے کر خوش ہو رہا ہوں مگر تمہیں رُلا رہا ہوں۔ میرا دل کڑھ رہا ہے۔ میں کیا کروں؟ تمہارے آنسو کیسے پونچھوں؟ اگر یہ آئندہ بھی بہتے رہے تو میں شرم سے مرتا رہوں گا۔"

وہ بولی۔ "آنسو ہمیشہ نہیں بہتے۔ جب اندر سے زخم بھرتا ہے تو اوپر سے آنکھیں خشک ہو جاتی ہیں۔ میری آنکھیں بھی خشک ہو جائیں گی لیکن اندر کا زخم کبھی نہیں بھرے گا۔"

"ہماری دنیا میں ہر زخم کا علاج ہے۔ کیا اس کا علاج نہیں ہو سکتا؟ کیا ہم کوئی تدبیر نہیں کر سکتے؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں۔ کوئی تدبیر کام نہیں آئے گی۔ آپ اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے لیکن میں تمہیں اپنے گھر چلنے کے لئے کہہ سکتا ہوں اور تمہیں چلنا چاہئے۔"

"اب میں ایک ہی چھت کے نیچے آپ کے ساتھ کیسے رہ سکوں گی؟"

"یہ دنیا والے نہیں جانتے۔ ہم ایک چھت کے نیچے رہیں گے۔ کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ تمہاری یہ دانشمندی کام آ رہی ہے کہ تم مطلقہ کی حیثیت سے بدنام نہیں ہو سکیں اور آئندہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ دنیا والوں کی زبانیں بند رکھنے کے لئے تمہیں میرے ساتھ چل کر رہنا چاہئے ورنہ کب تک علیحدگی اختیار کرو گی' دنیا والے باتیں بنانے لگیں گے۔ میں ملتان اور کراچی جاتا ہوں تو وہاں تمام رشتہ دار پوچھتے ہیں کہ کیا علیحدگی ختم ہو چکی ہے۔

"اتنے ماہ گزر چکے ہیں۔ آئندہ بھی وہ یہی سوال کریں اور کیا ہم انہیں یہی کہتے رہیں گے کہ ہم الگ الگ رہتے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے؟ پھر تو سب ہی کو شبہ ہوگا۔ کیا تم

مطلقہ کی حیثیت سے بدنام ہونا چاہتی ہو؟"

وہ اس کی باتیں سن رہی تھی' گہری سوچ میں پڑ گئی تھی۔ بے شک اس نے اسی دن کے لئے درخواست کی تھی کہ وہ طلاق دینے والی بات کسی پر ظاہر نہ کرے کبھی تو وہ اس کی طرف پلٹ کر آئے گا۔ اپنی غلطی کا احساس کرے گا اور اس کی پارسائی کو تسلیم کرے گا اور آج وہ دن آ گیا تھا۔ خدا اس پر مہربان ہو گیا تھا۔ آئندہ وہ مطلقہ کی حیثیت سے بدنام ہونے والی نہیں تھی۔

لیکن اس کا ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ اس کی کوٹھی میں جائے اور ایک ہی چھت کے نیچے رہے اور اسے ایسا کرنا ہی تھا۔

☆======☆======☆

وہ ڈائری لکھنے کی عادی تھی۔ جس دن طلاق ہوئی تھی' اس دن بھی اس نے ڈائری میں لکھا تھا کہ کس طرح کن حالات میں فرمان نے اسے طلاق دی ہے اور اس نے التجا کی تھی کہ طلاق کی بات کسی پر ظاہر نہ کرے۔ لہٰذا یہ بات چھپائی گئی تھی۔

وہ مطلقہ ہونے کے باوجود بدنام نہیں ہے۔ کوئی اسے طلاق یافتہ نہیں سمجھ رہا ہے اور نہ ہی اس کے کردار پر شبہ کر رہا ہے۔ پہلے بھی اس کی نیک چلنی پر کسی کو شبہ نہیں تھا۔ اب بھی کوئی شبہ نہیں کر رہا تھا۔

اس نے ڈائری میں لکھا تھا کہ اسے خدا پر بھروسہ ہے۔ وہ انتظار کر رہی ہے کہ کسی نہ کسی دن تو فرمان کو اس کی پارسائی کا یقین ہوگا تو وہ اپنے غلط فیصلے پر پچھتائے گا۔ پھر جس دن وہ پچھتانے کے لئے اس کے پاس آیا تو اس دن بھی اس نے ڈائری میں لکھا کہ آج خدا مجھ پر مہربان ہو گیا ہے۔ آج میرے دامن کا داغ دھل گیا ہے۔

میں اپنے سابقہ شوہر کی نظروں میں گرنے کے بعد پھر اس کے لئے قابل اعتماد ہو چکی ہوں لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ میرے قابل اعتماد ہونے کے باوجود ہم اب ایک دوسرے سے رجوع نہیں کر سکیں گے اور ہمیشہ ایک دوسرے سے دور رہ کر ایک ہی چھت کے نیچے زندگی گزاریں گے۔

وہ پھر اسی کوٹھی میں آ گئی تھی اور اب اوپری حصے میں رہتی تھی۔ فرمان نیچے اپنے بیڈروم میں رہتا تھا۔ دونوں کے کمرے اور بستر الگ ہو چکے تھے۔ وہ رات کو تنہائی میں

کروٹیں بدلتی تھی اور ڈائری لکھتی تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ وہ میرے لئے بہت بے چین رہتے ہیں۔ ایک تو اپنی غلطی پر پچھتا رہے ہیں۔ پھر ان کی محبت اور دیوانگی کو تو میں شادی سے پہلے بھی سمجھ گئی تھی۔ انہوں نے میری ڈائری چھپا کر رکھی تھی۔ شادی سے پہلے بھی مجھ پر شبہ کیا تھا۔ یہ ان کی چاہت اور دیوانگی تھی کہ وہ میرے بارے میں پوری طرح تحقیقات کر رہے تھے اور مجھے صرف اپنا اور اپنا بنا کر رکھنے والے تھے۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ شکی مزاج شوہر کا اعتماد کمزور ہوتا ہے۔ بہرحال جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب نئے مسائل سامنے آ رہے ہیں۔ یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ ہم ایک ہی چھت کے نیچے کب تک دور دور رہیں گے؟"

پھر ایک رات اس نے ڈائری میں لکھا۔ "آج تو حد ہو گئی۔ انہوں نے اچانک ہی میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے خود کو چھڑوایا۔ وہاں سے بھاگ کر آ گئی لیکن دل بری طرح دھڑکتا رہا۔ اسی طرف مائل ہوتا رہا۔ میں بے چین ہو گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ خود کو کیسے سنبھالوں اور فرمان کی طرف جانے سے کیسے اپنے آپ کو روکوں؟ خدا جانتا ہے کہ میں کیسے اپنے فضول جذبات کو کچلتی رہی تھی؟"

☆======☆======☆

دن مہینے گزر رہے تھے۔ سال بھی گزرتے گئے۔ ہر سال ڈائری بدلتی گئی۔ دو برس کے بعد اسماء کے ڈیڈی کا انتقال ہو گیا۔ اس کی سوتیلی ماں اپنی بیٹی عاصمہ اور داماد کے ساتھ وہ شہر چھوڑ کر چلی گئی۔

تین برس اور گزر گئے۔ فرمان کا دوست جلال اکبر ٹرانسفر ہو کر پھر لاہور آ گیا۔ اس کی ترقی ہوئی تھی۔ وہ ڈی آئی جی بن گیا تھا۔ اس دوران میں وہ کبھی کبھی چھٹیوں میں اپنی بیوی کے ساتھ آتا رہا تھا اور کبھی فرمان، اسماء کے ساتھ کراچی جاتا رہا تھا۔ ان کے ہاں ایک بیٹی نے جنم لیا تھا اور انہوں نے اس کا نام نور العین عرف عینی رکھا تھا۔

وہ چار برس کی تھی اور عدنان پانچ برس کا ہو چکا تھا۔ دونوں سکول پڑھنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ ان دونوں کا ساتھ دیکھ کر ان دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر عینی اور عدنان

جوان ہو کر بھی ایک دوسرے کو چاہتے رہیں گے۔ ایک دوسرے کی طرف مائل رہیں گے تو انہیں رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے گا۔

ایک رات اسماء نے ڈائری میں لکھا۔ "اب بہت ساری خوشی مل رہی ہے۔ میرا بیٹا بڑا ہو رہا ہے۔ سکول جا رہا ہے اور عینی بہت خوبصورت ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ابھی سے بہو بنا کر اسے گھر لے آؤں لیکن یہ بچگانہ خیالات ہیں۔

"ہم بظاہر خوش ہیں لیکن اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ قریب ہوتے ہوئے بھی دوری کا کانٹا کھٹکتا رہتا ہے۔ اب تو برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ فرمان تو کبھی کبھی بے قابو ہو جاتے ہیں، حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ آج تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میں حلالہ کے اصول کے مطابق کسی سے شادی کروں پھر اس سے طلاق لے کر ان سے رجوع کروں اور یہ ایسی بات ہے جسے میں سن کر کانپ گئی ہوں۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں تو شرم کے مارے فرمان سے ہی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی اور جب شادی کی تھی تو سہاگ رات ان کے ساتھ گزارنے پر راضی نہیں ہوئی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی میرے بدن کو دیکھے، خواہ وہ میرا شوہر ہی کیوں نہ ہو۔

"لیکن شادی کے بعد عورت کو اپنے شوہر کے سامنے جھکنا ہی پڑتا ہے اور میں جھک گئی لیکن یہ تو کبھی ہو نہیں سکتا کہ میں کسی دوسرے کو بھی شوہر بناؤں۔ اس سے شادی کروں۔ اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کروں۔ پھر وہ شخص مجھے اپنی مرضی سے طلاق دے تو اس کے بعد میں پھر عدت کے دن گزاروں اور پھر فرمان کے پاس آ کر شادی کروں۔ یہ سب سوچ کر ہی مجھے الجھن سی ہوتی ہے۔ نہیں میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔"

دوسری رات فرمان نے اسے سمجھایا۔ "تم میرے بغیر نہیں رہ سکتیں اور میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یقین کرو کاروبار میں دل نہیں لگ رہا ہے۔ ذہن تمہاری طرف ہی بھٹکتا رہتا ہے۔ میں بڑے غلط فیصلے کرنے لگا ہوں۔ ایک جگہ تو مجھے لاکھوں روپے کا نقصان ہوا ہے۔ کیا تم چاہو گی کہ میں ایسے ہی نقصانات اٹھاتا رہوں؟"

اس نے پریشان ہو کر فرمان کو دیکھا پھر کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ آپ کیوں میرے بارے میں اتنا سوچتے ہیں؟ کیوں ایسے نقصانات اٹھا رہے ہیں؟"

"میں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا ہوں۔ آپ ہی آپ ایسا ہو رہا ہے اور تم میری دیوانگی کو خوب سمجھ رہی ہو۔"

"میرے سمجھنے سے کیا ہوتا ہے؟ میں دوسری شادی ہرگز نہیں کروں گی۔ یہ سراسر بے شرمی ہے۔ میں نے پہلی شادی آپ سے کسی طرح کرلی' اس شادی کو اپنے طور پر نباہ لیا۔ بس یہی بہت ہے۔"

وہ بولا۔ "کیا میں اس سلسلے میں جلال اکبر سے بات کروں؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "ہماری طلاق والی بات آج تک جلال بھائی کو بھی معلوم نہ ہو سکی۔ یہ بات ان کی زبان سے ان کی بیگم تک پہنچے گی پھر بیٹی تک پہنچے گی۔ کبھی تو وہ جوان ہوگی' میری بہو بنے گی تو مجھے گری ہوئی نظروں سے دیکھے گی۔ وہ طعنے بھی دے سکتی ہے کہ میں مطلقہ ہوں۔ میں نے ایک نہیں دو شادیاں کی ہیں۔ دو مردوں کے ساتھ راتیں گزاری ہیں۔ توبہ توبہ' ایسا سوچنے اور بولنے سے ہی یوں لگتا ہے جیسے میں ذلت کی پستیوں میں گر رہی ہوں۔ بے شرمی کی انتہا کر رہی ہوں۔"

"تم ایک بات بتاؤ۔ کیا محبت کرنے والے ایک دوسرے کے لئے قربانی نہیں دیتے؟ کیا تم میرے لئے یہ قربانی نہیں دو گی؟ اگر یہ بے حیائی ہے تو اس بے حیائی کو میری خاطر برداشت کرو گی۔"

پھر وہ ایک توقف سے بولا۔ "تم دینی اصولوں پر بہت فخر کرتی ہو۔ کیا ہمارے یہ دینی اصول غلط ہیں؟ کیا ان میں بے حیائی ہے؟ نہیں اسماء! ہرگز نہیں۔ بے حیائی اس لئے نہیں ہے کہ تم باقاعدہ کسی کے ساتھ نکاح پڑھاؤ گی۔ اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرو گی۔ جب ہمارے دینی اصول قابل فخر ہیں اور قابل عمل ہیں تو تمہیں عمل کرنا چاہئے۔"

وہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ اس سے کوئی جواب بن نہیں پا رہا تھا۔ اگر وہ حلالہ کے مرحلے سے گزرنے سے انکار کرتی رہتی تو یہی بات سامنے آتی کہ وہ دینی اصول کی مخالفت کر رہی ہے۔ ایسے اصول سے منکر ہو رہی ہے۔ وہ انکار نہیں کرنا چاہتی تھی اور اقرار بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسا بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ویسا بھی نہیں کرنا چاہتی مشکل میں پڑ گئی تھی۔

فرمان غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا۔ "میں بس ایک ہی بات جانتا ہوں کہ تم میری خاطر کسی سے شادی کرو گی پھر وہ شخص تمہیں طلاق دے گا۔ اس کے بعد تم مجھ سے رجوع کرو گی۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں کھانا پینا چھوڑ دوں گا اور تم دیکھنا میں کل صبح سے ایک دانہ بھی منہ میں نہیں رکھوں گا۔ پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں پیوں گا اور دفتر بھی نہیں جاؤں گا۔ سارے کاروبار کی ایسی کی تیسی کر دوں گا۔"

وہ یہ کہہ کر غصے سے پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا پھر اس نے جو کہا' وہی کیا۔ دوسرے دن سے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ وہ اسے سمجھاتی رہی' مناتی رہی۔ کھلانے کی کوشش کرتی رہی لیکن اس نے ایک دانہ بھی منہ میں نہیں رکھا۔ صبح سے شام ہو گئی۔ پھر شام سے رات گزرنے لگی۔ وہ مشکل میں پڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟

فرمان بھوک پیاس سے نڈھال ہو کر بستر پر گر پڑا تھا۔ اب تو جیسے وہاں سے اٹھنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ پتہ نہیں دوسرے دن تک کیا ہونے والا تھا؟ وہ رونے لگی' گڑگڑانے لگی۔ ہاتھ جوڑ کر بولی۔ "خدا کے لئے ایسا نہ کریں' مجھے امتحان میں نہ ڈالیں۔"

وہ بڑی نقاہت سے بولا۔ "محبت کے لئے میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔ کیا تم نہیں دے سکتیں؟ بولو مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ میری جان لینا چاہتی ہو تو پھر دیکھ لو کہ میں کس طرح تمہارے لئے اپنی جان دے رہا ہوں۔ بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔"

وہ سر جھکا کر وہاں سے چلتے ہوئے فریج کے پاس آئی۔ یہ سمجھ گئی کہ فرمان ضدی ہے اور ضد میں اپنی جان دے دے گا۔ پھر وہ بھی اسی طرح پچھتائے گی جس طرح فرمان طلاق دینے کے بعد آج تک پچھتا رہا تھا۔ وہ فریج سے جوس سے بھرا ہوا ایک گلاس نکال کر لے آئی۔ پھر اس کے پاس آ کر بولی۔ "اٹھیں اور میرے ہاتھوں سے یہ جوس پی لیں۔"

"میں نے کہہ دیا ہے کہ نہیں پیوں گا۔"

"میں آپ کے حکم پر سر جھکا لوں گی پھر تو پئیں گے؟"

وہ خوش ہو کر اسے دیکھتے ہوئے بڑی کمزوری سے اٹھ کر بیٹھ گیا پھر بولا۔ "اسماء! کیا میرے کان جو کچھ سن رہے ہیں' وہ سچ ہے؟ تم........ تم میری بات مان لو گی؟ تم محبت

کے امتحان سے گزر جاؤ گی؟"

اس نے سر جھکا لیا۔ پھر ایک ہاتھ سے گلاس کو اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اسے لے کر پینے لگا۔ وہ بولی۔ "لیکن میری ایک شرط ہے۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ پھر بولی۔ "ایک بار آپ نے میری عزت رکھی۔ کسی کو نہیں بتایا کہ مجھے طلاق دی ہے۔ اب بھی یہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں کسی دوسرے سے شادی کرنے والی ہوں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "تم مجھ پر بھروسہ کرو۔ میں تمہاری شرم و حیا کو سمجھتا ہوں۔ کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دوں گا۔ دوسری شادی اتنی رازداری سے ہوگی کہ میرے جگری دوست جلال اکبر کو بھی اس کی خبر نہیں ہوگی۔"

"لیکن جس سے میری شادی ہوگی' وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بہت کچھ کہہ سکتا ہے۔"

"میں نے بہت کچھ سوچا ہوا ہے اور بڑی پلاننگ کی ہوئی ہے۔ میرا ایک دوست ہے۔ اس کا آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ وہ کبھی ادھر نہیں آتا۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ فرمان نے ندامت سے دیکھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ آئندہ ہونے والی شادی کو بے حیائی سمجھ رہی ہے۔ شادی کو نہیں بلکہ اس مرحلے سے گزرنے کو جب کہ وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ رہے گی اور وہ اس کے جسم و جان کا مالک ہوگا۔ وہ پہلی شادی کے وقت ایسا نہیں چاہتی تھی۔ پھر اب دوسری شادی کو کیسے برداشت کر سکتی تھی لیکن منہ چھپا کر رو رہی تھی۔ جس نے زخم لگائے تھے' اسی کی خاطر بہت کچھ برداشت کرنے والی تھی۔

☆======☆======☆

دو دن کے بعد فرمان لندن چلا گیا۔ جلال اکبر سے یہی کہا کہ کام کے سلسلے میں جا رہا ہے لیکن وہاں پہنچ کر اس نے اپنے دوست عاطف سے ملاقات کی۔ اسے اپنے اور اسماء کے تمام حالات بتائے۔ وہ سر جھکا کر سنتا رہا پھر تعریفی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "ہماری بھابی تو واقعی قابل تعریف ہیں۔ ایسی شرم والی عورتیں کہاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ یورپ کے ماحول میں تو دکھائی ہی نہیں دیتیں۔ یہی سوچ کر فخر حاصل ہوتا ہے کہ ہمارے

مشرق میں ابھی ایسی عورتیں ہیں۔"

فرمان نے کہا۔ "اسماء نے تو شرم و حیا کی انتہا کر دی ہے۔ بے شک طلاق کے بعد حلالہ کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ جو عورتیں شرم و حیا والی ہوتی ہیں' وہ کبھی اس مرحلے سے گزرنا نہیں چاہتیں۔ پھر کبھی زندگی میں کسی سے شادی نہیں کرتیں لیکن میں نے اسماء کو مجبور کر دیا ہے۔"

وہ بولا۔ "تعجب ہے۔ وہ کیسے راضی ہو گئیں؟"

"میں تو تھک ہار گیا تھا۔ وہ مان نہیں رہی تھی۔ آخر ایک ہی حربہ استعمال کیا کہ بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ صبح سے شام' شام سے رات ہو گئی۔ میں نے ایک دانہ بھی منہ میں نہیں رکھا نہ ہی ایک گھونٹ پانی کا پیا۔ تب وہ بے چین ہو گئی۔ وہ مجھے مشکل میں نہیں دیکھ سکتی۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ میں اس پر قربان ہوتا رہتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہاری محبت نے اسے کمزور بنا دیا ہے؟"

"ہاں۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ میں بھوکا پیاسا رہ کر جان دے دوں گا اور تم یقین کرو کہ میں یہی کرتا۔ میں اس سے فراڈ نہیں کر رہا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میں نے اسے طلاق دینے کی جو غلطی کی ہے اس کی تلافی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ یا تو اسے پھر اپنے رشتہ ازدواج میں لے آؤں یا بھوکا پیاسا رہ کر مر جاؤں۔ مجھے کچھ تو سزا ملنی ہی چاہئے۔ مجھے کوئی سزا دینے والا نہیں ہے لیکن میں خود کو سزائے موت دے سکتا تھا۔ ایسے میں مجھے اسماء نے سزائے موت سے بھی بچا لیا۔"

"بھابی بہت عظیم ہیں۔ میں انہیں سلام کرتا ہوں۔"

"تم......... فی الحال اسے بھابی نہ کہو۔ وہ میری شریک حیات نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ وہ حلالہ کے مرحلے سے گزرنے پر راضی ہو گئی ہیں تو پھر میری بھابی بن جائیں گی۔"

"لیکن اس کی ایک شرط ہے۔ وہ کہتی ہے کہ بڑی رازداری سے شادی ہو۔ جس طرح ہماری طلاق کی بات کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح یہ بات بھی کسی کو معلوم نہ ہو کہ اس نے کسی سے دوسری شادی کی تھی پھر اس سے طلاق لینے کے بعد میرے پاس بیوی بن کر آ گئی ہے۔"

"بے شک۔ ان کی شرم و حیا کا تقاضا یہی ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے کہ کسی کو اس بات کی خبر نہ ہو تو بہتر ہے۔"

"لیکن یہ بات راز میں کیسے رکھی جائے گی؟ جس سے بھی دوسری شادی ہوگی۔ اس کے رشتے داروں کو معلوم ہوگا یا وہ اپنے رشتے داروں کو بتادے گا۔"

"ایسے کسی شخص کو رازدار نہیں بنانا چاہئے۔ رازدار تو وہی ہو سکتا ہے جس پر تمہیں پورا اعتماد ہو اور یقین ہو کہ وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا۔"

فرمان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مجھے تم پر اعتماد ہے۔"

اس نے چونک کر فرمان کو دیکھا پھر بولا۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی.......... کہ تم اس دنیا میں اکیلے ہو۔ تمہارا آگے پیچھے کوئی رشتہ دار نہیں اور نہ ہی تم کسی سے گہری دوستی رکھتے ہو۔ کسی کو رازدار نہیں بناتے ہو۔ میرا راز تمہارے سینے میں دفن رہے گا۔ تم اسماء سے شادی کر کے اسے طلاق دے سکتے ہو۔ میرے لئے اسے آزاد کر سکتے ہو۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر دوسری طرف جا کر بولا۔ "یار! تم مجھے مشکل میں ڈال رہے ہو۔"

اس نے پوچھا۔ "مشکل کیسی؟"

"تم نے اسماء بھابی کے بارے میں جتنی باتیں بتائیں' اس کے بعد میرا سر ان کی عظمت اور کردار کے سامنے جھک گیا ہے۔ میں ان سے کیسے شادی کروں' کیسے ان سے ازدواجی تعلق قائم کروں؟ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔"

"اب تم بھی اسماء کی طرح مجھے پریشان کرو گے۔ طرح طرح کے بہانے کرو گے۔ سیدھی بات کرو۔ تم میرے دوست ہو۔ میری بات مان لو اور اگر اسماء کی عزت کرتے ہو' اس کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہو تو یہی کر سکتے ہو کہ اس سے شادی کرو۔ اس کے بغیر وہ میرے پاس نہیں آسکے گی اور نہ ہی کبھی خوش رہ سکے گی۔ کیا تم اسے خوش دیکھنا نہیں چاہتے؟"

وہ ہاں کے انداز میں سرہلا کر بولا۔ "جب تم اسماء کے بارے میں بتا رہے تھے تو میں اس سے متاثر ہو رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ میں اس عظیم عورت کے لئے کیا کر سکتا

ہوں؟ اب میری سمجھ میں آ رہا ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ اسے کسی طرح تمہارے پاس پہنچا سکتا ہوں اور تمہارے پاس پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ میں تمہاری بات مان لوں۔"

فرمان خوشی سے اچھل پڑا۔ آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گیا پھر بولا۔ "تم نے میرے سر سے پہاڑ اتار دیا ہے۔ میں تم پر اندھا اعتماد کرتا ہوں۔ اسی لئے پاکستان سے چل کر اتنی دور تمہارے پاس آیا ہوں۔"

وہ فرمان کو تھپکتے ہوئے بولا۔ "میرے دوست میں تمہارا اعتماد قائم رکھوں گا۔ تم جو بولو گے وہی کروں گا۔"

"میں ایک ہفتے کے بعد اسماء کے ساتھ یہاں آؤں گا۔ تم قاضی سے بات کر کے تمام معاملات طے کر لو۔ شادی میں صرف میں رہوں گا' تم رہو گے اور قاضی صاحب رہیں گے اور اسماء رہے گی۔ اگر قاضی صاحب دو چار گواہوں کا کہیں گے تو دو چار انگریز دوستوں کو پکڑ لینا۔ وہ کسی سے کچھ کہنے سننے کے لئے پاکستان کبھی نہیں آئیں گے۔ اس طرح یہ بات راز میں رہے گی۔"

کوئی راز ہمیشہ راز نہیں رہتا۔ کسی بات کو کتنا ہی چھپا کر رکھو' وہ ایک دن کھل جاتی ہے۔ آج تک تو یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ بات کبھی نہیں چھپتی ہے لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ جو بات چھپ گئی ہو' جو راز کبھی ظاہر نہیں ہوئے' وہ ہمیشہ راز ہی رہے اور دنیا والوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ کہیں کیا ہو چکا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ اسماء کا راز بھی کوئی جان نہ پاتا اور اس کی شرم رہ جاتی۔ وہ سب اپنی سی کوششیں کر رہے تھے۔

☆======☆======☆

فرمان لندن سے واپس آ گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اسماء اس کی خوشی کو دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ بات بنا کر آیا ہے۔ اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی کہا۔ "میں بہت خوش ہوں۔"

وہ بولی۔ "وہ تو آپ کے چہرے سے ہی ظاہر ہو رہا ہے۔"

"میں عاطف کا ذکر کر چکا ہوں۔ وہ بہت ہی قابل اعتماد ہے۔"

وہ آگے نہ بول سکا۔ اسماء نے اسے کچھ کہنے سے روک دیا پھر بولی۔ "پلیز! آپ کسی

بھی غیر مرد کا ذکر نہ کریں۔ میں نہیں سنوں گی۔"

"کیا تم پھر اپنا ارادہ بدل رہی ہو؟"

"نہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ پھر بھوک ہڑتال کریں۔ آپ جو کہیں گے' وہ کروں گی لیکن اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔"

شرم و حیا کا تقاضا یہی تھا کہ بات پردے میں رہے۔ جو ہونا ہے وہ چپ چاپ ہو جائے۔ کوئی کسی سے کچھ نہ کہے۔ وہ بولا۔ "میں کچھ نہیں بولوں گا۔ بس اتنا کہوں گا کہ ہم آج سے پانچویں دن لندن جا رہے ہیں۔ میں روانگی کے تمام انتظامات کرنے والا ہوں۔"

وہ خاموش رہی۔ دل ہی دل میں سوچتی رہی کہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا یہ ضروری ہے؟ اس کے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی؟ فرمان مجھے کیوں مجبور کر رہے ہیں؟ کیوں اتنے دیوانے ہو گئے ہیں؟ اگر میں ان کی بات نہیں مانوں گی تو یہ بھوکے پیاسے رہیں گے۔ کاروبار کی طرف دھیان نہیں دیں گے۔ لاکھوں کروڑوں روپے کا نقصان اٹھاتے رہیں گے۔

وہ تنہائی میں عدنان کو سینے سے لگا کر اسے چوم کر کہتی تھی۔ "بیٹے! تمہارے باپ نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

وہ سوچتی تھی اور تصور میں دیکھتی تھی کہ کوئی اس کا دولہا بن کر آیا ہے تو ایک دم سے چونک جاتی تھی۔ ذہن کو جھٹک کر دوسری طرف دھیان بٹانے لگتی تھی۔ اس کے دل و دماغ اور روح کی گہرائیوں میں شرم و حیا ایسی رچی بسی ہوئی تھی کہ وہ اپنے آپ کو دوسری شادی کے لئے آمادہ نہیں کر پا رہی تھی۔

اس نے فرمان سے وعدہ تو کر لیا تھا لیکن بڑی کشمکش میں تھی۔ آخر ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ "میں فرمان کے سامنے نہیں رہوں گی' ان کی نظروں سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جاؤں گی تو پھر وہ مجھے کیسے طلب کریں گے؟ وہ صبر کریں گے۔ میں مر جاؤں گی تو انہیں صدمہ ہو گا لیکن مرنے والوں کے لئے کوئی ساری زندگی نہیں روتا۔ انہیں بھی صبر آ جائے گا اور وہ اپنے بیٹے عدنان سے بہلتے رہیں گے۔"

راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ وقت پر سونے کے لئے وہ خواب آور گولیاں کھانے لگی تھی۔ اس کے پاس ایک شیشی میں اچھی خاصی گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ جب وہ

فرمان کے ساتھ لندن جانے کے لئے روانہ ہوئی تو اس نے اپنے سامان میں ان گولیوں کی شیشی رکھ لی۔ فرمان نے پوچھا۔ "تم نے اتنی ساری گولیاں کیوں رکھی ہیں؟"

"میں ایک ساتھ تو اتنی ساری گولیاں نہیں کھاتی ہوں۔ بس ایک رات میں ایک گولی ہی کافی ہوتی ہے۔"

"تمہیں پتہ ہے یہ بہت ہی زود اثر گولیاں ہیں۔ اگر دو چار کھا لو گی تو پھر سونے کے بعد جاگ نہیں سکو گی۔"

"اس شیشی کے ساتھ جو ہدایت نامہ ہے' میں اسے پڑھ چکی ہوں۔ میں جانتی ہوں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں ایک گولی سے زیادہ نہیں کھاؤں گی۔"

وہ لندن پہنچ گئے۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ دلہن تو بن جائے گی اور فرمان کی تسلی کے لئے نکاح بھی قبول کر لے گی لیکن بند کمرے میں کسی دوسرے کو برداشت نہیں کرے گی۔ وہ آئے گا تو اس سے پہلے ڈھیر ساری گولیاں کھا لے گی' ہمیشہ کے لئے سو جائے گی۔ پھر کوئی اس کے پاس آئے گا' اس کے بدن کو ہاتھ لگائے گا تو اسے خبر نہیں ہو گی۔ وہ تو قیامت کے دن ہی آنکھیں کھولے گی۔

عاطف ان کا استقبال کرنے کے لئے ائرپورٹ آیا تھا۔ وہ نہ اسے دیکھنا چاہتی تھی نہ خود کو دکھانا چاہتی تھی۔ اس نے سر کے آنچل کو کھینچ کر گھونگھٹ بنا لیا تھا۔ عاطف نے اس کی حرکتوں سے سمجھ لیا تھا کہ وہ اس سے کترا رہی ہے۔ اس نے بھی اسے زیادہ مخاطب نہیں کیا اور نہ ہی کوئی بات کی۔ وہ بولا۔ "میں بہت مصروف ہوں۔ صرف تمہارا استقبال کرنے آیا تھا۔ مجھے اب اجازت دو۔ میں ایک بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں۔"

فرمان نے پوچھا۔ "کیا سارے انتظامات ہو چکے ہیں؟"

"ہاں۔ سب انتظامات ہو چکے ہیں۔ کل شام قاضی صاحب تمہارے اپارٹمنٹ میں آئیں گے۔ وہاں نکاح کی رسم ادا کر دی جائے گی۔"

وہ شام کو لندن پہنچے تھے۔ عاطف کسی ضروری کام سے چلا گیا تھا یا اسماء سے کترا رہا تھا؟ اس رات اسماء نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "فرمان! بس آج کی رات ہے۔ کل مجھے بہت بڑے امتحان سے گزرنا ہے۔ کیا میرے حال پر رحم نہیں کریں گے؟ کیا اپنا فیصلہ نہیں بدلیں گے؟"

"پلیز اسماء! ایسی باتیں نہ کرو۔ بس آج کی رات گزار لو۔ کل کی رات بھی کسی طرح گزر ہی جائے گی۔ اس کے بعد ہماری منزل آسان ہو جائے گی۔ ہم پھر ایک ہو جائیں گے۔"

رات کے کھانے کے بعد وہ دونوں الگ الگ کمروں میں سونے کے لئے چلے گئے۔ اسماء کو نیند نہیں آ سکتی تھی۔ وہ ڈائری لکھنے کے لئے بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ آنکھیں پونچھ رہی تھی اور لکھ رہی تھی۔

"آدھی رات گزر چکی ہے اور مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔ میرا بیٹا بستر پر لیٹا ہوا ہے۔ آج اپنے بیٹے کے ساتھ میری آخری رات ہے۔ کل جو رات آئے گی' وہ بڑی قاتل ہوگی۔ مجھے میرے بیٹے اور سابقہ شوہر سے ہمیشہ کے لئے دور کر دے گی۔ میں خواب آور گولیوں کی شیشی اپنے ساتھ رکھوں گی۔ اس کے ساتھ جو ہدایت نامہ ہے' اس میں لکھا ہے کہ ایک یا دو گولی سے زیادہ نہیں کھانا چاہئے۔ میں دس گولیاں کھاؤں گی۔ اس کے بعد بھی مٹھی میں چند گولیاں چھپا کر رکھوں گی۔ اگر اثر نہ ہوا تو مٹھی بھر گولیاں حلق سے اتار لوں گی۔"

اس کے سامنے ایک ہی راستہ رہ گیا تھا۔ اپنی شرم و حیا کو قائم رکھنے کے لئے اس نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ بہت دیر تک ٹھہر ٹھہر کر کچھ نہ کچھ لکھتی رہی پھر اپنے بیٹے کے پاس آ کر لیٹ گئی۔ اسے سینے سے لگا کر رونے لگی۔

وہ بڑی دیر تک جاگتی رہی۔ صبح ہونے کو آئی تو آنکھ لگ گئی۔ پھر وہ دن چڑھے تک سوتی رہی۔ فرمان اس کے کمرے میں آیا تو وہ اپنے بچے کے ساتھ بے خبر سو رہی تھی۔ اس نے فون کے ذریعے عاطف سے رابطہ کیا پھر اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس کے ساتھ پروگرام بنانے لگا کہ سارا دن کہاں جانا ہے؟ کیا کرنا ہے؟ اور اسے کس طرح اسماء کا دل بہلانا ہے؟

صبح نو بجے عدنان کسمسایا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے تھپک تھپک کر سلانے لگی۔ پھر اس نے میز کی طرف دیکھا تو وہاں ڈائری کھلی پڑی تھی۔ اس نے وہاں آ کر ڈائری کو اٹھایا' اسے بند کیا پھر اسے اپنے اٹیچی میں رکھ لیا۔ خواب آور گولیوں کی شیشی اس کے پرس میں رکھی ہوئی تھی۔ دلہن بننے کے بعد اس کے ساتھ کوئی سامان جاتا

نہ جاتا' پرس تو ضرور اس کے پاس رہتا اور وہ شیشی بھی اسی میں رہتی۔

اس نے پرس میں سے شیشی نکال کر اسے دیکھا پھر اسے سینے سے لگا کر تھوڑی دیر سوچتی رہی۔ موت آسان لگ رہی تھی لیکن بیٹے کو چھوڑ کر جانا مشکل لگ رہا تھا۔ اپنے دل کو سمجھا رہی تھی کہ فرمان اس کے بیٹے کو ماں اور باپ دونوں کی محبت دے گا۔

اس نے ایک گہری سانس لی۔ شیشی کو پرس میں رکھ کر اسے بند کیا پھر واش روم میں چلی گئی۔ اس روز اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ دن کبھی نہ گزرے۔ کبھی شام نہ آئے یا شام آنے سے پہلے حالات اس طرح سے بدل جائیں کہ اسے دلہن نہ بننا پڑے۔ کسی آزمائش سے نہ گزرنا پڑے۔

کسی کے سوچنے سے وقت تھم نہیں جاتا۔ وہ تو گزرتا ہی چلا جاتا ہے۔ شام ہوئی تو قاضی صاحب عاطف کے دو چار دوستوں کے ساتھ وہاں آ گئے۔ انہوں نے اسماء کا نکاح عاطف سے پڑھوایا۔ دونوں نے نکاح قبول کیا اور نکاح نامے پر دستخط بھی کئے۔ اسماء دوپٹے کو گھونگھٹ بنائے چہرے کو چھپائے ہوئے تھی۔ دستخط کرنے کے بعد وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ڈرائنگ روم میں تمام دوست عاطف کو مبارک باد دے رہے تھے۔ وہ مبارک باد دینے والے یہ نہیں جانتے تھے کہ دلہن پہلے فرمان کی شریک حیات رہ چکی ہے۔

کسی کو اسماء کے ماضی کے متعلق نہیں بتایا گیا تھا۔ ان دوستوں کو کھلا پلا کر رخصت کر دیا گیا۔ رات کو فرمان نے بیڈ روم میں آ کر کہا۔ "عاطف انتظار کر رہا ہے۔ تمہیں اب اس کے اپارٹمنٹ میں جانا چاہئے۔"

وہ تیار بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے پرس کو اٹھایا پھر دوپٹے کو گھونگھٹ بنا کر وہاں سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ عاطف نے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ میں صبح ہوتے ہی آپ کو یہاں واپس لا کر چھوڑ دوں گا۔ صبح تک فرمان آپ کے بیٹے کو سنبھال لے گا۔ آیئے ہم چلیں۔"

وہ اس کے پیچھے چلتی ہوئی باہر آ کر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر آ گیا۔ پھر کار کو اسٹارٹ کر کے وہاں سے جانے لگا۔ ایک شاہراہ پر پہنچ کر مخصوص انداز میں ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔ "یہاں سے آدھے گھنٹے کا فاصلہ ہے۔ ہم ابھی پہنچ جائیں

گے۔"

وہ خاموش رہی۔ اس نے کن انکھیوں سے اسماء کو پھر ونڈ سکرین کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کے حالات اور دلی جذبات سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ فرمان نے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے اور جس قدر میں نے آپ کے بارے میں سنا ہے، اسی قدر آپ سے عقیدت ہو گئی ہے۔"

وہ چپ چاپ سن رہی تھی اور دل میں کہہ رہی تھی۔ "بس وہ عقیدت ہی رکھے۔ اس سے آگے محبت کی بات نہ کرے۔"

اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر وہ ایک اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچ گئے۔ اس نے گاڑی روک دی۔ کار سے اتر کر اس کی طرف آ کر دروازے کو کھولا۔ وہ کار سے باہر آ گئی۔ پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی اپارٹمنٹ کے دروازے تک آئی۔ وہ چابی نکال کر دروازے کو کھولنے لگا۔ اسے بہت ہی عجیب سا لگ رہا تھا۔ برا سا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی کھلونا ہو اور اس سے کھیلنے کے لئے یہاں لایا گیا ہو۔

دروازہ کھل گیا۔ وہ پرس کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے سینے سے لگا کر اس کے پیچھے چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ عاطف اسے سیدھا بیڈ روم میں لے آیا پھر بولا۔ "آپ یہاں آرام کریں۔ سردی بہت ہے۔ میں آپ کے لئے کافی بنا کر لاتا ہوں۔ ہم کافی پئیں گے اور بہت سی باتیں کریں گے۔ میں آپ کو مایوس نہیں ہونے دوں گا۔"

وہ وہاں سے جانے لگا تو وہ آہستگی سے بولی۔ "مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ کیا پانی ملے گا؟"

"میں ابھی پانی لے کر آتا ہوں۔"

وہ وہاں سے گیا۔ ذرا سی دیر میں پانی سے بھرا ایک جگ اور گلاس لے آیا پھر بولا۔

"آپ پانی پئیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی اسماء نے پرس کو کھول کر شیشی نکالی۔ گلاس میں پانی ڈالا۔ پھر شیشی سے دس گولیاں گن کر نکالیں۔ ان گولیوں کو میز پر رکھا پھر ایک ایک گولی کر کے پانی کے گھونٹ کے ساتھ ساتھ انہیں حلق سے نیچے اتارنے لگی۔

وہ سوچتی جا رہی تھی اور ایک ایک گولی حلق سے اترتی جا رہی تھی۔ ان لمحات میں

اسے اپنا بیٹا بہت یاد آ رہا تھا۔ آنسو آنکھوں میں بھر آئے تھے اور چھلک رہے تھے۔ چہرے کو تر بتر کر رہے تھے۔ جب وہ کافی کے دو کپ ایک ٹرے میں لے کر آیا تو اس وقت تک وہ دس کی دس گولیاں حلق سے نیچے اتار چکی تھی۔

اس نے ٹرے کو میز پر رکھ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ رو رہی ہیں۔ پلیز، آنسو پونچھ لیں۔ میرا دل دکھ رہا ہے۔ کافی پئیں۔ میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ پانی سے بھرا گلاس لے کر اٹھ گئی پھر دور جا کر بولی۔ "میں نے دس خواب آور گولیاں کھائی ہیں۔"

عاطف ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"ہاں۔ وہ دیکھیں شیشی میز پر رکھی ہوئی ہے لیکن ابھی اور گولیاں میری اس مٹھی میں ہیں۔ اگر دس گولیوں سے مجھے موت نہ آئی اور آپ میرے قریب آنا چاہیں گے تو میں یہ ساری گولیاں حلق سے اتار لوں گی۔ آپ مجھے روک نہیں سکیں گے۔"

وہ ہنسنے لگا۔ پھر کرسی پر بیٹھ کر بولا۔ "میں آپ کو کسی بھی بات سے نہیں روکوں گا۔ آپ یہاں آئیں۔ کرسی پر بیٹھیں، میں آپ کی غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ میری کون سی غلط فہمی دور کریں گے؟"

"یہی کہ اس شیشی میں خواب آور گولیاں نہیں تھیں۔ آپ نے ایک بھی نیند کی گولی نہیں کھائی ہے۔"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ "آپ نہیں جانتے، میں جانتی ہوں کہ یہ گولیاں میں پاکستان سے لے کر آئی ہوں اور وہاں بھی انہیں استعمال کرتی رہی ہوں۔"

"جو گولیاں آپ استعمال کرتی رہی تھیں، انہیں بدل دیا گیا ہے۔"

اس نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ "آپ کی مٹھی میں جو گولیاں ہیں، انہیں بھی حلق سے نیچے اتار لیں، کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ کیلشیم کی گولیاں ہیں۔ ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ مجھے دھوکہ دے رہے ہیں تاکہ میں یہ گولیاں پھینک دوں۔"

وہ بولا۔ "آپ ذرا سوچیں۔ دس خواب آور گولیاں کم نہیں ہوتیں۔ آدمی چکرا کر گر پڑتا ہے۔ پھر کبھی نہیں اٹھ پاتا۔ آپ تو آرام سے کھڑی ہوئی ہیں۔ کیا آپ کو نیند آ رہی ہے؟"

اس نے حیرانی سے سوچا۔ واقعی اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور ان گولیوں کا کوئی خاطر خواہ اثر بھی نہیں ہو رہا تھا۔

عاطف نے کہا۔ "فرمان آج صبح آپ کے بیڈروم میں گیا تھا۔ آپ اپنے بیٹے کے ساتھ گہری نیند میں تھیں۔ میز پر آپ کی ڈائری کھلی پڑی تھی۔ فرمان آپ کی ڈائری ایک بار پہلے بھی چوری چھپے پڑھ چکا تھا۔ اس وقت بھی اس نے پڑھا تو پتہ چلا کہ آپ خودکشی کرنے والی ہیں اور آپ کے پرس میں خواب آور گولیاں رکھی ہوئی ہیں۔"

وہ بول رہا تھا اور وہ حیرانی سے سن رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "فرمان نے مجھے آ کر بتایا کہ تم جان پر کھیل جانا چاہتی ہو۔ کسی طرح تمہیں خودکشی سے باز رکھنا چاہئے۔ تب ہم نے ایک کیمسٹ سے یہ گولیاں خریدیں جو خواب آور گولیوں کی طرح تھیں۔ پھر جب شام کو ہمارا نکاح پڑھایا جا رہا تھا تب فرمان وہاں سے اٹھ کر آپ کے بیڈروم میں گیا تھا۔ آپ کے پرس سے اس شیشی کو نکال کر اس کی تمام گولیاں اپنے پاس چھپالی تھیں اور وہ بے ضرر گولیاں اس میں بھر دیں۔ اس وقت آپ کی مٹھی میں وہی بے ضرر گولیاں ہیں۔"

اسماء کے ہاتھ سے پانی کا گلاس چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ مٹھی کھل گئی۔ گولیاں اس کی ہتھیلی سے پھسل کر نیچے گرنے لگیں۔ وہ گم صم سی کھڑی عاطف کو دیکھ رہی تھی۔ اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ نکاح قبول کر چکی تھی۔ عاطف کو اپنے جسم و جان کا مالک بنا چکی تھی۔ وہ اپنی من مانی کرتا تو وہ اسے روک نہیں سکتی تھی۔

وہ بڑی محبت سے بولا۔ "اسماء! یہاں آ جائیں۔ میرے سامنے کرسی پر بیٹھیں۔ کافی پی لیں۔"

وہ چیخ کر بولی۔ "نہیں پیوں گی۔ مجھے زہر پلا دو۔ مجھے مار ڈالو۔ میں ایسی زندگی نہیں گزاروں گی۔"

وہ رونے لگی۔ دونوں مٹھیاں بھینچ کر بولی۔ "کیوں کیا؟ فرمان نے ایسا کیوں کیا؟ یہ سراسر دشمنی ہے۔ تم دونوں دوستوں نے مل کر یہ سازش کی ہے۔ میں.......... میں زندہ

نہیں رہوں گی۔ اگر تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو اپنی جان دے دوں گی۔"

وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ مارنے کے لئے کوئی چیز تلاش کرنے لگی۔ عاطف نے کہا۔ "یہاں آپ کو ایسی کوئی چیز نہیں ملے گی جس سے آپ خودکشی کر سکیں۔"

وہ دوڑتی ہوئی دیوار کے پاس گئی پھر اپنا سر ٹکرانے لگی۔ عاطف نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔ اپنی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔ "یہ کیا پاگل پن ہے؟"

وہ خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "چھوڑ دیں۔ مجھے ہاتھ نہ لگائیں۔ میں کہتی ہوں، مجھے ہاتھ نہ لگائیں۔"

عاطف نے اسے ایک طرف دھکا دے کر بستر پر گراتے ہوئے کہا۔ "آپ خاموش رہیں۔ پلیز، میری باتیں سن لیں۔"

"میں ساری زندگی آپ کی باتیں سنتی رہوں گی لیکن آپ کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، آپ کے قریب نہیں آؤں گا۔ خدا کے لئے خاموشی سے میری بات سن لیں۔"

وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ دیوار سے سر کو ٹکرانے کے باعث پیشانی پر کہیں کہیں خون کے قطرے دکھائی دے رہے تھے۔ ہلکی سی چوٹ آئی تھی۔ وہ بولا۔ "فرمان نے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ خاص طور پر آپ کی شرم و حیا کے سلسلے میں جو کچھ کہا ہے، اسے سنتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ جو عورت شادی کی پہلی رات اپنے خاوند سے بے تکلف نہیں ہوئی تھی، وہ بھلا میرے ساتھ کیسے ازدواجی تعلقات قائم کرے گی؟

"میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔ آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ فرمان نے جب کہا کہ میں اگر آپ کی خوشی چاہتا ہوں تو آپ سے شادی کر لوں اور آپ کو حلالہ کے مرحلے سے گزرنے دوں۔"

وہ چند ساعت کے لئے چپ ہوا پھر بولا۔ "میں نے آپ کے ساتھ نکاح قبول کیا ہے۔ اب آپ میری شریک حیات ہیں۔ میں آپ کا شوہر ہوں۔ آپ حلالہ کے مرحلے سے گزرنے یہاں آئی ہیں۔ دنیا نہیں جانتی کہ اس بند کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔ پھر یہ

بات تو انتہائی راز میں رکھی گئی ہے اور یہ راز ہی رہے گی کہ میں نے آپ کے ساتھ آج کی رات کوئی تعلق قائم نہیں کیا تھا۔ آپ پاک دامن ہیں اور پاک دامن ہی واپس جائیں گی۔"

اسماء نے چونک کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ بولا۔ "دستور کے مطابق ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔ نکاح نامہ کل ہی مل جائے گا۔ یہ کبھی کوئی نہیں جان سکے گا کہ میں نے آپ کو اس بند کمرے میں طلاق دی ہے۔"

اس نے ایک گہری سانس لی پھر سر جھکا کر کہا۔ "میں نے آپ کو طلاق دی۔"

اسماء کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ عاطف نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے آپ کو طلاق دی۔ پورے ہوش و حواس میں رہ کر تیسری بار کہہ رہا ہوں کہ میں نے آپ کو طلاق دی۔"

وہ گم صم کھڑی ہوئی تھی۔ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بولا۔ "میں آپ سے نکاح پڑھانے سے پہلے آپ کو بھابی کہتا تھا۔ بہت عزت کرتا تھا اور اب پھر بھابی کہہ رہا ہوں۔ بھابی میں آپ کی شرم و حیا کو سلام کرتا ہوں۔"

اس نے ایک ہاتھ پیشانی تک اٹھایا۔ اسماء دوڑتی ہوئی آئی پھر اس کے قدموں میں گر کر رونے لگی۔ اس نے دونوں بازوؤں میں تھام کر اسے قدموں سے اٹھایا۔ پھر اس کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ "اب رونا کس بات کا؟ میں نے راستہ آسان کر دیا ہے۔ آپ پہلے بھی فرمان کی تھیں۔ اب بھی فرمان کی ہی رہیں گی۔ کسی غیر کا سایہ آپ پر کبھی نہیں پڑے گا۔ یہاں آئیں۔ اب تو آپ میرے ساتھ کافی پی سکتی ہیں؟"

وہ سر جھکا کر اس کے پاس آئی۔ کافی کے کپ کو چھو کر دیکھا پھر ٹرے کو اٹھا کر وہاں سے جاتے ہوئے بولی۔ "میں اسے گرم کر کے لاتی ہوں۔"

اس کے سر سے پہاڑ اتر گیا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ عاطف ایسا فرشتہ ثابت ہوگا۔ اس نے ایک شرم والی کی شرم رکھ لی تھی لیکن ابھی ایک اہم سوال اس کے ذہن میں گونج رہا تھا کہ کیا واقعی وہ حلالہ کے مرحلے سے گزر چکی ہے؟

عاطف نے فون کر کے فرمان کو ادھر بلوا لیا۔ اس نے آ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اسماء! اب تو تم خوش ہو؟"

اس نے سر جھکا کر کہا۔ "پتہ نہیں مجھے ان حالات میں خوش ہونا چاہئے یا نہیں؟"

ان دونوں نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر فرمان نے پوچھا۔ "اب کیا بات ہے؟ تم مایوس کیوں ہو؟"

وہ بولی۔ "میں یہاں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ پاکستان واپس جا کر باتیں ہوں گی۔"

"کیا وہ باتیں یہاں نہیں ہو سکتیں؟"

"نہیں۔ ہم وہاں جا کر سب سے پہلے کسی عالم دین سے فتویٰ حاصل کریں گے۔ ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ عاطف صاحب کی مہربانی کے بعد میں حلالہ کے مرحلے سے گزر چکی ہوں یا نہیں؟"

فرمان نے غصے سے کہا۔ "تم پھر وہی بخ لگا رہی ہو۔ دینی اصولوں کے مطابق تمہاری دوسری شادی ضروری تھی۔ وہ شادی ہو چکی ہے اور تمہارے دوسرے شوہر نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ اب تم عدت کے دن گزار کر پھر میرے نکاح میں آؤ گی۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

اس نے اپنے بیگ میں سے اس کی ڈائری نکال کر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا ہے؟ اس میں تم نے کیا لکھا تھا؟ خودکشی کرنے جا رہی تھیں۔ کیا کسی عالم دین سے یہ فتویٰ حاصل کرو گی کہ خودکشی تمہارے لئے جائز ہے؟ اگر جائز نہیں ہے تو کیا آئندہ تم خودکشی کرو گی؟ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم دینی احکامات پر عمل کرتی ہو۔ ہمارے دین میں خودکشی حرام ہے۔ پھر تم ایسی حرکت کیوں کر رہی تھیں؟"

وہ سر جھکا کر بولی۔ "مجھ سے آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ آپ یہاں سے چلیں۔"

وہ دوسرے دن کی فلائٹ سے واپس پاکستان آ گئے۔ اسماء نے کہا۔ "پہلے ہم کسی عالم دین سے رجوع کریں گے اور حلالہ کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں گے۔"

"اور صحیح معلومات کیا حاصل کریں گے؟ حلالہ کے مرحلے سے اسی طرح گزرا جاتا ہے۔ تمہاری دوسری شادی ہوئی۔ تم دوسرے شوہر کے پاس گئیں۔ اس نے تمہارے ساتھ جیسا بھی سلوک کیا' وہ تمہیں پتہ ہے۔ اس نے تمہیں طلاق دی۔ اب تم عدت کے دن گزارو گی پھر میرے پاس آؤ گی۔"

"نہیں فرمان! میں نے حلالہ کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ ہم دینی قوانین کو

مذاق نہیں بنائیں گے۔ ہمارے مستند علمائے کرام یہی کہیں گے کہ مطلقہ عورت کو اپنے پہلے شوہر سے رجوع کرنے کے لئے دوسری شادی کرنی ہوگی اور دوسرے شوہر کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنے ہوں گے۔ یہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اگر ازدواجی تعلقات قائم نہ کئے گئے اور یوں ہی طلاق دے دی گئی تو وہ نہ تو دوسرا نکاح ہوگا اور نہ ہی وہ طلاق کوئی معنی رکھے گی۔"

"تم اتنی پیچیدگیوں میں کیوں الجھ رہی ہو؟ کیوں مجھے الجھا رہی ہو؟ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ میں نے تمہیں تمہاری مرضی کے مطابق حلالہ کے مرحلے سے گزار دیا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر تم میری بات نہیں مانو گی اور عدت کے دن گزارنے کے بعد مجھ سے شادی نہیں کرو گی تو ہمارا انجام بہت برا ہوگا اور ہمارے برے انجام کا نتیجہ ہمارے بیٹے کو بھی بھگتنا پڑے گا۔"

وہ پیر پٹخ کر جاتے ہوئے بولا۔ "اگر تم میری زندگی چاہتی ہو اور اپنے بیٹے کا بہتر مستقبل چاہتی ہو تو اب تمہیں میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ عدنان ان کی محبت کا ایک خوبصورت تحفہ تھا۔ ان کا مشترکہ سرمایہ تھا۔ اس بچے کی خاطر انہیں ایک ہی چھت کے نیچے رہنا تھا۔ وہ رہنے لگے اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ اسماء نے سمجھایا۔ "آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں؟ کیا آپ یہ بات نہیں مانتے کہ دنیا دیکھے یا نہ دیکھے خدا تو دیکھتا ہے۔ وہ ہماری نیتوں کو سمجھتا ہے اور ہمارے اس عمل کو بھی دیکھ رہا ہے کہ میں دوسری شادی کرنے کے بعد بھی حلالہ کے مرحلے سے گزر کر نہیں آئی ہوں۔"

وہ جھنجھلا کر بولا۔ "خدا دیکھ رہا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی غلطیاں معاف کر دیتا ہے لیکن تمہاری ڈائری کسی کے ہاتھ لگے گی تو یہ راز پھر راز نہیں رہے گا۔ تم بری طرح بدنام ہو جاؤ گی۔"

وہ اپنی ڈائری کو بھول چکی تھی۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ "میری ڈائری کہاں ہے؟"

"میں نے اس کا ایک ایک ورق پھاڑ کر جلا دیا ہے اور تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ

آئندہ تم ڈائری نہیں لکھو گی۔"

وہ اس کے قریب آ کر بولا۔ "کیا تم یہ بات نہیں سمجھ رہی ہو کہ اس ڈائری نے پہلے بھی تمہیں نقصان پہنچایا تھا۔ آئندہ بھی پہنچا سکتی ہے۔ شادی سے پہلے تمہاری ایک ڈائری نے مجھے شک و شبہے میں مبتلا کیا تھا اور اب جو ڈائری تم نے لکھی تھی اور جسے میں نے جلا ڈالا ہے، وہ کسی کے ہاتھ لگتی تو معلوم ہو جاتا کہ تمہیں طلاق ہو چکی تھی اور تم حلالہ کے مرحلے سے گزرنے سے پہلے خودکشی کرنے والی تھیں۔ یہ تم کیا تماشے کرتی رہتی ہو؟ مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی ڈائری نہیں لکھو گی۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں نہیں لکھوں گی لیکن ہم نے لندن جا کر کچھ حاصل نہیں کیا ہے۔"

"بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ مجھ سے بحث نہ کرنا۔ میں چار ماہ دس دن کے بعد تم سے ضرور نکاح پڑھواؤں گا اور تم میری بیوی بن کر یہاں رہو گی۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

ایسے وقت اسماء سر تھام کر بیٹھ جاتی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیا کرنا چاہئے؟ کس طرح فرمان کو سمجھانا چاہئے کہ وہ ازدواجی رشتہ قائم کرنے سے باز رہے؟ اس کے بغیر بھی وہ پوری زندگی گزار سکتے ہیں۔

عورتوں میں صبر اور ضبط کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے بھی ہوتی ہے کہ شرم و حیا آڑے آتی ہے اور وہ حیا کے باعث دور دور رہنا سیکھ لیتی ہیں لیکن مرد بے صبرا ہوتا ہے۔ عورت کے قریب ہو تو اس سے برداشت نہیں ہوتا۔ پکی پکائی ہانڈی سامنے ہو اور اشتہا انگیز مہک آتی ہو تو وہ اسے جلد از جلد دسترخوان پر لے آنا چاہتا ہے۔

یہی حال فرمان کا تھا۔ اسے طلاق دینے کے بعد اس کی دوری برداشت کرتا رہا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں ایسی تڑپ بے چینی اور دیوانگی نہیں تھی جو اب دکھائی دے رہی تھی۔ اس دیوانگی نے اسماء کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے؟ کس طرح دامن بچا کر اس کے ساتھ ایک ہی چھت کے نیچے رہنا چاہئے؟

عدت کے دن گزر گئے۔ فرمان بڑی بے چینی سے ایک ایک دن گنتا رہتا تھا۔ کیلنڈر کے اوپر ایک ایک تاریخ اور مہینے کے نیچے نشان لگاتا رہتا تھا۔ ٹھیک چار ماہ دس دن کے

بعد اس نے کہا۔ "اسماء! میں نے سارے انتظامات کر لئے ہیں۔ پرسوں جمعے کا دن ہے۔ پرسوں شام کو قاضی صاحب آئیں گے اور بڑی رازداری سے ہمارا نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"

وہ بولی۔ "آپ نکاح پڑھوائیں گے یا کوئی بہت بڑا جرم کریں گے؟ صرف قاضی صاحب ہوں گے۔ نہ کوئی گواہ نہ ہوگا اور نہ وکیل ہوگا۔ کیا اسلام میں اسی طرح نکاح پڑھایا جاتا ہے؟ وہ قاضی بھی کیسا قاضی ہے جو اس طرح نکاح پڑھانے پر راضی ہو گیا ہے؟"

فرمان نے کہا۔ "جسے بھی چاندی کے جوتے مارو' وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ میں نے قاضی صاحب کو بہت بڑی رشوت دی ہے۔"

"رشوت دی ہے تو پھر نکاح پڑھوانے کی زحمت کیوں کر رہے ہیں؟ نکاح نامہ اس سے لکھوا کر لے آئیں۔ دستخط مجھ سے کروائیں' بس نکاح ہو گیا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔"

"میں یہی کرنا چاہتا تھا لیکن تمہاری تسلی کے لئے قاضی صاحب کو بلوا رہا ہوں تاکہ وہ کچھ آیتیں پڑھیں اور نکاح پڑھانے کے سلسلے میں جو الفاظ ادا کئے جاتے ہیں' وہ سب تمہارے سامنے ادا کئے جائیں تاکہ تمہاری تسلی ہو۔"

"میری تسلی تو کبھی نہیں ہوگی۔ آپ سراسر ظلم کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے دینی احکامات کے خلاف ہے اور میں اسے کبھی تسلیم نہیں کروں گی۔"

"تم پھر وہی جھگڑا شروع کر رہی ہو۔ دیکھو' مجھے غصہ نہ دلاؤ ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔"

"آپ کیا کریں گے؟ زیادہ سے زیادہ بھوک ہڑتال شروع کر دیں گے۔ مجھے ذہنی عذاب میں مبتلا کریں گے لیکن اچھی طرح کان کھول کر سن لیں۔ اُدھر آپ بھوک ہڑتال شروع کریں گے' اِدھر میں خودکشی کروں گی۔ خودکشی حرام ہے لیکن جو زندگی آئندہ آپ میرے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں' وہ بھی جائز نہیں ہوگی۔ جب ناجائز زندگی گزارنا ہی ہے تو پھر خودکشی کیوں نہ کر لوں؟"

اس نے گھور کر پوچھا۔ "اس کا انجام جانتی ہو؟ تم خودکشی کرو گی۔ میں بھوک ہڑتال کر کے مرجاؤں گا پھر ہمارے بچے کا کیا ہوگا؟"

"ماں باپ کے مرنے کے بعد کتنے ہی بچے پرورش پاتے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح جی لیتے ہیں۔ ہمارا بچہ بھی جی لے گا لیکن میرا ضمیر مطمئن رہے گا کہ میں نے دینی احکامات کے خلاف عمل نہیں کیا ہے نہ ہی آپ کی بات مانی ہے۔"

"میری بات نہ مان کر تمہیں کتنی خوشی ہو رہی ہے؟"

"آپ طعنہ نہ دیں۔ اچھی بات منوائیں۔ جائز حکم دیں۔ میں ابھی ان کی تعمیل کروں گی۔ کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود آپ کی خدمت کرتی رہوں گی۔"

"زیادہ بکواس نہ کرو۔ ایک جواب دو۔ مجھ سے نکاح پڑھواؤ گی یا نہیں؟"

"اگر یہ نکاح جائز ہوگا تب مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اور میں سمجھا چکی ہوں کہ فی الحال یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ آپ مجھے اپنی شریک حیات بنانا چاہیں گے تو میں شریک حیات نہیں بلکہ ایک داشتہ بن کر آپ کے ساتھ زندگی گزاروں گی۔ یہ سوچ کر ہی شرم سے مرجاتی ہوں۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اب یہی ہوا کرتا تھا۔ وہ خوب لڑتا جھگڑتا تھا' بحث کرتا تھا۔ جب وہ جائز باتوں سے اسے قائل کرتی تھی تو غصے سے پاؤں پٹختا ہوا چلا جاتا تھا۔ اس کے اس رویئے نے اسماء کو ایسا صدمہ پہنچایا تھا کہ وہ بیمار رہنے لگی۔ اسے اندر ہی اندر یہ صدمات کھائے جاتے تھے کہ پہاڑ جیسی زندگی کیسے گزرے گی؟ ایک چھت کے نیچے رہنا بھی ضروری ہے۔ بچے کی پرورش اس کا مستقبل بنانا لازمی ہے۔

وہ مطلقہ تھی۔ اسے فرمان کے روبرو نہیں آنا چاہئے تھا چونکہ وہ پردے کی قائل نہ تھی' ساری دنیا کے سامنے آتی جاتی رہتی تھی' اس لئے فرمان بھی دنیا والوں میں سے ایک تھا۔

پھر اسے اپنے آپ پر اعتماد تھا کہ وہ کوئی غلطی نہیں کرے گی۔ کوئی گناہ نہیں کرے گی۔ حالات نے مجبور کیا ہے' اس لئے وہ بیٹے کی خاطر اس کے ساتھ ایک چھت کے نیچے رہے گی۔ دن گزرنے لگے۔ مہینے اور سال گزرنے لگے۔ فرمان ضد کر کے لڑتے لڑتے تھک گیا۔ ہار گیا پھر جس طرح وہ چاہتی تھی' اس کے ساتھ زندگی گزارنے لگا۔

اس میں شبہ نہیں کہ وہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ بیمار رہنے لگی ہے اور ڈاکٹروں نے بھی صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اسے کوئی دکھ اور صدمہ نہ

پہنچایا جائے تو وہ ذرا سنبھل گیا تھا۔ اس کی دلجوئی کرنے لگا تھا۔ حالات سے مجبور ہو کر یہ طے کر چکا تھا کہ جیسا وہ چاہتی ہے' ویسے ہی اب زندگی گزاری جائے گی۔ یہی کافی تھا کہ وہ اس کے ساتھ بیٹے کی خاطر ایک چھت کے نیچے رہنے لگی تھی۔

☆------☆------☆

بیٹا جوان ہو گیا تھا۔ اسکول سے دس جماعت پاس کر کے کالج میں پہنچ گیا۔ عینی اس سے ایک برس پیچھے تھی۔ اگلے برس وہ بھی اس کے ساتھ کالج میں پڑھنے لگی۔ دونوں بچپن سے ہی ایک دوسرے کو چاہنے لگے تھے۔ یہ چاہت جوانی میں عشق کے ابتدائی مرحلے پر پہنچ گئی۔ اسماء اپنے قد آور جوان بیٹے کو دیکھ کر خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھی۔

اس کے جاگنے' سونے' پہننے' اوڑھنے اور کھانے پینے کا اس قدر خیال رکھتی تھی کہ اس کی ممتا ایک عبادت بن گئی تھی۔ صبح آنکھ کھلتے ہی بیٹا اسے دکھائی دیتا تھا۔ رات کو سونے کے لئے آنکھ بند کرتی تھی تو بیٹا اس کی آنکھوں میں سمایا رہتا تھا۔

فرمان کہا کرتا تھا۔ "پتہ نہیں یہ بیٹا تمہارے لئے کیا ہو گیا ہے؟ اس کے سامنے تم نے مجھے بھلا دیا ہے۔ میرے پاس کبھی دو گھڑی بیٹھ کر بات کرتی ہو تو بس بیٹے کے بارے میں ہی بولتی چلی جاتی ہو۔ اب تو پیار محبت کی باتیں بھول ہی گئی ہو جیسے میں تمہارے لئے کچھ نہیں ہوں۔"

وہ بڑے پیار سے بولی۔ "آپ میرے لئے بہت کچھ ہیں۔ میرے بیٹے کے باپ ہیں۔ اسے محبت دے رہے ہیں۔ تعلیم و تربیت دے رہے ہیں۔ وہ ایک دن آپ سے بڑا بزنس مین بنے گا۔ آپ جلال بھائی سے بات کریں۔ اس کی منگنی عینی سے ہو جانی چاہئے۔ میں عینی کو بہو بنا کر گھر لاؤں گی۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "بس کرو۔ ابھی میں نے کہا تھا کہ دو گھڑی یہاں بیٹھ کر اپنے بارے میں باتیں کرو لیکن تم پھر بہو اور بیٹے کی باتیں کرنے لگی ہو۔ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ بیٹے نے تمہیں مجھ سے چھین لیا ہے۔"

ایسی باتیں سن کر وہ خوش ہوتی تھی کہ بیٹا اس کی زندگی اور ساری دنیا بن کر رہ گیا ہے۔ بیٹا بھی اسے اتنا ہی چاہتا تھا۔ اس کے گلے کی گولڈ چین میں ایک لاکٹ تھا' جس میں

وہ اپنی ماں کی تصویر چھپائے رہتا تھا۔ ایک بار عینی نے پوچھا۔ "یہ کیا بات ہوئی؟ اس عمر میں تو اپنی محبوبہ کی تصویر لاکٹ میں پہنی جاتی ہے۔"

"ہاں۔ یہاں تمہاری تصویر ہونی چاہئے لیکن کس رشتے سے؟ اگر کبھی انکل نے یا ڈیڈی نے دیکھ لیا تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی لہٰذا شادی تک انتظار کرو۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ شادی کے بعد میری تصویر اس لاکٹ میں آ جائے گی اور ماں کی تصویر نکال دی جائے گی۔"

"ہرگز نہیں۔ ماں کی تصویر تو ہمیشہ دل کے لاکٹ میں بند رہے گی۔ پھر یہ کہ اس لاکٹ میں اتنی گنجائش ہے کہ ماں کے ساتھ محبوبہ کی بھی تصویر رکھی جائے۔"

وہ بولی۔ "لاکٹ میں اوپر کس کی تصویر اور نیچے کس کی تصویر ہوگی؟"

"اوپر تو ماں کی تصویر ہی رہا کرے گی لیکن جب تم جھگڑا کر کے روٹھ کر میکے چلی جاؤ گی تو تمہیں یاد کرنے کے لئے تمہاری تصویر اوپر لے آؤں گا۔ جب تک تم مجھ سے دور رہو گی تمہاری تصویر اوپر رہے گی۔ اب تم سوچو کہ کتنے دنوں تک ناراض رہو گی۔ اتنے دنوں تک تمہاری تصویر اوپر ورنہ نیچے۔"

"یعنی مجھے اوپر رہنے کے لئے ہمیشہ تم سے جھگڑا کرنا ہوگا اور روٹھ کر میکے جانا ہوگا۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ تم نظروں کے سامنے نہیں رہو گی تو تمہاری تصویر دیکھنے کے لئے سر جھکا کر لاکٹ میں دیکھنا ہوگا۔"

عینی نے اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہا۔ "میں ماں بیٹے کی محبت کو خوب سمجھتی ہوں۔ تمہاری ممی میری ممی ہیں اور ممی کی تصویر ہمیشہ اوپر رہنی چاہئے لہٰذا شادی کے بعد یہ تصویر اوپر ہی رہے گی۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "کل تم مجھ سے ملنے نہیں آئیں تو میں نے ایک لَو لیٹر لکھا تھا۔ سوچا کہ اسے پوسٹ کر دوں لیکن پھر خیال آیا کہ آج تو تم مجھ سے ضرور ملو گی اور ملنے کے بعد تمہیں وہ لیٹر ملے گا پھر کیا فائدہ ہوگا؟ لہٰذا میں خود ہی ڈاکیا بن کر اپنا لَو لیٹر تم تک پہنچانے آ گیا۔"

وہ بے چینی سے بولی۔ "کہاں ہے وہ لَو لیٹر؟"

عدنان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا پھر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے جھپٹ کر اس کاغذ کو لیا پھر اسے کھول کر پڑھنے لگی۔ پہلے لکھا تھا۔

"میری پیاری بیٹی عینی!"

وہ ایک دم سے چونک کر بولی۔ "کیا.......... تم نے مجھے بیٹی لکھا ہے؟"

وہ گڑبڑا کر بولا۔ "نہیں۔ میں نے تو ایسا نہیں لکھا۔ یہ تم کیا پڑھ رہی ہو؟"

اس نے جھک کر کاغذ کو دیکھا تو بولا۔ "ارے.......... یہ تو ممی کی ہینڈ رائٹنگ ہے۔"

وہ دونوں پڑھنے لگے۔ اسماء نے لکھا تھا۔ "میرا بیٹا بہت شریر ہے۔ مگر بہت محبت کرنے والا ہے۔ تمہیں اتنی محبت دے گا کہ تم اپنے میکے کو بھول جاؤ گی۔ ساری دنیا کو بھول جاؤ گی۔ صرف میرے بیٹے کی پرستش کرتی رہو گی۔

"میرا بیٹا حیران ہوگا کہ اس کے خط کی جگہ میری یہ تحریر کہاں سے چلی آئی؟ بات اصل میں یہ ہے کہ میں اس کی میز پر کتابوں کی ترتیب صحیح کر رہی تھی تو مجھے اس کا لکھا ہوا لیٹر ملا۔ کسی کا خط پڑھنا تو نہیں چاہئے لیکن بزرگوں کو یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ دو دل کتنی شدت سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور اس چاہت کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنا چاہئے یا نہیں؟ لہٰذا اس خیال سے میں نے وہ خط پڑھا اور اسے چھپا لیا ہے۔ اس کی جگہ یہ خط لکھ کر رکھ رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میرا بیٹا باؤلا ہے۔ اسے کھول کر نہیں پڑھے گا۔ فوراً ہی اسے اٹھا کر رکھ لے گا اور تمہارے پاس پہنچا دے گا۔

"اب بولو یہی ہو رہا ہے نا! اس سے اندازہ کرو کہ میرا بیٹا تمہارے عشق میں کیسا دیوانہ ہے۔ آگے پیچھے اسے صرف تم ہی نظر آتی ہو۔"

عینی اتنا پڑھ کر ہنسنے لگی۔ عدنان نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔ "ممی تو ایسی ہی ہیں۔ مجھے تمہارے سامنے شرمندہ کر رہی ہیں۔ مجھے باؤلا کہہ رہی ہیں۔"

"یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس انداز سے تمہاری تعریفیں کر رہی ہیں اور یہ تسلیم کر رہی ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو شدت سے چاہتے ہیں لہٰذا ہمیں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جانا چاہئے۔ یہ بات ممی کے دماغ میں تو بیٹھی ہوئی ہے۔ اب یہ آگے بڑھے گی اور میرے والدین تک پہنچے گی۔"

"میں نے ممی اور ڈیڈی کی باتیں سنی ہیں۔ وہ شادی کے بارے میں بات کر رہے

تھے۔ ڈیڈی کہہ رہے تھے کہ جب تک میں تعلیم سے فارغ نہیں ہو جاؤں گا اور کاروبار نہیں سنبھالوں گا۔ اس وقت تک ہماری شادی نہیں ہوگی۔ ویسے ہمارے بزرگوں نے یہ طے کرلیا ہے کہ ایک دن تم دلہن بن کر میرے گھر آؤ گی۔"

"لیکن تمہارا وہ لَو لیٹر کہاں ہے؟ میں اسے پڑھنا چاہتی ہوں۔"

"اسے تو ممی نے رکھ لیا ہوگا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ وہ لَو لیٹر لے کر کل ضرور آنا۔ اب تک تم نے جتنے بھی خطوط مجھے لکھے ہیں۔ میں نے ان سب کو سنبھال کر رکھا ہے۔ تمہاری تحریر مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ جب تنہا ہوتی ہوں تو انہیں بار بار پڑھتی ہوں اور ایسا لگتا ہے جیسے پہلی بار پڑھ رہی ہوں۔ بولو' وہ لَو لیٹر لاؤ گے ناں؟"

"ہاں بابا! لاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ جب تک وہ لیٹر نہیں لاؤں گا' تم میرا پیچھا نہیں چھوڑو گی۔ ضد کرتی رہو گی۔"

وہ رات کے آٹھ بجے گھر پہنچا تو اسماء اور فرمان باہر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اسماء نے بیٹے کو دیکھتے ہی کہا۔ "کہاں رہ گئے تھے؟ کب سے انتظار کر رہی ہوں۔ چلو' آج ہم نے سوچا ہے کہ باہر رات کا کھانا کھائیں گے۔"

"ممی! پہلے میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ وہ ضروری بات کیا ہے۔"

اس نے اپنے باپ کو دیکھا پھر کہا۔ "آپ ادھر دوسرے کمرے میں چلیں۔"

فرمان نے پوچھا۔ "بات کیا ہے برخوردار! ماں کو اکیلے لے جا کر کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا باپ کے سامنے نہیں کہہ سکتے؟"

"اوہ ڈیڈ! بات ایسی ہے کہ میں آپ کے سامنے نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ ممی آپ سے کچھ نہیں چھپاتی ہیں۔ بعد میں بتا دیں گی۔"

وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر لے آیا۔ وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ "ارے ہاتھ تو چھوڑو۔ کیوں اس طرح کھینچ رہے ہو؟"

"ممی! یہ بہت بری بات ہے۔ کسی کا خط نہیں پڑھنا چاہئے۔"

وہ بن کر بولی۔ "ہاں۔ واقعی بہت بری بات ہے۔ کسی کا خط نہیں پڑھنا چاہئے۔ مگر

یہ بات مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو؟"

"آپ انجان نہ بنیں۔ آپ نے میرا لیٹر چرایا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اگر میں نے وہ لیٹر چرایا ہے تو پھر تم نے عینی کو کون سا لیٹر دیا ہے؟"

"اپنی شرارت آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں۔ آپ کا ہی لیٹر ہم دونوں نے پڑھا ہے۔"

وہ ماں سے لپٹ کر بولا۔ "ویسے ممی یو آر گریٹ! آپ ہمارے جذبات کو سمجھتی ہیں اور یہ تو میں شروع سے جانتا ہوں کہ عینی آپ کو بہت پسند ہے اور آپ اسے بہو بنا کر ضرور لائیں گی۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا ہے۔"

"ممی! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ بس میرا لَو لیٹر مجھے دے دیں۔"

"میرے پاس کوئی لَو لیٹر نہیں ہے اور تمہیں شرم نہیں آتی' ماں سے اپنا لَو لیٹر مانگ رہے ہو؟"

"پلیز ممی! پریشان نہ کریں۔ وہ لیٹر میں عینی کو نہیں دوں گا تو وہ مجھے پریشان کرے گی۔"

"میں نے کہہ دیا ناں' مجھے یاد نہیں ہے۔ میں ابھی تمہارے ڈیڈی کے ساتھ باہر جا رہی ہوں۔ تم ساتھ چل رہے ہو یا نہیں؟"

"سوری۔ میں نہیں جاؤں گا۔ ویسے بھی تھکا ہوا ہوں۔ گھر میں جو کچھ ہے کھا پی کر آرام کروں گا۔ آپ ڈیڈی کے ساتھ جائیں لیکن یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر آپ میرا لیٹر دے کر نہیں جائیں گی تو میں آپ کا تمام سامان الٹ پلٹ کر رکھ دوں گا۔ ہر جگہ وہ خط تلاش کروں گا۔"

"تم زمین آسمان ایک کر دو تب بھی وہ خط نہیں ملے گا۔"

"آپ کی الماری میں تو ہوگا؟"

"میں نے اسے لاک کر دیا ہے۔ تم اسے کھول نہیں سکتے۔"

وہ مسکراتی ہوئی کمرے میں فرمان کے پاس چلی گئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ

گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسماء اور فرمان وہاں آئے۔ فرمان نے کہا۔ "بیٹے! ہم جا رہے ہیں۔ تم گھر میں رہنا۔ ہم جلد ہی آ جائیں گے۔"

"آپ میری تنہائی کا خیال نہ کریں۔ باہر خوب انجوائے کریں۔ ممی کبھی گھر اور کبھی پارلر کے کاموں میں مصروف رہتی ہیں۔ گھومنے پھرنے نہیں جاتیں۔ انہیں خوب تفریح کروائیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ عدنان نے کھڑکی کے پاس آ کر دیکھا۔ وہ دونوں کار میں بیٹھ کر جا رہے تھے۔ وہ کار احاطے سے نکل کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ تیزی سے چلتا ہوا اسماء کے کمرے میں آیا۔

اس نے سب سے پہلے الماری کھولنے کی کوشش کی۔ دونوں الماریاں لاک تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں گیا۔ جب واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں دو تین قسم کے تار تھے۔ موٹے بھی تھے اور پتلے بھی تھے۔ وہ ان تاروں کے ذریعے الماری کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس سے پہلے بھی وہ اپنے ایک دوست کے گھر میں ایسا کر چکا تھا۔

دوست کی چابیاں گم ہو گئی تھیں تو اس نے تار کے ذریعے کھولنے کی کوشش کی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے کی محنت کے بعد وہ الماری کھل گئی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنی ممی کی الماری کے سامنے کھڑا ہو کر مختلف تاروں کے ذریعے اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ صرف آدھے گھنٹے کی محنت کے بعد ہی الماری کھل گئی۔

وہ دونوں پٹ کھول کر دیکھنے لگا۔ الماری کے ایک حصے میں ملبوسات بھرے ہوئے تھے۔ دوسرے حصے میں بھی ملبوسات تھے لیکن اس کے آدھے نیچے کے حصے میں بہت سی فائلیں اور کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ وہ تمام فائلیں اور کاغذات بیوٹی پارلر کے کام سے تعلق رکھتے تھے۔

وہ فرش پر جھک کر تمام فائلوں اور کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ان کے درمیان تین چار ڈائریاں رکھی ہوئی تھیں۔

اس نے تمام فائلوں اور ڈائریوں کو کھول کر دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ ماں نے ان کے اندر خط کو چھپا کر رکھا ہو گا لیکن وہاں ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دی۔ وہ تمام ڈائریاں

تقریباً پندرہ سولہ برس پرانی تھیں۔ وہ ایک کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے رک گیا۔ ایک جگہ طلاق کا لفظ لکھا ہوا تھا۔

اس نے یوں ہی سرسری طور پر پہلی سطر پڑھی۔ پھر اس کے بعد پڑھتا ہی چلا گیا۔ جیسے جیسے پڑھ رہا تھا' ویسے ویسے حیران ہو رہا تھا۔ پریشان ہو رہا تھا۔

یہ وہ ڈائری تھی جب فرمان نے اسماء کو طلاق دی تھی اور وہ بیوٹی پارلر میں منتقل ہونے کے بعد رات کو جاگتے ہوئے اس صفحے پر بہت کچھ لکھتی رہی تھی۔

اس تحریر نے اسے بتا دیا کہ اس کے باپ نے اس کی ماں کو طلاق دی تھی اور اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ یہ ایسی بات تھی جس نے اسے تجسس میں مبتلا کیا تو وہ ڈائری کو شروع سے پڑھنے لگا۔ جہاں کام کی باتیں تھیں' انہیں توجہ سے پڑھتا رہا۔ باقی تحریر کو سرسری نگاہ سے گزارتا رہا۔ اتنا معلوم ہو گیا کہ اس کے باپ فرمان نے شک و شبہے میں مبتلا رہ کر اس کی ماں کے کردار پر شبہ کیا اور اسے طلاق دی تھی۔

دوسری ڈائری پڑھنے پر پتہ چلا کہ چار یا تقریباً ساڑھے چار ماہ کے بعد فرمان کی غلط فہمی دور ہو گئی۔ اسماء کی پارسائی کا ثبوت بھی مل گیا اور گواہ بھی مل گئے۔ تب فرمان نے اسماء کے پاس جا کر معافی مانگی۔ اپنی غلطی کو تسلیم کیا پھر اسے سمجھا منا کر اپنے گھر لے آیا۔

اسماء نے ڈائری میں جگہ جگہ لکھا تھا کہ وہ ایک ہی چھت کے نیچے فرمان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی لیکن بیٹے کی خاطر رہنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ پھر کئی جگہ لکھا تھا کہ فرمان اس سے دوبارہ ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہتا ہے لیکن وہ انکار کر رہی ہے۔

پھر ایک جگہ لکھا تھا کہ فرمان نے اسے حلالہ کے مرحلے سے گزرنے کا مشورہ دیا ہے لیکن وہ اسے بے حیائی سمجھتی ہے اور ایسا کرنے سے انکار کرتی رہی ہے۔

اس کے بعد ڈائری ختم ہو چکی تھی۔ اس ڈائری کے بعد کوئی اور ڈائری دکھائی نہیں دی۔ عدنان نے الماری کے اندر مزید ڈائریاں تلاش کیں مگر اب ایک بھی ڈائری نہیں تھی۔ اس کی وجہ وہی تھی کہ فرمان نے اس کی آخری ڈائری جلا دی تھی اور اسے تاکید کی تھی کہ آئندہ وہ ڈائری نہیں لکھے گی اور اسماء نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کبھی ڈائری نہیں لکھے گی۔ اس کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔

لیکن اب اس ڈائری کو جلا دینے اور آئندہ ڈائری نہ لکھنے سے بھی غلط فہمی پیدا

ہونے والی تھی۔ بیٹا بڑے دکھ اور غصے سے سوچ رہا تھا کہ کیا اس کے ماں باپ اتنے ہی بے غیرت ہیں' اتنے بے حس ہیں کہ اسلامی قوانین کے خلاف طلاق کے بعد ایک چھت کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ ڈائری میں لکھا ہوا تھا کہ انہوں نے طلاق کی بات دنیا والوں سے چھپائی تھی اور اب اس بات کو چھپانے کا وہ فائدہ اٹھا رہے تھے۔ کسی کو یہ خبر نہیں تھی کہ ان کے درمیان کبھی طلاق ہوئی تھی اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ طلاق کے بعد وہ ایک دوسرے کی طرف مائل ہو گئے تھے اور بڑی بے حیائی سے ایک ہی کوٹھی میں' ایک ہی چھت کے نیچے ایک ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔

وہ الماری کے پاس سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ مٹھیاں بھینچنے لگا۔ دانت پیستے ہوئے سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا میرے ماں باپ ایسے ہیں کہ انہیں اتنی طویل زندگی گزارنے کے بعد اچھے برے کی تمیز نہیں ہے؟

کیا یہ دینی احکامات کے مطابق اپنی زندگی گزارنا ضروری نہیں سمجھتے؟ یقیناً ضروری نہیں سمجھتے تب ہی یہ دونوں ایسی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ ٹہلتا رہا۔ سوچتا رہا۔ بہت بری طرح ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ اپنا سر دیوار سے ٹکرائے یا اپنے ماں باپ کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا دے۔ ان کا دشمن بن جائے اور انہیں ساری دنیا کے سامنے کھڑا کر دے اور کہے کہ فیصلہ سنایا جائے' یہ دونوں کیسی سزاؤں کے مستحق ہیں۔

ماں کی تصویر اس کی میز پر رکھی ہوئی تھی۔ تصویر مسکرا رہی تھی۔ اس نے منہ پھیر کر سوچا۔ ابھی ممی آئیں گی تو کیا وہ ان کا سامنا کر سکے گا؟ کیا انہیں دیکھے گا تو وہ بے حیا دکھائی نہیں دیں گی؟ اور باپ کون سا غیرت مند دکھائی دے گا؟ دونوں ہی قابل نفرت بن گئے تھے۔

اس نے دونوں مٹھیوں کو بھینچ کر سوچا۔ "نہیں۔ میں ان کا سامنا نہیں کروں گا۔ پہلے مجھے موجودہ حالات پر غور کرنا چاہئے' سوچنا چاہئے کہ مجھے ایسے ماں باپ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہئے یا نہیں؟ یا پھر ماں باپ کو کس طرح راہِ راست پر لایا جائے؟"

اس نے الماری کھولی۔ اس کے سیف میں پچیس ہزار روپے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے بیگ میں وہ روپے اور چند جوڑے رکھے' کچھ اور ضروری سامان رکھا۔ پھر اس گھر سے چلا گیا۔

رات کے گیارہ بجے اسماء اور فرمان واپس آئے۔ کار احاطے میں آ کر رکی۔ انہوں نے کار سے اتر کر ملازم سے پوچھا۔ "کیا عدنان سو رہا ہے؟"

"نہیں صاحب! وہ تو کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔"

فرمان نے اسماء کو دیکھا پھر کہا۔ "تمہارے لاڈلے سے کہا تھا کہ گھر میں رہے لیکن اسے تو باہر رہنے کا چسکا پڑ گیا ہے۔"

وہ دونوں اندر آئے۔ اسماء نے کہا۔ "کام سے گیا ہو گا۔ ابھی آ جائے گا۔"

فرمان اپنے بیڈ روم میں گیا۔ اسماء اپنے بیڈ روم میں آئی تو ایک دم سے چونک گئی۔ الماری کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ فرش پر فائلیں بکھری ہوئی تھیں اور کئی ڈائریاں بھی اِدھر اُدھر کھلی پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے اوراق ہوا سے پھڑپھڑا رہے تھے۔

اس نے چیخ کر آواز دی۔ "عدنان! تم کہاں ہو؟ یہ تم نے کیا کیا ہے؟ تم نے میری الماری کیسے کھولی؟"

اس کی چیخ سن کر فرمان تیزی سے چلتا ہوا آیا' بولا۔ "کیا بات ہے؟"

پھر اس نے کھلی الماری اور بکھرے ہوئے سامان کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔ "یہ.......... یہ تمہارے بیٹے نے کیا کیا ہے؟"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈائریوں کے پاس آئی۔ پھر ان میں سے ایک ڈائری کو اٹھا کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے' اس نے میری ڈائری پڑھی ہے۔"

فرمان نے سوالیہ نظروں سے اسماء کو دیکھا پھر اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔ "کیا ڈائری میں کوئی ایسی ویسی بات لکھی ہوئی تھی؟ میں نے منع کیا تھا کہ تم نہ ڈائری لکھو گی نہ رکھو گی۔"

"یہ میری زندگی کے یادگار دن تھے۔ میں نے انہیں چھپا کر رکھا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ لاک الماری کو بھی کھول لے گا اور ان ڈائریوں تک پہنچ جائے گا۔"

"اسی لئے برا وقت آنے سے پہلے اپنی ہر کمزوری کو مٹا دیا جاتا ہے اور اسی لئے میں نے تمہاری اس ڈائری کو جلا دیا تھا اور تمہیں تاکید کی تھی کہ تم آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی۔"

"میں نے آپ کی بات مان لی تھی۔ اس کے بعد میں نے بھی ڈائری نہیں لکھی

لیکن ان ڈائریوں میں میری زندگی کے بہت سے اہم واقعات درج ہیں۔ میں انہیں مٹانا نہیں چاہتی تھی۔ جلانا نہیں چاہتی تھی۔ میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس لئے انہیں چھپا کر رکھا تھا۔"

"اب چھپانے کا نتیجہ دیکھ رہی ہو۔ ہم نے ساری دنیا سے یہ بات چھپائی لیکن ہمارے اپنے بیٹے پر یہ راز ظاہر ہو چکا ہے۔ کیا تم سمجھ سکتی ہو کہ وہ ہمارے بارے میں کیسی رائے قائم کر رہا ہو گا؟"

وہ منہ پھیر کر سوچنے لگی۔ "میرا بیٹا کیا سوچ رہا ہو گا؟ وہ گھر سے کہیں باہر گیا ہے۔ کیوں گیا ہے؟ کیا غصے میں گیا ہے؟"

وہ فرش پر جھک کر تمام فائلیں اٹھا کر الماری میں رکھنے لگی۔ پھر ان ڈائریوں کو اٹھا کر رکھنا چاہتی تھی۔ فرمان نے گرج کر پوچھا۔ "یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا اب بھی تمہیں عقل نہیں آئی ہے؟ یہ ڈائریاں نہیں ہیں' بارود کا ڈھیر ہیں۔ یہ تمہارا گھر جلا رہی ہیں۔ پہلے بھی تم بہت دھوکے کھا چکی ہو۔ خدا کے لئے انہیں جلا دو' ختم کر دو۔"

وہ اس کے قریب آ کر تمام ڈائریاں اس سے چھین کر جانے لگا۔ وہ پیچھے پیچھے دوڑتے ہوئے بولی۔ "آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ پلیز' انہیں رہنے دیں۔ اب میں اس طرح چھپا کر رکھوں گی کہ.......... کہ.........."

وہ پلٹ کر غصے سے بولا۔ "بکواس مت کرو۔ تم نے بڑی حماقتیں کی ہیں اور ان کے نتائج بھگتتی آ رہی ہو۔ کیا اب بھی کچھ باقی رہ گیا ہے؟"

وہ کچن میں آ گیا۔ چولہا جلا کر اس میں ڈائری کے اوراق پھاڑ پھاڑ کر جلانے لگا۔ وہ دروازے پر کھڑی چپ چاپ ان ڈائریوں کے اوراق کو جلتے دیکھتی رہی اور بیٹے کے بارے میں سوچتی رہی کہ وہ کہاں گیا ہو گا؟ آج تک میرا بیٹا مجھ سے ناراض نہیں ہوا ہے۔ کیا سچ مچ ناراض ہو گیا ہو گا؟ کیا میں اسے مناؤں گی تو نہیں مانے گا؟

وہ اپنے دل کو سمجھا رہی تھی کہ ایک بار وہ آ جائے تو میں اسے منا لوں گی۔ آخر میرا بیٹا ہے لیکن.......... لیکن وہ گیا کہاں ہے؟

وہ تیزی سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی۔ پھر ریسیور اٹھا کر نمبر پنچ کرنے لگی۔ رابطہ ہونے پر جلال اکبر کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔ "بھائی صاحب! میں بول رہی

ہوں۔"

"ارے بھابی! آپ نے اتنی رات کو فون کیا ہے' خیریت تو ہے؟"

"ہاں۔ وہ عدنان ابھی تک گھر نہیں آیا۔ میں نے سوچا' شاید آپ کے پاس آیا ہو۔"

جلال اکبر نے اپنی بیٹی عینی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹی! کیا عدنان ادھر آیا تھا؟"

"نہیں پاپا! شام کو اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ رات کو فون کرے گا لیکن اب تک اس نے کوئی فون نہیں کیا ہے۔"

جلال نے کہا۔ "نہیں بھابی! وہ ادھر نہیں آیا ہے۔ عینی کو فون کرنے والا تھا۔ اس نے ابھی تک فون بھی نہیں کیا ہے۔ بات کیا ہے؟ آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔"

"کچھ نہیں۔ جب وہ گھر دیر سے آتا ہے تو میں اسی طرح پریشان ہو جاتی ہوں۔"

"آپ کی ممتا نے اسے بگاڑ دیا ہے۔ وہ صرف عینی کی وجہ سے کالج جاتا ہے ورنہ سارا دن مارا مارا پھرتا ہے۔ پتہ نہیں کیسے کیسے رئیس زادوں سے دوستی رکھتا ہے۔ سب ہی آوارہ ٹائپ کے لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ میں نے فرمان سے کہا تھا کہ بیٹے کو کنٹرول کرے لیکن وہ تو آپ سے بھی زیادہ لاپروا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے بھائی صاحب! وہ آئے گا تو میں اسے سمجھاؤں گی۔ اچھا فون رکھتی ہوں۔ خدا حافظ۔"

اس نے ریسیور رکھا۔ پھر تیزی سے چلتی ہوئی بیٹے کے بیڈ روم میں آئی۔ وہاں اس کی کتابوں میں وہ ڈائری دیکھی جس میں کئی فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔ وہ اس ڈائری کو لے کر پھر فون کے پاس آئی اور ہر نمبر پر رابطہ کر کے اس کے بوائے فرینڈز اور گرل فرینڈز سے پوچھتی رہی کہ عدنان ان کے پاس آیا ہے یا نہیں۔ سب نے یہی کہا کہ عدنان نہیں ہے جبکہ وہ اپنے جگری دوست شاکر کے پاس پہنچا ہوا تھا۔

شاکر نے فون پر اسماء سے جھوٹ کہہ دیا کہ آنٹی وہ میرے پاس نہیں آیا ہے۔ وہ آئے گا تو میں فوراً آپ سے رابطہ کراؤں گا بلکہ اسے آپ کے پاس لے کر آؤں گا۔

شاکر نے ریسیور رکھ کر عدنان سے کہا۔ "یار! اب کیوں اپنے ماں باپ کو پریشان کر رہا ہے؟ اچھا بول' کیوں وہاں سے چلا آیا ہے؟"

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ یہ میرے ذاتی معاملات ہیں۔ اگر تجھے بھاری پڑ رہا ہوں تو یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

اس نے ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "کیوں بکواس کر رہا ہے؟ یہ تیرے دوست کا گھر تیرا ہی گھر ہے۔ جب تک چاہے رہ سکتا ہے۔ ساری عمر رہ سکتا ہے۔ اب میں تجھ سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد عینی نے شاکر سے فون پر پوچھا۔ "کیا عدنان تمہارے پاس آئے ہیں؟"

اس نے جھجکتے ہوئے عدنان کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "ہیلو......... ہیلو۔"

دوسری طرف سے عینی نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ کیا آواز سنائی نہیں دے رہی ہے؟"

وہ بولا۔ "ہیلو کون ہے؟ آپ کی آواز کیوں نہیں آ رہی ہے؟ او گاڈ! لگتا ہے فون لائن میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔ پلیز' آپ کون ہیں؟ ذرا ٹھہر کر فون کریں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر عدنان کو گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "عینی کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ کیا اس سے بھی اپنے معاملات چھپا رہا ہے؟"

"ہاں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں کسی کو بھی شریک نہیں کروں گا۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگا۔ اس نے آج تک عینی سے کبھی کوئی راز نہیں چھپایا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے گھریلو مسئلے پر بھی گفتگو کرتے تھے۔ کبھی کوئی بات کسی سے چھپاتے نہیں تھے لیکن یہ بات ایسی تھی کہ اسے زبان پر لاتے ہوئے زبان جلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ ماں کی عزت اور باپ کی غیرت کا مسئلہ تھا۔ وہ کسی کے بھی سامنے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ دونوں بے غیرتی سے زندگی گزار رہے ہیں۔

بیٹے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماں باپ کے خلاف محاذ قائم کرے یا ان کی حمایت کرے؟ اور جس طرح انہوں نے ایک طویل عرصے سے یہ راز چھپائے رکھا ہے' اس طرح وہ بھی اس راز کو راز ہی رہنے دے؟ اسی طرح ماں باپ کی عزت رہ سکتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ عزت اپنی ہو یا ماں باپ کی ہو کیا اس کا بھرم رکھنے کے لئے اپنے دین کی اور دینی قوانین کی نفی کی جا سکتی ہے؟ کیا اسلامی قوانین کو توڑ مروڑ کر استعمال کیا جا سکتا ہے' جب چاہیں انہیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے؟

اور جب چاہیں اپنے مفاد کے مطابق ان قوانین کو بھلایا جا سکتا ہے؟

ماں باپ یہی کر رہے تھے۔ کیا بیٹے کو بھی یہی کرنا چاہئے؟ غلطیاں بزرگوں سے بھی ہوتی ہیں۔ اگر بزرگوں سے ہوتی ہیں تو نئی نسل کا فرض کیا ہے؟ کیا وہ اپنے بزرگوں کی غلطیوں کی نشاندہی نہیں کر سکتے؟ کیا انہیں دین کے خلاف کسی عمل سے روک نہیں سکتے؟

وہ رات بھر سوچتا رہا۔ کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر صبح آنکھ لگ گئی اور وہ دیر تک سوتا رہا۔

ادھر ماں کا بھی یہی حال تھا۔ اس کی نیند اڑ گئی تھی۔ وہ کبھی ڈرائنگ روم میں آتی تھی' کبھی کوٹھی سے باہر آ کر چوکیدار سے پوچھتی تھی۔ "کیا میرا بیٹا ابھی تک نہیں آیا؟"

اس سے جو جواب ملتا تھا' اس سے مایوسی ہوتی تھی۔ گھر کے ملازم اور چوکیدار وغیرہ سب ہی سمجھتے تھے کہ جب تک بیٹا گھر نہیں آتا ہے تو ماں اسی طرح پریشان ہو کر باہر آتی رہتی ہے۔ ان سے پوچھتی رہتی ہے۔ اس بار تو حد ہو گئی تھی۔ اس نے اندر باہر آتے جاتے صبح کر دی تھی مگر بیٹا نہیں آیا تھا۔

اس نے فرمان کے بیڈ روم کے دروازے پر آ کر دستک دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نیند سے آنکھیں ملتا ہوا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اسے دیکھ کر بولا۔ "تم اتنی صبح آ گئیں؟ کیا سوئی نہیں تھیں؟"

"آپ باپ ہیں۔ سو سکتے ہیں۔ میں ماں ہوں۔ میری نیند تو اڑ گئی ہے۔ پتہ نہیں وہ کہاں گیا ہے؟ اب تک واپس نہیں آیا ہے۔ دیکھیں' اب دن نکل آیا ہے لیکن اس کا کوئی پتہ نہیں ہے۔ میں نے جلال بھائی کو فون کیا تھا۔ اس کے سارے دوستوں کو فون کیا تھا۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا ہے۔"

فرمان نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔ اب وہ ننھا بچہ نہیں ہے' جوان ہے۔ سمجھدار ہے۔ اپنا اچھا برا سمجھتا ہے۔ وہ جہاں بھی گیا ہے' لوٹ کر آئے گا۔ آخر کتنے دنوں تک باہر رہے گا؟"

"آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ رات بھر باہر رہا ہے؟ اس نے نیند کہاں پوری کی ہوگی اور اب صبح کا ناشتہ کہاں سے کرے گا؟ آخر کہاں رات گزاری ہوگی؟ اس وقت کہاں ہوگا؟"

"پلیز اسماء! وہ جہاں بھی ہے' واپس آ جائے گا۔ ذرا سا صبر کرو۔"

"کیسے صبر کروں؟ یہ سوال بار بار ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ اس نے فون کیوں نہیں کیا؟ اسے فون پر یہ تو بتانا چاہئے تھا کہ وہ کہاں گیا ہے؟ کیوں گیا ہے؟ کیا ہم سے ناراض ہے؟ ناراض ہے تو کیوں ہے؟ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ خدا نہ کرے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آیا ہو۔ آپ تھانے میں رپورٹ کرائیں۔ چلیں گاڑی نکالیں۔ ہم تمام ہسپتالوں میں جا کر دیکھیں گے۔ معلوم کریں گے۔ وہ اتنا لاپرواہ ہے کہ اپنا شناختی کارڈ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا ہے۔ کوئی اسے نہیں پہچانے گا۔ نہ اس کا اتہ پتہ معلوم ہو گا۔ وہ لاوارثوں کی طرح کہیں ہسپتال میں پڑا ہو گا۔ خدا کرے میری زبان جل جائے اور اس کے ساتھ ایسا کچھ نہ ہوا ہو۔ پلیز' فوراً یہاں سے چلیں۔"

"ذرا صبر کرو۔ میں ابھی نیند سے اٹھا ہوں۔ مجھے واش روم جانے دو۔ ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔"

"آپ کو کسی شادی بارات میں نہیں جانا ہے کہ تیار ہو کر آئیں گے۔ آپ ایسے ہی چلیں۔"

"اسماء! کوئی بات ہو تو اسے حوصلے سے برداشت کرنا چاہئے۔ صبر کرنا چاہئے۔ تم انتظار کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ وہ جھنجلاتی ہوئی باہر آئی۔ اس نے ڈرائیور کو آواز دی۔ وہ دوڑتا ہوا آیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر بولی۔ "چلو' یہاں سے قریب ہی پولیس اسٹیشن ہے۔ وہاں چلنا ہے۔"

وہ اپنی کار میں بیٹھ کر پولیس اسٹیشن میں آئی۔ اتنی صبح وہاں کوئی بڑا افسر نہیں تھا۔ ایک معمولی سپاہی افسر کی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "فوراً رپورٹ لکھو۔ میرا بیٹا کل رات سے لاپتہ ہے۔ اسے تلاش کرنا ہے۔ تمہارے بڑے کہاں ہیں؟"

"وہ اپنی ڈیوٹی کے وقت آئیں گے۔ اتنی صبح کون آتا ہے! آپ کی رپورٹ لکھ لی جائے گی۔ آپ نام پتہ اور اپنا بیان لکھوائیں۔"

وہ لکھوانے لگی۔ پھر بولی۔ "اپنے افسروں کا فون نمبر بتاؤ؟"

وہ بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔ میں ان کے نمبر نہیں بتا سکتا۔ اجازت نہیں ہے۔"

"کیوں اجازت نہیں ہے؟ کیا ایمرجنسی کے وقت ان سے کوئی رجوع نہیں کر سکتا؟ ان کے پاس نہیں جا سکتا؟"

"اسی بات کے لئے انہوں نے منع کیا ہے۔ یہ وقت ان کے سونے اور آرام کرنے کا ہے۔ آپ خواہ مخواہ فون کر کے انہیں پریشان کریں گی۔ میں کبھی نہیں بتاؤں گا۔"

وہ وہاں سے چلتی ہوئی باہر آئی۔ پھر کار میں بیٹھ کر ڈرائیور سے بولی۔ "اب یہاں کے ہر چھوٹے بڑے ہسپتال میں چلو۔"

ڈرائیور نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ ایک ایک ہسپتال میں جاتی رہی اور پوچھتی رہی کہ کیا پچھلی رات سے اب تک کوئی ایسا حادثہ پیش آیا ہے؟ کوئی زخمی یہاں آیا ہے؟

پتہ چلا کوئی نہیں آیا ہے۔ اسی طرح وہ تمام ہسپتالوں میں جاتی رہی۔ کہیں کوئی حادثے کا زخمی بھی پہنچا ہوا تھا۔ اس نے اسے جا کر دیکھا لیکن وہ اس کا بیٹا نہیں تھا۔

فرمان نے موبائل کے ذریعے رابطہ کیا تو پوچھا۔ "تم کہاں گئی ہو؟"

"میں نے تھانے میں رپورٹ لکھوا دی ہے اور اب تمام ہسپتالوں میں دیکھتی پھر رہی ہوں۔ وہ کہیں نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"پلیز اسماء! گھر واپس آ جاؤ۔ میں اس وقت آفس میں ہوں۔ بہت ضروری کام سے آیا ہوں۔ اس کام کو نمٹا کر گھر واپس آؤں گا۔ پھر ہم دونوں اپنے بیٹے کو تلاش کریں گے۔"

"آپ اپنا کاروبار سنبھالیں۔ لاکھوں کروڑوں کمائیں۔ آپ کو بیٹے کی کیا پروا ہے؟ میں جب تک اس شہر کے تمام ہسپتالوں کو نہیں دیکھ لوں گی' اس وقت تک گھر واپس نہیں آؤں گی۔"

اس نے پریشان ہو کر ریسیور رکھ دیا۔ بہت ضروری کاروباری معاملات تھے۔ انہیں نمٹانا ضروری تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

ایسے ہی وقت فون کی گھنٹی سنائی دی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو۔"

تو اسے دوسری طرف سے اپنے بیٹے کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو ڈیڈی!"

وہ چونک کر بولا۔ "عدنان! تم کہاں ہو؟ ہم کل رات سے تمہارے لئے پریشان

ہیں۔ تمہاری ماں نے ایک ذرا پلک نہیں جھپکائی ہے۔ وہ تھانے میں رپورٹ لکھوا رہی ہے۔ تمہیں شہر کے تمام ہسپتالوں میں تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ تمہارے لئے کیسی پاگل ہو جاتی ہے؟ کہاں ہو تم؟"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اس نے آواز دی۔ "ہیلو......... ہیلو عدنان! تم چپ کیوں ہو؟"

تھوڑی دیر کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔ وہ بہت ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہا تھا۔ "آپ کون ہیں؟ میں اپنے پیارے ڈیڈی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولا۔ "بیٹے! تمہیں کیا ہوا ہے؟ اپنے باپ کی آواز نہیں پہچانتے ہو؟ میں فرمان علی ہی بول رہا ہوں۔"

"نہیں۔ میں اپنے ڈیڈی سے بات کرنا چاہتا ہوں جو بہت غیرت مند ہیں' شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور دل میں خدا کا خوف رکھنے والے ایک اچھے انسان ہیں۔ وہ کبھی گناہگار کی طرح زندگی نہیں گزارتے۔"

فرمان کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ بیٹے کے طنز کو فوراً ہی سمجھ گیا۔ پھر بولا۔ "بیٹے! تمہیں مجھ سے یا اپنی ممی سے کوئی شکایت ہے تو گھر آ جاؤ۔ گھر نہیں آنا چاہتے تو یہاں دفتر آ جاؤ۔ مجھ سے روبرو بیٹھ کر باتیں کرو۔ میں تمہاری شکایت دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"سوری۔ آپ کبھی میری شکایتیں دور نہیں کر سکتے کیونکہ آپ ایک گناہگار ہیں اور گناہ آلود زندگی گزار رہے ہیں۔ بڑی شرمناک زندگی جس کا تصور کر کے ایک بیٹے کو شرم آتی ہے۔ لہٰذا میں آپ سے نہیں اپنے ڈیڈی سے بات کرنا چاہتا ہوں جو بہت غیرت مند ہیں اور دل میں خوفِ خدا رکھنے والے ایک اچھے مسلمان ہیں۔ سوری' شاید میں نے ایک رانگ نمبر پر باتیں کی ہیں۔"

دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا۔ وہ ہیلو ہیلو کہہ کر آوازیں دینے لگا لیکن بے سود۔ دوسری طرف سے رابطہ ختم کر دیا گیا تھا۔

ادھر وہ ممتا کی ماری ماں بیٹے کو تلاش کر رہی تھی۔ وہ ایک ہسپتال میں پہنچی تو موبائل فون کا بزر سنائی دیا۔ اس نے اسے آن کر کے کان سے لگایا تو بیٹے کی آواز سن کر

خوشی سے اچھل پڑی۔ چیخ کر بولی۔ "عدنان! میرے بچے! تم کہاں ہو؟ میں صبح سے تمہیں ایک ایک ہسپتال میں جا کر تلاش کر رہی ہوں۔ دوپہر ہو چکی ہے اور تم مجھ سے اب رابطہ کر رہے ہو۔ کہاں ہو بیٹے؟ کیا مجھ سے ناراض ہو؟"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اس نے پکارا۔ "ہیلو......... عدنان! تم چپ کیوں ہو؟"

عدنان کی آواز سنائی دی۔ وہ بہت ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہا تھا۔ "آپ کون ہیں؟ میں اپنی ممی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میری ممی بہت حیا والی اور بہت عزت والی ہیں۔ وہ کبھی دینی احکامات کے خلاف عمل نہیں کرتیں۔ آپ کون ہیں؟"

وہ تڑپ کر بولی۔ "بیٹے! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم ماں کی آواز نہیں پہچانتے ہو؟"

"نہیں۔ میں صرف اس ماں کی آواز پہچانتا ہوں جو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ازدواجی زندگی گزار رہی ہے اور کوئی غلطی نہیں کر رہی ہے۔ آپ کون ہیں؟ میں نہیں جانتا۔ سوری......... میں نے شاید رانگ نمبر پنچ کیا ہے۔ آپ کو زحمت دی ہے۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ رابطہ ختم ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر آوازیں دینے لگی۔ "عدنان......... عدنان......... دیکھو بیٹے! رابطہ ختم نہ کرنا۔ ماں کو بتاؤ تم کہاں ہو؟ میں سمجھ گئی ہوں۔ تمہیں مجھ سے بڑی شکایتیں ہیں۔ میرے سامنے آؤ بیٹا۔ میں اپنے سینے سے تمہیں لگاؤں گی تو تمہیں دودھ کی خوشبو آئے گی پھر تم ماں سے بدظن نہیں ہو سکو گے۔ میں تمہاری شکایتیں دور کروں گی۔ بیٹے! مجھ سے بات کرو۔ رابطہ ختم نہ کرو۔ ہیلو......... ہیلو......... ہیلو........."

اس نے پریشان ہو کر اپنے موبائل کو دیکھا۔ پتہ چلا کہ رابطہ ختم ہو چکا ہے۔ اس نے اس نمبر پر رابطہ کرنا چاہا جس نمبر پر عدنان نے اس سے بات کی تھی تو وہ نمبر انگیج ملا۔ اس نے اسے آف کیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے فوراً ہی فرمان سے رابطہ کرنے کے بعد کہا۔ "ابھی میرے بیٹے نے مجھے فون کیا تھا۔ وہ ہم سے ناراض ہے۔ اس لئے گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ مگر اس نے اپنا پتہ ٹھکانہ نہیں بتایا ہے۔ میں کیا کروں؟ اسے کہاں تلاش کروں؟"

"پلیز اسماء! اپنے آپ کو سنبھالو۔ اس طرح تم پاگل پن اختیار کرو گی تو میں بہت پریشان ہو جاؤں گا۔ ایک تو بیٹا ہمیں طعنے دے رہا ہے۔ دوسرے تم اس کے پیچھے پاگل ہو رہی ہو۔ پتہ نہیں کہاں کہاں بھٹک رہی ہو۔ پلیز' گھر واپس آ جاؤ۔ میں بھی وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

"کیا اس نے آپ کو بھی فون کیا تھا؟"

"ہاں کیا تھا لیکن میرے ساتھ بھی اس نے وہی طنزیہ لہجہ اختیار کیا تھا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "فرمان! اب کیا ہو گا؟ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔ آپ میرے بچے کو کہیں سے بھی ڈھونڈ کر لائیں۔"

"اب وہ مل جائے گا۔ اتنا تو اطمینان ہو گیا ہے کہ وہ جہاں بھی ہے زندہ و سلامت ہے۔ آج نہیں تو کل ضرور ہمیں ملے گا۔ میں ابھی جلال سے بات کرتا ہوں۔ وہ اس کے پیچھے پولیس لگائے گا۔ سب اسے تلاش کرتے پھریں گے تو پتہ چل جائے گا کہ وہ ہم سے ناراض ہو کر کہاں چھپا ہوا ہے؟"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "آپ جلال بھائی سے کیا کہیں گے؟ ہمارا بیٹا کیوں ناراض ہو کر گھر سے گیا ہے؟"

"میں کوئی بہانہ کروں گا۔ جلال اکثر شکایت کرتا ہے کہ ہم عدنان کو غلط دوستوں کی صحبت سے اور آوارگیوں سے باز نہیں رکھتے ہیں۔ ہمیں اسے ڈانٹنا ڈپٹنا چاہئے۔ میں جلال سے کہوں گا کہ میں نے اسے بری طرح ڈانٹا تھا' اس لئے وہ ناراض ہو کر گھر سے چلا گیا ہے۔ اب تمہیں کہیں بھٹکنا نہیں چاہئے۔ فوراً گھر پہنچو۔ میں آ رہا ہوں۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ دونوں گھر واپس آئے۔ امید تھی کہ بیٹا بھی آ جائے گا۔ آخر کب تک ناراض رہے گا؟ جو شکایت ہے وہ روبرو کرے گا تو اسے سمجھایا جائے گا۔ اس کی تسلی کرائی جائے گی۔ شاید وہ مان جائے گا لیکن وہ واپس نہیں آیا تھا۔ اس نمبر پر بار بار رابطہ کیا جا رہا تھا۔ شاید وہ کسی پی سی او کا نمبر تھا۔ اسماء بہت پریشان تھی۔ یہ بات اس کے دل کو بہت صدمہ پہنچا رہی تھی کہ بیٹے کو یہ راز معلوم ہو چکا ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ بیٹا سامنے آئے گا تو اس کی نظریں جھکی رہیں گی اور وہ جو بھی شکایت کرے گا' وہ ایک مجرم کی طرح سنے گی اور معقول جواب نہیں دے سکے گی۔

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "فرمان! میں بیٹے کا سامنا کیسے کروں گی؟ میں تو شرم سے مر جاؤں گی۔ کیا اسی دن کے لئے ہم نے یہ بات اتنے راز میں رکھی تھی؟"

"میں کیا کہوں؟ تم خود ہی سوچو کہ تمہاری حماقت کی وجہ سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے۔"

"سچائی کسی بھی وجہ سے ثابت ہو جاتی ہے۔ چاہے حماقت سے ہو یا بدنصیبی سے ہو۔ مگر ہم ہزار کوششوں کے باوجود سچ کو چھپا نہیں پاتے۔"

اس نے فون کے ذریعے اپنے دوست جلال سے کہا۔ "وہ کل سے گھر نہیں آیا ہے۔ بری طرح ناراض ہے۔ پلیز' کسی طرح اسے تلاش کرو۔"

جلال نے کہا۔ "میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ اسے آوارگی سے روکو اور سختی سے گھر میں رہنے کی نصیحتیں کرو لیکن شاید تم نے کچھ زیادہ ہی ڈانٹ دیا ہے۔ آخر نیو جنریشن ہے۔ گرم خون ہے۔ دماغ بھی گرم رہتا ہے' اور وہ لڑکا ہے بھی تمہاری ہی طرح۔ ذرا سی بات پر غصہ آ جاتا ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ گھر ہی چھوڑ کر چلا گیا۔"

"تُو اتنی لمبی بات کیوں کر رہا ہے؟ اسے تلاش کرے گا یا نہیں؟"

"کر رہا ہوں بھئی کر رہا ہوں۔ ابھی اپنے سپاہیوں سے کہتا ہوں کہ وہ اسے ہر اس جگہ دیکھیں جہاں وہ مل سکتا ہے۔ میں عینی سے اس کے تمام گرل اور بوائے فرینڈز کے فون نمبر اور پتے حاصل کرتا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ کر عینی سے کہا۔ "بیٹی! تم تمام دوستوں کے نام پتے اور فون نمبرز نوٹ کر کے دو۔"

وہ ڈائری اٹھا کر لے آئی اور تمام لڑکے لڑکیوں کے نام پتے اور فون نمبرز ایک کاغذ پر لکھنے لگی۔ بیگم جلال نے بیٹی سے پوچھا۔ "یہ عدنان اتنی ساری لڑکیوں سے دوستی کرتا ہے۔ کیا یہ شریف زادوں کا چلن ہے؟ تمہیں حسد اور جلاپا نہیں ہوتا؟"

"بالکل نہیں ممی! میں عدنان کو اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ ان کے تمام دوستوں کو بھی اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ سب ہی ایک دوسرے کی گرل فرینڈز کی عزت کرتے ہیں۔ یہ سب سڑکوں اور تفریح گاہوں میں شور مچاتے پھرتے ہیں' اس لئے یہ غلط تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب چھچھورے ہیں اور اخلاقی اقدار کو نہیں سمجھتے ہیں جبکہ یہ بالکل ہی غلط

ہے۔"

ماں نے پوچھا۔ "کیا یہ غلط نہیں ہے کہ جوان لڑکیاں اور لڑکے کھلے عام ہنستے بولتے پھرتے ہیں؟"

"یہ آج کے دور کا تقاضا ہے۔ آپ کا دور گزر چکا ہے۔"

اس نے تمام نام و پتے لکھ کر باپ کی طرف بڑھائے۔ اس نے اپنے ایک اردلی کو بلا کر کہا۔ "اس کاغذ کی فوٹو کاپی کراؤ اور انسپکٹر کو یہاں بلاؤ۔"

عینی کے موبائل کا بزر سنائی دیا۔ جلال نے چونک کر دیکھا پھر کہا۔ "یہ عدنان ہو گا۔ اس سے بات کرو اور کہو کہ مجھ سے بھی دو باتیں کرے۔"

عینی نے فون آن کر کے اسے کان سے لگایا پھر کہا۔ "ہیلو میں عینی بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے عدنان کی گہری سانس کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو۔ میں بول رہا ہوں۔"

"عدنان! تم کہاں ہو؟ تم نے کل سے اپنے ممی اور ڈیڈی کو پریشان کیا ہوا ہے۔ کیا اس طرح میں پریشان نہیں ہو رہی ہوں؟ کیا تمہیں میری پریشانی کا خیال نہیں ہے؟"

وہ بولا۔ "میں جانتا تھا جیسے ہی تمہیں فون کروں گا' تم شکایتیں شروع کر دو گی۔"

"کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے؟ کیا تم واقعی پریشان نہیں کر رہے ہو؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میرے والدین کی وجہ سے تم بھی پریشان ہو رہی ہو۔ ویسے اتنا تو یقین ہونا چاہئے کہ میں ساری دنیا کو بھلا سکتا ہوں لیکن تمہیں نہیں بھلا سکتا۔"

"ایسی بات ہے تو فوراً یہاں آ جاؤ۔"

"مجھے افسوس ہے۔ ابھی میں کسی سے ملاقات نہیں کر سکوں گا۔"

"کیا مجھ سے بھی نہیں؟"

"تم سے ملوں گا مگر کچھ روز کے بعد۔"

"ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ تم سب سے دور ہو گئے ہو؟ کہاں ہو؟ یہاں نہیں آ سکتے تو مجھے اپنے پاس بلا سکتے ہو۔"

"پلیز عینی! کچھ روز صبر کرو۔ میں بہت ٹینشن میں ہوں۔ ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں۔ مجھے ذرا سنبھلنے دو۔"

"ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ تم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گئے ہو؟"

"میں ابھی نہیں بتا سکتا۔"

"اگر نہیں بتا سکتے تو پھر فون کیوں کیا ہے؟ جب میں غیر ہوں اور تمہارے معاملات میں شریک نہیں ہو سکتی' تمہارے مسئلے کو اپنا مسئلہ نہیں بنا سکتی ہوں تو پھر فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس لئے کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم سے ہر روز ملتا ہوں۔ اگر مل نہیں سکتا تو آواز ضرور سنتا ہوں۔ اس لئے ابھی تمہاری آواز سننے کے لئے فون کیا ہے۔"

"اچھی بات ہے' نہ تم یہاں آ سکتے ہو نہ مجھے اپنے پاس بلا سکتے ہو۔ میں تمہاری ہر بات مان لوں گی' تم میری ایک بات مان لو۔"

"بولو کیا چاہتی ہو؟"

"ابھی پاپا میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان سے بات کرو۔"

دوسرے ہی لمحے پتہ چلا کہ فون بند ہو چکا ہے۔ اس نے ہیلو ہیلو کہہ کر آوازیں دیں مگر دوسری طرف سے خاموشی رہی۔ وہ اپنا فون آف کرتے ہوئے باپ سے بولی۔ "پاپا! پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا پرابلم ہے؟ آپ کا نام سنتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔"

"ہوں! صاحب زادے کا دماغ کچھ زیادہ ہی گرم ہو گیا ہے۔ میرے شہر میں رہ کر مجھ سے کہاں تک چھپے گا؟ میرے سپاہی اسے آج رات تک ہی ڈھونڈ نکالیں گے۔ پھر میں اس کے کان پکڑ کر پوچھوں گا کہ برخوردار! آخر اتنی گرمی کیوں ہے؟"

عینی ریسیوڈ کال کے نمبر پر رابطہ کرنے لگی۔ جلال نے دوسرے فون پر فرمان سے رابطہ کیا پھر کہا۔ "تیرے بیٹے نے ابھی میری بیٹی سے بات کی تھی۔"

فرمان نے اسماء کی طرف دیکھتے ہوئے چونک کر پوچھا۔ "کیا عدنان نے تم سے بات کی ہے؟"

اسماء نے بھی چونک کر فرمان کو دیکھا پھر بالکل قریب آ گئی جیسے دوسری طرف کی بات سننا چاہ رہی ہو۔ جلال نے کہا۔ "اس نے مجھ سے تو نہیں میری بیٹی سے بات کی ہے۔ تب اس نے کہا کہ اسے مجھ سے بھی گفتگو کرنا چاہئے تو اس نے فوراً ہی فون کو بند کر دیا۔ یہ تیرا بیٹا ہے کیا چیز؟ ذرا میری گرفت میں تو آ جائے پھر میں پوچھوں گا کہ اتنی اکڑ کیوں دکھا

رہا ہے؟"

فرمان نے پوچھا۔ "کیا اس نے عینی کو گھر چھوڑنے کی کوئی وجہ بتائی ہے؟"

"نہیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے اور یہ شرمندگی عینی پر ظاہر نہیں کر رہا ہے۔"

فرمان نے تائید میں سرہلا کر کہا۔ "ہاں۔ یہی بات ہے۔ یار! میں ہر لمحہ تیرے فون کا انتظار کروں گا۔ اسماء بیٹے کے لئے بہت بے چین ہے۔ کہہ رہی ہے' تیرے پاس آ کر بیٹھ جائے گی۔ جب تک بیٹا نہیں ملے گا' تیرا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔"

"بھابھی کو لے آ۔ یہ تو تیرا ہی گھر ہے۔ میں عدنان کو پکڑ کر یہیں ان کے سامنے لے آؤں گا۔"

"اچھا۔ میں ابھی پوچھتا ہوں۔"

اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "جلال کہہ رہا ہے کہ ہم اس کے گھر چلے آئیں۔ وہ عدنان کو کسی طرح پکڑ کر وہاں لے آئے گا۔"

وہ انکار میں سرہلا کر بولی۔ "نہیں۔ اگر میں اُدھر گئی اور بیٹا اِدھر آئے گا تو گھر خالی دیکھ کر واپس چلا جائے گا۔ جب تک وہ نہیں آئے گا' میں یہاں سے باہر قدم نہیں نکالوں گی۔"

فرمان نے فون پر کہا۔ "بھئی یہ تو یہاں بیٹے کا انتظار کر رہی ہیں۔ یہاں سے قدم باہر نکالنا نہیں چاہتیں۔ انہیں یقین ہے کہ بیٹا یہاں ضرور آئے گا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ تم دونوں وہاں انتظار کرو۔ میں یہاں اسے تلاش کر رہا ہوں۔ میرے آدمی پورے شہر میں پھیل جائیں گے۔ اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ بھابی کو اطمینان دلاؤ۔ میں پھر کسی وقت فون کروں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ فرمان نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ عدنان گھر چھوڑنے کی وجہ کسی کو نہیں بتا رہا ہے۔ اگرچہ ہم سے ناراض ہے لیکن ہماری عزت کا خیال اسے ہے۔ وہ سب سے حقیقت چھپا رہا ہے۔"

اسماء نے بڑے فخر سے کہا۔ "وہ میرا بیٹا ہے۔ میری عزت نہیں اچھالے گا۔ میری شرم رکھے گا۔ مگر مجھ سے ناراض کیوں ہے؟ اسے میرے پاس آنا چاہئے۔ اگرچہ میں نہیں

چاہتی کہ اس سے آنکھیں ملاؤں۔ سچ پوچھیں تو یہ سوچ کر ہی شرم آتی ہے کہ بیٹے کو بڑی شرمناک حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔ میں اس سے کس طرح آنکھ ملا کر بات کروں گی؟"

"ہم نے کوئی شرمناک حرکت نہیں کی ہے۔ ہم نے اگر شادی نہیں کی ہے تو کوئی ازدواجی رشتہ بھی قائم نہیں کیا ہے۔"

"یہ ہم جانتے ہیں' دنیا والے تو نہیں جانتے۔ جب ایک گھر میں ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں تو پھر کیوں رہتے ہیں؟ کس تعلق کس رشتے سے رہتے ہیں؟ کیا دنیا والے یقین کریں گے کہ ہمارے درمیان کوئی جسمانی تعلق قائم نہیں ہوا ہے اور ہم بے شرمی کی زندگی نہیں گزار رہے ہیں؟"

فرمان نے سر جھکا لیا۔ وہ بولی۔ "آپ نے مجھے مجبور کیا تھا کہ مجھے یہاں رہنا چاہئے۔ میں بھی ممتا کی ماری بیٹے کی خاطر مجبور ہو گئی۔ اس کی زندگی سنوارنے اور مستقبل شاندار بنانے کے لئے میں یہاں آپ کے ساتھ رہتی ہوں۔ یہ تو خدا بہتر جانتا ہے کہ میں پاک دامن ہوں یا نہیں' مگر دنیا والوں کو یقین دلانا ممکن نہیں ہے۔ آپ میرے اندر کی حالت نہیں سمجھ سکیں گے۔ میں ایسے ٹوٹ رہی ہوں کہ میری بے شرمی کی بات جب دوسروں کو معلوم ہوگی تو شاید میرا دم نکل جائے گا۔ اس سے پہلے کہ میں کسی سے آنکھ ملا سکوں' میری آنکھیں بند ہو جائیں گی۔"

"ایسی باتیں نہ کرو اسماء! کچھ نہیں ہوگا' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ سوچنے لگی۔ سوچتے سوچتے کہنے لگی۔ "اسے میرے پاس آنا چاہئے۔ ماں پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ میں ماں کی زبان سے سمجھاؤں گی تو وہ سمجھ لے گا کہ میں ایک گناہگار کی طرح زندگی نہیں گزار رہی ہوں۔ وہ ماں کی شرم رکھنا چاہتا ہے تو اسے مجھ سے ملنا چاہئے۔"

وہ دن بھی گزر گیا۔ دوسری رات بھی گزر گئی۔ پھر تیسرے دن جلال نے فون پر کہا کہ اسے تلاش کر لیا گیا تھا۔ وہ اپنے ایک دوست شاکر کے بنگلے میں تھا۔ اس سے پہلے کہ پولیس والے چاروں طرف سے گھیرتے' وہ وہاں سے فرار ہو گیا۔ پھر پتہ نہیں کہاں جا کر چھپ گیا ہے۔

فرمان نے کہا۔ "اس کے پاس اچھی خاصی رقم ہے۔ وہ جہاں بھی جائے گا' آرام

سے کھائے پڑے گا اور کہیں رہے گا۔ اسے بھی فکر نہیں ہے۔ مگر ایسا وہ کب تک کرے گا؟"

اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا کہ وہ ایسا کب تک کرے گا اور اپنے پیدا کرنے والوں سے دور دور رہے گا؟ ایک گھنٹے کے بعد ہی فون کی گھنٹی بجی تو فرمان نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہاں۔ میں فرمان بول رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے عدنان کی آواز سن کر اسماء کو پُرامید نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "بیٹے عدنان! تم ہو۔ دیکھو فون نہ رکھنا۔ پہلے بات مکمل کر لینا۔"

اسماء ایک دم سے تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی پھر فرمان سے ریسیور چھین کر اسے کان سے لگا کر چیختے ہوئے بولی۔ "کہاں ہو تم؟ کیا تم نے ماں کو اتنی جلدی بھلا دیا ہے؟ کیا ماں تمہاری نظروں سے اتنی گر گئی ہے کہ تم اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتے ہو؟ میں تمہاری ایک بات بھی نہیں سنوں گی۔ اگر تم میرے بیٹے ہو اور تم نے میرا دودھ پیا ہے تو میں اپنے دودھ کا حق تم سے مانگتی ہوں۔ یہاں آؤ اور ابھی آؤ۔"

فون پر چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ پھر وہ بڑے دھیمے سے لہجے میں بولا۔ "ممی! میں نے آپ کی ڈائری میں پڑھا ہے کہ آپ کتنی شرم و حیا والی ہیں؟ کیا آپ میرا سامنا کر سکیں گی؟ مجھ سے آنکھیں ملا کر بات کر سکیں گی؟"

تھوڑی دیر کے لئے اسماء کو چپ لگ گئی۔ پھر وہ بولی۔ "بیٹے! میں اور میرا خدا جانتا ہے کہ میں گناہگار نہیں ہوں اور میں ایسی کوئی شرم ناک زندگی نہیں گزار رہی ہوں۔ اس لئے مجھے تمہارا سامنا کرتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔ البتہ یہ خیال مجھے مارے ڈالتا ہے کہ میں ایک مطلقہ ہوں۔ ساری دنیا سے اس بات کو چھپاتی رہی مگر یہ بات تم تک پہنچ گئی۔ مطلقہ ہونا بھی ایک بہت بڑی گالی ہے اور یہ گالی میں کھا چکی ہوں اور دنیا والوں کو نہیں بتانا چاہتی کہ میں گالی یافتہ ہوں۔"

"ممی! اگر آپ دعوے سے کہتی ہیں کہ کوئی شرمناک زندگی نہیں گزار رہی ہیں تو پھر کیسی زندگی گزار رہی ہیں؟ کیا کوئی مطلقہ عورت اپنے سابقہ میاں کے ساتھ دن رات رہ سکتی ہے؟"

"بیٹے! یہی تو میں تمہیں یقین دلانا چاہتی ہوں کہ ساتھ رہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

یقین کرو ہم میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی نہیں گزار رہے ہیں۔"

وہ چیخ کر بولا۔ "تو پھر یہ کیا ہے؟ کس حیثیت سے زندگی گزار رہی ہیں؟ میں بچپن سے اب تک آپ دونوں کو ہنستے بولتے اور ساتھ رہتے دیکھتا آ رہا ہوں۔ کیا میں اب بھی نادان بچہ ہوں؟"

"بیٹے! بعض اوقات انسان بہت زیادہ سمجھنے کی خوش فہمی میں کچھ بھی سمجھ نہیں پاتا اور بڑی غلطیاں کرتا ہے۔ میرے پاس آؤ۔ میں تمہاری غلط فہمی دور کر دوں گی۔"

"میں ایک ہی شرط پر آؤں گا۔ آپ جلال انکل اور ان کی بیگم کو بتائیں گی کہ طلاق ہو چکی ہے۔ اس کے بعد بھی آپ برسوں سے ڈیڈی کے ساتھ دن رات رہتی آ رہی ہیں۔ آپ ساری باتیں واضح کریں گی کہ آپ نے طلاق کی بات کیوں چھپائی ہے؟ ایک بات کو چھپانے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسری بہت سی باتیں چھپائی جا رہی ہیں۔ آپ اور ڈیڈی کسی عالم دین سے رجوع کریں گے اور یہ فتویٰ حاصل کریں گے کہ آپ کی موجودہ زندگی جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس غلطی کی تلافی کیسے ہو سکتی ہے؟ آپ اس سلسلے میں ڈیڈی سے مشورہ کریں۔ میں آدھے گھنٹے بعد فون کروں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ اسماء نے ریسیور رکھ کر فرمان کو بتایا کہ بیٹا کیا کہہ رہا تھا۔ وہ بیٹے کا مطالبہ سن کر پریشان ہو گیا۔ کہنے لگا۔ "اسماء! ہم دنیا والوں سے یہ بات چھپاتے آئے ہیں۔ اب کسی کے سامنے کیسے کہہ سکتے ہیں؟ جلال میرے بچپن کا دوست ہے۔ میں نے آج تک کوئی بات نہیں چھپائی تھی۔ تمہاری ضد پر یہ طلاق کی بات اس سے بھی چھپائی۔ اگر اسے معلوم ہوگا تو وہ بڑی شکایتیں کرے گا اور یہی کہے گا کہ ہم نے اسے اپنا نہیں سمجھا اور جھوٹے منہ سے اپنائیت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "جلال بھائی اپنی بیٹی ہمیں دینے والے ہیں۔ میں کیا منہ لے کر ان کے سامنے جاؤں گی؟ میری ہونے والی بہو کیا سوچے گی کہ ساس طلاق یافتہ ہے اور اب تک برسوں سے اپنے سابقہ شوہر کے ساتھ دن رات زندگی گزارتی آ رہی ہے۔ ہم کیسے کسی کا دل صاف کریں گے؟ کیسے اعتماد حاصل کریں گے کہ ہم نے اب تک کی زندگی شرمناک نہیں گزاری ہے؟"

فرمان نے کہا۔ "سیدھی سی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ہم دنیا والوں کو کبھی

یقین نہیں دلا سکیں گے۔ سب ہمیں گناہگار ہی کہیں گے۔ بہتری اسی میں ہے کہ یہ بات سب سے چھپی رہے۔ صرف بیٹے کو معلوم ہوا ہے۔ اسے کسی طرح سمجھایا منایا جائے، اپنے اعتماد میں لیا جائے۔"

وہ دونوں اس سلسلے میں بہت سی باتیں کرتے رہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مسئلے کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔ جب سے یہ راز بیٹے کو معلوم ہوا تھا تب سے اسماء کی عجیب حالت تھی۔ اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔ فرمان نے ڈاکٹر کو بلا کر معائنہ کرایا تو ڈاکٹر نے کہا۔ "آپ کی وائف کو بہت سخت صدمہ پہنچا ہے۔ انہیں صدمات اور پریشانیوں سے دور رکھیں۔"

اسے پہلے ہی سانس کی تکلیف تھی۔ کبھی گھبراہٹ اور پریشانی سے اور کبھی سانس کی نالی میں بلغم جمع ہو جانے سے سانس لینے میں تکلیف ہوتی تو ایسے وقت ڈاکٹر نے اسے انہیلر لینے کے لئے کہا تھا۔ انہیلر کے ذریعے سانس بحال ہو جاتی تھی۔ فرمان کی کوشش ہوتی تھی کہ اسے کسی گھبراہٹ اور پریشانی میں مبتلا نہ کیا جائے اور اسے کوئی صدمہ نہ پہنچے۔

لیکن یہ انسان کے بس میں نہیں ہے کہ کسی کے دل و دماغ میں صدمات کو آنے سے روک سکے۔ فرمان کو کیا معلوم تھا کہ اچانک ان کا راز کھلے گا اور یہ صدمہ اسماء کو اندر سے بری طرح توڑنے لگے گا۔

آدھے گھنٹے کے بعد پھر فون پر بیٹے کی آواز سنائی دی۔ اس بار فرمان نے کہا۔ "تم نے اپنی ماں سے جو کچھ کہا ہے وہ مجھے معلوم ہوا ہے۔ بیٹے! دیکھو اتنی لمبی باتیں ہیں۔ یوں فون پر نہیں ہو سکیں گی۔ تم گھر چلے آؤ۔ ہم سے کھل کر باتیں کرو۔ اگر ہماری باتیں نامناسب ہوں اور تمہاری ناراضگی دور نہ ہو تو پھر تم واپس چلے جانا۔ ہم تمہارا راستہ نہیں روکیں گے لیکن ابھی ہمیں اتنا تو موقع دو کہ ہم اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکیں۔"

اسماء نے ریسیور کے قریب جھک کر کہا۔ "بیٹے! مجرموں کو بھی صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ ہم مجرم نہیں ہیں۔ تم ایک بار آؤ تو سہی۔"

عدنان نے کہا۔ "اگر مجرم نہیں ہیں تو پھر خوف کس بات کا ہے۔ آپ جلال انکل کے گھر چلے آئیں۔ میں بھی آ جاؤں گا۔ ہم سب مل کر وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ میرا

مستقبل جلال انکل کی بیٹی سے وابستہ ہے۔ وہ میری شریک حیات بننے والی ہے۔ ساری زندگی میرے ساتھ گزارنے والی ہے لہٰذا اس گھر کی اہمیت کو سمجھیں اور ان کو اپنے اعتماد میں لیں۔ ان سے کوئی راز نہ چھپائیں۔"

"اگر راز ظاہر کرنا ہوتا تو وہ میرا بچپن کا جگری دوست ہے۔ میں اس سے بھی کچھ نہ چھپاتا۔ تم اپنی ماں کی شرم و حیا کو نہیں سمجھ پاؤ گے۔ وہ مطلقہ بن جانے والی توہین برداشت نہیں کرے گی۔ پھر یہ بات کھلتی ہی جائے گی کہ میں نے تمہاری ماں کے کردار پر شبہ کیا تھا۔ اس طرح سننے والے تمہاری ماں کے لئے کیسی کیسی رائے قائم کریں گے؟ اور وہ ایسی شرم والی ہے کہ ایسی بے شرمی کا الزام برداشت نہیں کر سکے گی۔ تم نہیں جانتے کہ اس کی کیا حالت ہے؟ تم نہیں آ رہے ہو تو یہ بیمار ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس کے دل کو صدمہ نہ پہنچے اور تم ہو کہ صدمہ پہنچا رہے ہو۔"

"تمام صدمے دور ہو جائیں گے۔ میں ممی کے قدموں میں گر پڑوں گا لیکن میری بات کو سمجھیں۔ جو سچ ہے اسے نہ چھپایا جائے۔ جو جھوٹ آپ دونوں کی زندگی میں جاری ہے اور جاری رہے گا، اسے میں اپنے اور اپنی آئندہ نسل کے لئے زہر سمجھتا ہوں۔"

فرمان نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟ کیا یہ کہ سچ ظاہر ہو اور تمہاری ماں شرم کے مارے مر جائے؟"

"نہیں۔ سچ کڑوا ضرور ہوتا ہے۔ وہ ہلاک نہیں کرتا بلکہ بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔ سمجھا دیتا ہے۔ آپ ممی کو سمجھائیں کہ سچ کا زہر پی لینا چاہئے اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ میری ماں میری خاطر سچائی کا زہر پی لے گی لیکن آپ نہیں پئیں گے کیونکہ آپ بھی ایک شرمناک زندگی گزارنے کے باعث اس سچ کو چھپا رہے ہیں۔ آپ کبھی یہ ثابت نہیں کر سکیں گے کہ میری ممی کو طلاق دینے کے بعد آپ نے ان کے ساتھ ایک ہی چاردیواری میں پارسائی کی زندگی گزاری ہے۔ کیا آپ ثابت کر سکیں گے؟"

بیٹا باپ پر چوٹ کر رہا تھا۔ وہ تلملا کر بولا۔ "بکواس بند کرو۔ تم بہت گستاخ ہو گئے ہو۔ اپنے باپ سے ایسی باتیں کر رہے ہو۔"

اسماء نے اس سے ریسیور چھین کر کہا۔ "آپ میرے بیٹے کو کیوں ڈانٹ رہے ہیں؟ ایسی کیا بات ہو گئی ہے؟"

اس نے ریسیور کو کان سے لگا کر کہا۔ "بیٹے! میں تم سے بات کرتی ہوں۔ ہم سہولت سے باتیں کریں گے بیٹا۔ میں تمہیں نہیں ڈانٹوں گی۔ تم چاہے کچھ بھی کہو۔ ہم پر ہزار الزام عائد کرو۔ میں تمہیں پیار کرتی رہوں گی اور پیار سے سمجھاتی رہوں گی۔"

"اور میں آپ کے قدموں میں آکر گر پڑوں گا اور پھر وہیں ساری زندگی سانسیں لیتا رہوں گا۔ بس میری ایک بات مان لیں۔ یہاں جلال انکل کے گھر آ جائیں۔ جو سچ ہے سچ بیان کریں۔ جو جھوٹ ہے اسے خاک میں ملائیں۔ تب ہی ہمارے درمیان سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ آپ اپنے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھیں گے۔ میں کبھی آپ کے سامنے نہیں آؤں گا اور سامنے نہ آنے کی ایک ہی وجہ ہوگی کہ بیٹا آپ سے زیاہ شرم والا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ اسماء پر پھر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ وہ اوپر ہی اوپر گہری سانسیں لینے لگی۔ پتہ چلا کہ وہ سانس نہیں لے پا رہی ہے۔ فرمان دوڑتا ہوا اس کے بیڈ روم میں گیا۔ پھر وہاں سے انہیلر اٹھا کر لے آیا۔ اسماء اسے منہ سے لگا کر سانس کھینچنے لگی۔

وہ ایسی زوداثر دوا تھی کہ سانس فوراً ہی بحال ہو گئی۔ وہ بے دم سی ہو کر صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خلا میں تکنے لگی۔ فرمان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ "اسماء! تم ٹھیک تو ہو؟"

اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ پھر پوچھا۔ "آپ کس رشتے سے میرا ہاتھ تھام رہے ہیں؟ میرا بیٹا پوچھ رہا ہے میں کیا جواب دوں؟ بتائیں کیا جواب دوں؟"

اس کا سر جھک گیا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ امید بھی نہیں تھی کہ اس کا دوست جلال اس کے بیٹے کو سمجھا منا کر لے آئے گا۔ بیٹا تو اپنے جلال انکل سے بھی دور بھاگ رہا تھا۔ وہ اسی وقت ان کے گھر جانا چاہتا تھا۔ جب ماں باپ وہاں جا کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے اور جو سچ ہے اسے بیان کرتے' اور وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ بڑی رکاوٹیں تھیں۔ بڑی پریشانیاں تھیں اور اسماء کی بیماری کہہ رہی تھی کہ سچ سامنے آئے گا تو وہ مارے حیا کے مرجائے گی۔ اس کا دم نکل جائے گا اور بیٹا کہہ رہا تھا کہ ماں کو سچ کا زہر پی لینا چاہئے۔

وہ جیسے گم ہو گیا تھا۔ جلال اکبر جیسے انسپکٹر کے سپاہیوں کے ہاتھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

پتہ نہیں کہاں چھپا رہتا تھا۔ جلال نے ابتداء میں چند ایک سپاہی اپنی بیٹی کی نگرانی کے لئے لگائے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ چھپ کر عینی سے ضرور ملے گا لیکن اس نے ایک ماہ تک اس سے بھی ملاقات نہیں کی تھی۔

عینی نے شکایت کی۔ "پاپا! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ خواہ مخواہ پولیس والوں کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔ میں تماشہ بن جاتی ہوں۔"

باپ نے حیرانی سے پوچھا۔ "تمہیں کیسے پتہ کہ میں نے پولیس والوں کو تمہارے پیچھے لگایا ہے؟"

"آپ کے سپاہی اناڑی ہیں۔ میں سب دیکھتی اور سمجھتی رہتی ہوں۔ آخر آپ جیسے پولیس افسر کی بیٹی ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے۔ اب کوئی تمہاری نگرانی نہیں کرے گا لیکن وعدہ کرو کہ جب وہ تم سے ملنے آئے گا تو تم مجھے ضرور بتاؤ۔ مجھ سے یہ بات نہیں چھپاؤ گی؟"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔"

لیکن وہ چھپا رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد عدنان سے گفتگو ہوتی تھی اور وہ اسے کہتا تھا کہ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ دور سے ہی دیکھتا رہتا ہوں۔ چند سپاہی تمہاری نگرانی کرتے ہیں۔ جب تک یہ نگرانی کرتے رہیں گے' میں تمہارے قریب نہیں آ سکوں گا۔

عینی نے پوچھا۔ "تم قریب نہیں آ سکتے۔ تمہاری مجبوری ہے۔ کوئی بات نہیں۔ یہ تو بتا سکتے ہو کہ ماں باپ سے دور کیوں ہو گئے ہو؟ ایسی بھی کیا ناراضگی ہے کہ انہیں بالکل ہی چھوڑ دیا ہے؟ اور اپنی ممی کو پریشان کر رہے ہو۔ انہیں بیمار کر دیا ہے۔"

"عینی! تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو؟"

"محبت میں حساب کتاب کا کھاتہ نہیں ہوتا۔ کوئی ناپ تول نہیں ہوتا۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم میری زندگی ہو۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم ہی میرے اول و آخر ہو۔"

"میں تم سے کوئی بات کہوں گا تو اس پر عمل کرو گی؟"

"ضرور کروں گی۔"

"تو میں ایک ہی بات کہتا ہوں۔ اس کے بعد میں اپنی کوئی بات نہیں منواؤں گا اور

وہ بات یہ ہے کہ تم میرے اس معاملے کی کھوج نہ لگاؤ کہ میں کیوں اپنے ماں باپ سے ناراض ہوں۔ جب کبھی مناسب وقت آئے گا تو ساری باتیں تمہارے سامنے آ جائیں گی۔"

"عدنان! تم نے مجھ سے وعدہ لے کر میری زبان بند کر دی ہے۔ میں سوچتی رہوں گی کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔"

"کوئی بات نہیں۔ سوچتی رہو۔ مگر مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں تم سے کبھی کوئی بات نہیں چھپاتا اور یہ بھی نہیں چھپاؤں گا۔ تم پہلے مجھے اپنے معاملے سے نمٹ لینے دو۔"

"میں یہ سوچ کر پریشان ہوتی ہوں کہ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ تم کہاں رہتے ہو' کیا کرتے ہو' کیا کھاتے پیتے ہو؟"

"اس کی بالکل فکر نہ کرو۔ میں نے ایک جگہ کام پکڑ لیا ہے اور بڑے مزے سے کام کرتا ہوں۔ ہفتے میں ایک دن یا دو دن ایک ٹرک کو چلاتا ہوں۔ باقی دن آرام سے گزارتا ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "کیا تم ٹرک چلاتے ہو؟ بی اے سیکنڈ ائر میں ہو اور ایسا کام کر رہے ہو؟"

"تم کیا سمجھتی ہو کہ بی اے پڑھ لینے سے افسری مل جاتی ہے؟ کتنے ہی بے روزگار مارے مارے پھرتے ہیں۔ میں اچھی سی ملازمت کی تلاش میں ہوں۔ جب تک نہیں ملے گی' ٹرک چلاتا رہوں گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یاخدا! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم پر ایسی کیا مصیبت آ پڑی ہے کہ ماں باپ کا گھر چھوڑ کر یوں مزدوری کرتے پھر رہے ہو؟ تمہارے ڈیڈی کروڑوں کا بزنس کرتے ہیں۔ سارا کاروبار اور ساری دولت تمہاری ہے' اور تم ہو کہ ٹرک چلا رہے ہو۔"

"دیکھو۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے معاملات میں ابھی نہیں بولو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نہیں بولوں گی۔ صبر کروں گی۔ دل ہی دل میں کڑھتی رہوں گی کہ تم مجھ سے بات چھپا رہے ہو اور پتہ نہیں کب مجھے قابل اعتبار سمجھو گے۔ فون بند کر رہی ہوں۔ اب میں روتی رہوں گی۔"

"کیوں روتی رہو گی؟"

"اور کیا کروں گی؟ تمہارے رویئے پر کیا رونا نہیں آئے گا؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے۔ تھوڑی دیر تک رو لینا۔ اندر کا گرد و غبار دھل جائے گا۔ میں کل پھر کسی وقت فون کروں گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ دوسرے دن عینی نے فون پر کہا کہ اب اس کے پاپا کے سپاہی اس کی نگرانی نہیں کر رہے ہیں۔ اب وہ کہیں چھپ کر مل سکتے ہیں۔

عدنان نے کہا۔ "میں اتنا نادان نہیں ہوں۔ ابھی کچھ روز تک دیکھتا رہوں گا۔ جب اطمینان ہو جائے گا تب ہی تم سے کہیں ملاقات کروں گا۔"

وہ دو چار دنوں تک چھپ چھپ کر عینی کو دیکھتا رہا۔ وہ تنہا کالج جاتی تھی یا سہیلیوں کے ساتھ آتی جاتی رہتی تھی۔ اکیلی شاپنگ کے لئے جاتی تھی تو عدنان دور سے ہی اس کی نگرانی کرتا رہتا تھا۔ اس بات کا یقین ہو گیا کہ سپاہی اب اس کی نگرانی نہیں کر رہے ہیں۔ تب اس نے فون پر کہا۔ "میں مطمئن ہوں۔ تم بتاؤ کل کہاں ملو گی؟"

وہ خوشی سے کھل گئی پھر بولی۔ "میں وقت پر اپنے کالج جاؤں گی لیکن کلاس اٹینڈ نہیں کروں گی۔ تم جہاں کہو گے' وہاں چلی آؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کالج کے پیچھے والی گلی میں رہوں گا۔ تم وہاں چلی آنا پھر ہم وہاں سے کہیں جائیں گے۔"

ملاقات کا دن اور وقت مقرر ہو گیا اور اس مقررہ وقت پر وہ ایک دوسرے سے ملے۔ بہت دنوں کے بعد ملے تھے' اس لئے جی چاہتا تھا کہ ایک دوسرے کے بازوؤں میں اس طرح سما جائیں کہ دو سے ایک ہو جائیں پھر ایک سے دو کبھی نہ ہو سکیں لیکن سرِراہ ایسے نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ایک خوبصورت پارک کی طرف جانے لگے۔

☆======☆======☆

جلال اکبر نے بیٹی کی شکایت پر پولیس والوں کو ہٹا لیا تھا لیکن ایک سادہ لباس والے کو اس کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ وہ ان کا تعاقب کرتا رہا۔ اس نے فون کے ذریعے جلال اکبر سے کہا۔ "سر! عینی عدنان صاحب کے ساتھ بیٹھ کر ٹیکسی میں کہیں جا رہی ہیں۔ میں

بائیک پر ان کا پیچھا کر رہا ہوں۔"

"محتاط رہ کر پیچھا کرو اور انہیں ڈسٹرب نہ کرو۔ جب عدنان عینی سے الگ ہو کر کہیں جانے لگے تو اس کا تعاقب کرتے رہو۔ معلوم کرو کہ وہ کہاں رہتا ہے' کیا کرتا ہے۔"

وہ سادے لباس میں رہنے والا جاسوس دور ہی دور سے ان کی نگرانی کرتا رہا۔ عینی دو بجے تک ایک پارک میں عدنان کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی اور پیار و محبت کی باتیں کرتی رہی۔ دو بجے وہ کالج سے واپس گھر آتی تھی۔ اس لئے دو بجے سے کچھ پہلے عدنان سے رخصت ہو گئی۔

اس کے جانے کے بعد عدنان ایک آٹو رکشہ میں بیٹھ کر جانے لگا۔ وہ جاسوس بہت فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب کرتا رہا۔ عدنان وہاں سے شاہ عالمی چوک تک گیا پھر رکشے سے اتر کر بازار کے اندر جانے لگا۔ بازار کے اندر رکشہ ٹیکسیوں اور تانگے والوں کی ایسی بھیڑ تھی کہ راستے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانے کے لئے کئی کئی منٹ تک انتظار کرنا پڑتا تھا۔

عدنان پیدل تھا' اس لئے وہ آسانی سے گزرتا چلا گیا۔ اس جاسوس کے پاس موٹر سائیکل تھی۔ اسے راستہ بنا کر بڑھتے رہنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ وہ بڑی کوشش کر رہا تھا کہ راستہ بنا کر نکل جائے اور جب اسے موقع ملا تو پتہ نہیں عدنان اس وقت تک کس گلی میں چلا گیا تھا اور پیچ در پیچ گلیوں میں نہ جانے کہاں گم ہو گیا تھا۔

وہ موٹر سائیکل ایک جگہ کھڑی کر کے اِدھر اُدھر دوڑتا ہوا جانے لگا۔ اسے تلاش کرنے لگا لیکن اب وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے فون پر جلال اکبر کو سارے حالات بتائے تو وہ غصہ کرنے لگا۔ فون پر گرجنے برسنے لگا کہ اس کی کوتاہی کے باعث عدنان پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ اگر وہ دوسری بار عینی سے نہیں ملے گا اور ان کی نظروں میں نہیں آئے گا تو اس سپاہی کو کوتاہی کی سزا دی جائے گی۔ ملازمت سے برخواست کر دیا جائے گا۔

اس نے فون پر گڑگڑا کر کہا۔ "آپ مجھے ایک موقع اور دیں۔ کل یا پرسوں جب بھی بی بی جی عدنان کے ساتھ دیکھی جائیں گی تو پھر میں عدنان صاحب کو نظروں سے

اوجھل نہیں ہونے دوں گا۔"

☆======☆======☆

وہ ماں باپ سے دور بھاگ رہا تھا لیکن دکھ بیماریوں سے نہیں بھاگ سکتا تھا۔ ایک بار سخت بخار میں مبتلا ہوا۔ بخار کی شدت سے بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو ماں دودھ کا گلاس لئے کھڑی تھی۔ پتہ چلا کہ اس کے دوست شاکر نے اسے وہاں پہنچا دیا تھا۔

اس نے ہوش میں آتے ہی ماں کی صورت نہیں دیکھی۔ ماں دودھ پیش کر رہی تھی۔ وہ دودھ کے گلاس کو ہاتھ مارتا ہوا منہ پھیرتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔

پھر ایک بار عینی نے کہا۔ "اگر تم میرے والدین سے نہیں ملو گے تو وہ کبھی تمہیں داماد نہیں بنائیں گے۔ میں نے تمہاری بات مان لی۔ تمہارے ذاتی معاملات کے بارے میں تم سے کچھ نہیں پوچھتی ہوں۔ تم میری یہ بات مان لو۔ ایک بار میرے پاپا سے مل لو۔"

وہ مجبور ہو کر جلال اکبر سے ملنے گیا۔ جلال نے اسے باتوں ہی باتوں میں کریدنے کی کوشش کی۔ یہ معلوم کرنا چاہا کہ وہ اپنے ماں باپ سے اس قدر ناراض کیوں ہے کہ ان کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا ہے۔

عدنان نے اسے گول مول جواب دیا پھر وہاں سے جانے لگا۔ جلال اکبر نے کہا۔ "جاؤ۔ مگر یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ جب تک اپنے گھر واپس نہیں جاؤ گے اور ماں باپ سے معافی نہیں مانگو گے' تب تک میں ایک بدمزاج اور گستاخ لڑکے کو اپنا داماد بنانے کا تصور بھی نہیں کروں گا۔"

عدنان وہاں سے چلا آیا تھا۔

اس رات جلال اکبر اپنی پولیس فورس کے ساتھ ہائی وے پر تھا۔ ایک ٹرک کا تعاقب کر رہا تھا۔ اسے اطلاع ملی تھی کہ اس ٹرک میں منشیات کی سمگلنگ ہو رہی ہے۔ پولیس والوں نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے' اسے اوور ٹیک کرتے ہوئے آگے جانے سے روکا۔ مسلح سپاہیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جلال اکبر کی گاڑی پیچھے آ رہی تھی۔ اس نے ٹرک کے قریب پہنچ کر گاڑی سے اتر کر کہا۔ "کون ہے اس کا ڈرائیور؟ اسے سامنے لاؤ۔"

ہیڈ لائٹس کی روشنی میں جب اس نے ڈرائیور کو دیکھا تو ایک دم سے چونک گیا۔

حیرانی اور بے یقینی سے بولا۔ "عدنان! یہ تم ہو؟ تم یہ ٹرک چلا رہے ہو؟"

وہ بولا۔ "جی ہاں۔ میں ہی چلا رہا ہوں۔ محنت مزدوری کرتا ہوں۔ کوئی جرم نہیں کرتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سپاہیوں نے مجھے چاروں طرف سے کیوں گھیر رکھا ہے؟ کیا اس لئے کہ میں نے ماں باپ کا گھر چھوڑ دیا ہے اور آپ مجھے ہر حال میں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔"

جلال اکبر نے ڈانٹ کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ تم ہیروئن کے سمگلر ہو' کس کے لئے کام کرتے ہو؟ بہت زیادہ پیسہ کمانے کے لالچ میں تم نے اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ دیا ہے۔"

"آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ نہ میں کسی سمگلر کے ساتھ ہوں اور نہ ہی اس ٹرک میں کوئی مال سمگل کر رہا ہوں۔"

جلال اکبر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ٹرک کی تلاشی لی جائے۔ اس کے حکم کی تعمیل ہونے لگی۔ جلال اکبر نے بڑے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا باپ کتنا عزت دار ہے اور کروڑ پتی بزنس مین ہے اور تم یہ کیا کرتے پھر رہے ہو؟ مجھے تو تمہیں ایسی حالت میں دیکھتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔"

"اس میں شرمندہ ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔ میں محنت مزدوری کر رہا ہوں۔ حق حلال کی کھا رہا ہوں۔"

اسی وقت ایک سپاہی نے سفید سفوف کے چھوٹے چھوٹے پیکٹ لا کر دکھاتے ہوئے کہا۔ "سر! یہ ہیروئن ہے اور ٹرک میں سامان کے اندر انہیں چھپایا گیا ہے۔"

عدنان نے چونک کر چیختے ہوئے کہا۔ "جھوٹ ہے۔ غلط ہے۔ مجھے خواہ مخواہ جرم میں پھنسایا جا رہا ہے۔ میرے ٹرک میں ایسا کوئی سامان نہیں تھا۔ یہ کہاں سے آ گیا؟"

جلال اکبر نے کہا۔ "اسے ہتھکڑی پہنا دو اور لے چلو۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ عدنان چیختا چلاتا رہا' اپنی بے گناہی کی قسمیں کھاتا رہا لیکن اس کی ایک بھی نہیں سنی گئی۔ جلال اکبر نے گھر کی طرف واپس جاتے ہوئے فون پر فرمان سے کہا۔ "تمہارے لئے ایک بری خبر ہے۔"

اس نے گھبرا کر پوچھا۔ "عدنان تو خیریت سے ہے؟"

"بے شک وہ خیریت سے ہے لیکن اب وہ تمہیں آہنی سلاخوں کے پیچھے ملے گا۔"

"یہ.......... یہ تُو کیا کہہ رہا ہے؟"

"یار! مجھے افسوس ہے۔ ہم بچپن کے ساتھی ہیں اور ہمیشہ دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے کام آتے رہے ہیں لیکن آج میں تیرے کام نہیں آ سکا۔ میں نے تیرے بیٹے کو سمگلنگ کے جرم میں گرفتار کیا ہے۔"

فرمان اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر بولا۔ "یہ تُو کیا کہہ رہا ہے؟ تُو نے میرے بیٹے کو سمگلنگ کے جرم میں گرفتار کیا ہے۔ کیوں.......... تُو نے ایسا کیوں کیا؟"

"اس لئے کہ وہ ہیروئن سمگلنگ کر رہا تھا۔ اچھی خاصی ہیروئن اپنے ٹرک میں چھپا کر لے جا رہا تھا۔"

"میں حیران ہوں۔ اس کے پاس ٹرک کہاں سے آ گیا؟"

"وہ کسی سمگلر کے لئے کام کرتا ہے۔ ابھی پوچھ گچھ ہو گی تو ساری باتیں سامنے آئیں گی۔ بیٹے سے ملنا چاہتا ہے تو میرے آفس میں چلا آ۔"

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ یہ بات اسماء کو معلوم ہوئی تو وہ رونے اور چیخنے لگی۔ اپنے بیٹے کی بے گناہی کے سلسلے میں بولنے لگی اور کہنے لگی۔ "یہ آپ کے دوست کو کیا ہوا ہے؟ میں انہیں جلال بھائی کہتی ہوں اور چھوٹی بہن کی طرح عزت کرتی ہوں۔ یہ انہوں نے کیا کیا ہے؟ کیوں انہوں نے میرے بیٹے کو گرفتار کیا ہے؟"

"اسماء! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ جلال ایک ایماندار پولیس افسر ہے۔ اگر اس کا باپ بھی جرم کرتا ہوا پکڑا جاتا تو وہ اسے بھی نہ چھوڑتا اور گرفتار کر کے حوالات میں پہنچا دیتا اور یہی اس نے عدنان کے ساتھ کیا ہے۔"

"جو بھی کیا ہے' غلط کیا ہے۔ مجھے ابھی بیٹے کے پاس لے چلیں۔ میں اس سے پوچھ لوں گی اور اس کی بے گناہی ثابت کروں گی۔"

"وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔ تم اس کی بے گناہی ثابت نہیں کر سکو گی۔"

"آپ یہاں بحث نہ کریں۔ میرے بیٹے کے خلاف کچھ نہ بولیں۔ ابھی مجھے وہاں لے چلیں۔"

وہ دونوں کار میں بیٹھ کر جلال اکبر کے آفس پہنچے۔ وہاں عدنان کو ایک کمرے میں بند

کیا گیا تھا اور اس کے خلاف انکوائری ہو رہی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ کسی مُلّا بختاور کے پاس کام کرتا ہے اور اس کے ٹرک چلاتا ہے۔ ہفتے میں کبھی ایک یا دو دن مال لے کر دوسرے شہروں میں جاتا ہے پھر دوسرے دن واپس آ جاتا ہے۔

مُلّا بختاور کو بلایا گیا۔ اس نے کہا۔ "بے شک عدنان میرے پاس کام کرتا ہے۔ بہت سیدھا اور شریف لڑکا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اس کے ٹرک میں سے ہیروئن کیسے برآمد ہوئی۔ میں وہ ٹرک دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اسے اس ٹرک کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے دیکھ کر کہا۔ "یہ میرا ٹرک نہیں ہے۔ آپ انکوائری کر کے معلوم کر سکتے ہیں۔"

اس نے پولیس والوں کے سامنے عدنان سے پوچھا۔ "میں نے تمہیں دو سو ساٹھ نمبر کا ٹرک لے جانے کو کہا تھا۔ تم یہ دو سو سات نمبر کا کیوں لے گئے؟"

عدنان نے پریشان ہو کر کہا۔ "بختاور صاحب! آپ اللہ والے ہیں۔ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ آپ نے دو سو ساٹھ کہا ہو گا لیکن مجھے دو سو سات سنائی دیا۔ میں اس ٹرک کی سیٹ پر پہنچا تو چابی لگی ہوئی تھی۔ ٹرک میں ساتھ جانے والا ہیلپر بھی موجود تھا۔ اس لئے میں وہی ٹرک لے کر چلا گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ کسی دوسرے کا ٹرک ہے اور اس میں سمگلنگ کا مال چھپایا گیا ہے۔"

یہ تمام رپورٹ جلال اکبر کے پاس پہنچ رہی تھی۔ جلال اکبر نے مُلّا بختاور کے بارے میں بھی انکوائری کی۔ پتہ چلا کہ وہ بہت ایماندار بزنس مین ہے۔ بہت اللہ والا ہے اور ہمیشہ غریبوں محتاجوں کی مدد کرتا رہتا ہے۔ اکثر فلاحی کاموں میں حصہ لیتا رہتا ہے۔ اس کا ریکارڈ کسی طرح بھی داغدار نہیں تھا۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عدنان جو دو سو سات نمبر کا ٹرک لے گیا تھا' اس کا تعلق مُلّا بختاور سے نہیں ہے۔ اس طرح مُلّا بختاور تو گرفتار ہونے سے بچ گیا' اس پر کوئی الزام نہیں آیا لیکن عدنان بری طرح پھنس گیا۔ وہاں عدنان سے اسماء اور فرمان ملنے آئے تو وہ ملنے سے انکار کر رہا تھا۔

جلال نے کہا۔ "تمہیں اپنے ماں باپ سے ضرور ملنا ہو گا۔ تمہارا مقدمہ عدالت میں چلے گا۔ وہاں سے جو سزا ملے گی پھر اس کے بعد شاید ان سے برسوں تک نہ مل سکو۔"

اس نے کہا۔ "میں اس بند کمرے میں ہی رہوں گا۔ آپ ان سے کہیں کہ وہ باہر سے ہی مجھ سے گفتگو کریں لیکن میرا سامنا نہ کریں۔"

جلال اکبر نے کہا۔ "آپ لوگ جائیں۔ دروازہ بند ہے۔ وہ آپ لوگوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ بھابی آپ بند دروازے کے باہر رہ کر اپنے بیٹے سے بات کر سکتی ہیں۔"

وہ دونوں اس کمرے کے سامنے بند دروازے کے باہر آئے پھر اسماء نے دروازے کو پیٹ کر کہا۔ "بیٹے! میں تمہاری ماں آئی ہوں۔ کیا دروازہ نہیں کھولو گے؟ کیا مجھ سے بات نہیں کرو گے؟"

اندر سے عدنان نے کہا۔ "ممی! میں آپ کی آواز سن رہا ہوں۔ آپ بھی میری آواز سن سکتی ہیں۔ بات کر سکتی ہیں۔ میں زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا۔ آپ سے اور ڈیڈی سے کہہ چکا ہوں۔ جو سچ ہے وہ جلال انکل کے سامنے پیش کریں پھر کسی عالم دین سے رجوع کریں۔ جو کام آپ لوگوں کو کرنا چاہئے' وہ فوراً کریں۔ مجھ سے ملنا اور میرے موجودہ حالات پر پچھتانا ضروری نہیں ہے۔ میں اور میرا خدا جانتا ہے کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے اور میں بے گناہ ہوں تو مجھے سزا نہیں ملے گی۔"

اسماء نے فرمان سے کہا۔ "آپ چپ کیوں ہیں؟ بیٹے سے کیوں نہیں بولتے کہ وہ ہمیں معاف کر دے؟ ہم سے اگر غلطی ہوئی ہے تو اس غلطی کو چھپا لے۔ ہم تینوں ماں باپ اور بیٹا مل کر پھر سے ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔"

عدنان نے کہا۔ "میں پھر ایک بار کہتا ہوں کہ نئی زندگی آپ لوگوں کے سچ سے شروع ہو گی ورنہ جھوٹ کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔"

فرمان نے اسماء کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹے سے بحث نہ کرو۔ یہ اونچی آواز میں بول رہا ہے۔ بات میرے دوست جلال تک پہنچے گی یا دوسروں کے کانوں تک پہنچے گی تو سب ہی تجسس میں مبتلا ہوں گے کہ یہ کیا سچ کہنے کے لئے کہہ رہا ہے اور ہمیں جھوٹا کیوں کہہ رہا ہے؟ بہتر ہے کہ یہاں کوئی بحث نہ کرو۔ میری بات مانو اسماء! چپ چاپ یہاں سے چلو۔ ہم اپنے بیٹے کے لئے مقدمہ لڑیں گے۔ اسے سزا نہیں ہونے دیں گے۔ پہلے ہم اسے سزا سے بچائیں گے پھر آگے کوئی بات سوچیں گے۔"

وہ اسماء کو سمجھا منا کر جلال اکبر کے پاس لے آیا۔ جلال اکبر نے پوچھا۔ "بیٹے سے

باتیں ہو گئیں؟"

"ہاں۔ باتیں ہو گئیں۔ وہ ابھی تک ہم سے ناراض ہے لیکن کوئی بات نہیں۔ پہلے ہم اس کا مقدمہ لڑیں گے۔ اسے بے گناہ ثابت کریں گے۔"

"بے گناہ کیسے ثابت ہو گا؟ وہ مال کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے اور یہ کسی نامعلوم سمگلر کا ٹرک ہے۔ اس ٹرک کے نمبر سے پتہ نہیں چل رہا ہے کہ اس کا مالک کون ہے؟ شاید یہ نمبر پلیٹ جعلی ہے۔ بہرحال تمہارے بیٹے کے خلاف مقدمہ چلے گا۔ میں اسے قانون کے حوالے کر چکا ہوں لیکن اب تیرا ساتھ دوں گا۔ بھابی کا ساتھ دوں گا اور اس مقدمے میں مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا' میں عدنان کی حمایت میں بولوں گا۔"

اس کے خلاف مقدمہ چلنے لگا۔ جلال اکبر نے عدالت میں بیان دیا۔ "اگرچہ میں نے عدنان کو رنگے ہاتھوں گرفتار کیا ہے لیکن میں اسے ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ یہ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے اس سے پہلے کبھی کوئی جرم نہیں کیا۔ بی اے کا سٹوڈنٹ ہے۔ غلطی سے سمگلروں کے جال میں پھنس گیا ہے۔ اگر ہم اسے سخت سزا دیں گے تو یہ آئندہ بھی مجرم بنتا چلا جائے گا۔ اس لئے میں عدالت سے معافی کی درخواست کرتا ہوں۔"

سرکاری وکیل عدنان کے خلاف بولتا رہا جس کے نتیجے میں عدنان کو قید بامشقت کی سزا ہو گئی۔ وہ ایک برس کے لئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے چلا گیا۔

جلال نے کہا۔ "بھابی! میں آپ کے بیٹے کو سزا سے نہ بچا سکا لیکن جیلر سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔ وہاں وہ آرام سے رہے گا۔ اس پر زیادہ سختی نہیں کی جائے گی اور یہ اچھا ہی ہے۔ خدا جو کرتا ہے' بہتری کے لئے ہی کرتا ہے۔ جیل میں رہ کر اسے سوچنے اور اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی عادت ہو جائے گی۔ اپنے والدین سے گستاخی کرنے کی سزا پا رہا ہے۔ شاید اسے کچھ نصیحتیں حاصل ہو جائیں۔"

☆======☆======☆

جلال اکبر حقیقت نہیں جانتا تھا۔ اس لئے ایسا کہہ رہا تھا۔ یہ بات ماں باپ سمجھ رہے تھے کہ ایک برس کیا ساری زندگی بھی عدنان ان سے سمجھوتہ نہیں کرے گا اور یہی ہوا تھا۔ جب وہ ایک برس بعد رہا ہو کر آیا تو ماں باپ نے اس کی آمد کی خوشی میں اپنی

شادی کی سالگرہ منائی۔ آنے والوں سے یہی کہا کہ وہ اپنی شادی کی سلور جوبلی منا رہے ہیں لیکن حقیقتاً وہ بیٹے کی آمد پر خوشیاں منا رہے تھے۔

لیکن بیٹا دیر تک نہیں آیا اور جب اس تقریب میں آیا تو اس نے قیامت برپا کر دی۔ بھری محفل میں کہہ دیا کہ اس کے ماں باپ غلط ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں۔

یہ ایسی چونکا دینے والی بات تھی کہ سب ہی حیران رہ گئے تھے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ جو بیٹا بھری محفل میں اتنا سچ بولے تو پھر اس کے پیچھے سچ ہی ہوتا ہے۔ جھوٹ کی گنجائش نہیں رہتی۔

لیکن جو اسماء اور فرمان کی نیک نامی کو جانتے تھے' وہ یقین نہیں کر رہے تھے اور شبہے میں مبتلا تھے۔ بیٹے کو آوارہ اور بددماغ کہہ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ آج کی جوان نسل بہت گستاخ اور بے ادب ہو گئی ہے۔ اپنے ماں باپ کا اتنا لحاظ بھی نہیں کرتی کہ بھری محفل میں ان کی عزت رکھ لے۔

عدنان تو بھری محفل میں سچ بول کر چلا گیا تھا لیکن ماں پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ وہ اندر سے بری طرح ٹوٹ گئی تھی۔ بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ کچھ مہمانوں نے کھایا پیا تھا۔ کچھ ایسے ہی رخصت ہو گئے تھے۔ تمام مہمانوں کے جانے کے بعد جلال اکبر نے فرمان سے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ تمہارا بیٹا بدمزاج ہے' بددماغ ہے یا وہ سچ بول رہا ہے۔ سچ کیا ہے' یہ تمہیں بتانا ہے۔ تم میرے بچپن کے دوست ہو۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اتنا بڑا سچ تم نے چھپایا ہو گا۔ ہمیں سچ معلوم ہونا چاہئے کیونکہ ہم اپنی بیٹی کو تمہارے گھر بہو بنا کر بھیجنے والے ہیں لیکن اب ہماری دوستی اور ہونے والے رشتے کمزور پڑ رہے ہیں۔ بہتر یہی ہو گا کہ تم ابھی جا کر بھابی کو سنبھالو۔ ان کی طبیعت سنبھل جائے تو دوسرے دن ہمیں فون کرو۔ ہم آئیں گے اور تمہاری زبان سے سچ سننا چاہیں گے۔"

یہ کہہ کر جلال اپنی بیگم اور بیٹی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

☆======☆======☆

اس رات اسماء ہوش میں آنے کے بعد بیٹے کو پکارتی رہی تھی' روتی رہی تھی اور کہتی رہی تھی کہ بیٹے! آ جاؤ! اب جو کچھ ہونا ہے' وہ ہو جائے گا۔

میں اب تک شرم و حیا کے باعث سچ چھپاتی رہی لیکن یہ میری بھول تھی۔

اس نے فرمان سے کہا۔ "سب سے پہلے غلطی آپ سے ہوئی کہ آپ نے شک و شبہے میں آنکھیں بند کر کے مجھے طلاق دے دی اور جب آپ کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو آپ نے معافی مانگ لی۔ مجھ سے سمجھوتہ کر لیا۔

"مجھے بیٹے کا حوالہ دے کر اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کر لیا۔ میں بیٹے کی خاطر مجبور ہو گئی حالانکہ غلطی میری بھی ہے۔ مجھے آپ سے سمجھوتہ نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن میں ممتا کی ماری بیٹے کی محبت میں اندھی ہو گئی تھی۔ میں نے آگے پیچھے کچھ نہیں سوچا اور آپ کے ساتھ رہنے لگی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔ "اس کے بعد پھر ایک بڑی غلطی ہوئی کہ آپ مجھے حلالہ کے مرحلے سے گزارنا چاہتے تھے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ میں دوسرا نکاح پڑھوانے کے بعد خود کشی کرنے والی تھی لیکن ناکام رہی۔

"پھر آپ کے دوست عاطف نے میرے ساتھ کوئی ازدواجی رشتہ قائم نہ کر کے مہربانی کی اور یوں ہی طلاق دے دی جو سراسر دینی احکامات کے خلاف ہے۔ دینی اصولوں کے خلاف ایک مذاق ہے۔

"اور ہم یہ مذاق اب تک کرتے رہے۔ نکاح کے بغیر ایک چھت کے نیچے دن رات رہتے رہے۔ اگرچہ میرا دامن اب بھی پاک ہے۔ میں نے اور آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے لیکن ہم دنیا والوں کو کیسے سمجھائیں؟"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "بے شک! ہم دنیا والوں کے سامنے یہ ثابت نہیں کر سکیں گے کہ دن رات ایک ساتھ رہنے کے باوجود ہم پارسا رہے ہیں۔"

میں یہ جانتا ہوں کہ ان سب حادثوں کا اکیلا میں ذمہ دار ہوں۔ بغیر تحقیق کئے ہوئے غصے میں آ کر میں نے تمہیں طلاق دی۔ مزید تمہارے لئے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کرتا گیا۔

میں اسماء! تمہارا گناہ گار ہوں۔ میں تم سے معافی مانگتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے بھی اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا۔ "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اب سچ بولیں گے۔ ہمارے جھوٹ سے جو بہت بڑا نقصان پہنچ رہا ہے' وہ آئندہ ہماری ہونے والی نسل کا

نقصان ہے۔

"ہماری وجہ سے ہمارا بیٹا گھر سے بے گھر ہوا۔ کیا ہم کبھی سوچ سکتے تھے کہ وہ بے گھر ہونے کے بعد سمگلروں اور مجرموں کے ہتھے چڑھ جائے گا اور ان کی وجہ سے جیل چلا جائے گا؟ اس نے ہماری بھول کی وجہ سے ہتھکڑیاں پہنیں۔ ہماری وجہ سے جیل کی سلاخوں کے پیچھے رہ کر مجرموں کی طرح زندگی گزاری۔

"ہم پہلے اپنے خدا کے مجرم ہوئے۔ اس کے بعد بیٹے کے مجرم ہوئے۔ اب اور کیا ہو گا' ہم نہیں جانتے۔ اس سے پہلے ہمیں توبہ کر لینی چاہئے۔ اپنے جھوٹ اور غلطیوں کا اعتراف کر لینا چاہئے۔"

وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی پھر بولی۔ "میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ آپ کل جلال بھائی اور ان کے خاندان والوں کو بلائیں اور میرے بیٹے کو بھی کسی طرح یہاں بلائیں۔ سب کے سامنے اعتراف کیا جائے گا لیکن.........."

فرمان نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"بیٹا آئے گا تو میں اس سے نظریں نہیں ملا سکوں گی کیونکہ قسمیں کھانے کے باوجود وہ مجھے پارسا نہیں سمجھے گا۔ یہی سمجھتا رہے گا کہ میں نے اتنے برسوں تک مطلقہ ہونے کے باوجود آپ کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم رکھا تھا۔

"اور میں یہ بے حیائی برداشت نہیں کر سکوں گی۔ بیٹے سے نظریں نہیں ملاؤں گی۔ پہلے آپ اسے سمجھائیں گے' منائیں گے۔ اس وقت تک میں اپنے کمرے میں رہوں گی۔ جب وہ مجھ سے ملنے کے لئے راضی ہو جائے گا تب آپ اسے میرے پاس لے آئیں گے۔"

"تم جو کہو گی' میں وہی کروں گا۔ کل ہمارے لئے یومِ حساب ہے۔ ہمارے سامنے جو نتیجہ آئے گا' ہم اسے بھگت لیں گے۔"

☆======☆======☆

آدھی رات گزر چکی تھی۔ عینی جاگ رہی تھی۔ کبھی بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ کبھی ٹہل رہی تھی۔ عدنان نے ٹھیک ایک بجے اسے فون پر مخاطب کیا۔ وہ بولی۔ "میں کب سے فون کا انتظار کر رہی ہوں۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"بس شاکر وغیرہ کے ساتھ تھا۔ ذرا دیر ہو گئی۔ ایک برس کے بعد جیل سے آیا ہوں تو دوست مجھے نہیں چھوڑ رہے تھے۔"

"تم بھری محفل میں دھماکہ کر کے چلے آئے۔ جانتے ہو دنیا والے کیسی کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"

"جو سچ ہے وہ سچ ہی رہے گا۔ باقی جھوٹ ختم ہو جائے گا۔"

"یہ سچ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"میں اپنے ممی ڈیڈی کو موقع دے رہا تھا کہ وہ اپنی زبان سے سچ بولیں اور اسی لئے یہ بات سب سے چھپا رہا تھا کہ میں ان کی توہین نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایسی گستاخی سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا جو آج مجھ سے ہو گئی۔ یہ بتاؤ تمہارے ممی پاپا کا ری ایکشن کیا ہے؟"

"وہ تذبذب میں ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تمہاری اتنی طویل ناراضگی کچھ معنی رکھتی ہے۔ تم اگرچہ بدمزاج اور گرم دماغ جوان لگتے ہو لیکن سچے اور کھرے ہو۔ جب تم نے بھری محفل میں ایسا کہا ہے تو یہ جھوٹ نہیں ہو گا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اپنے ہونے والے داماد کے متعلق ان کے خیالات نیک ہیں۔"

"پاپا نے تمہارے ڈیڈی سے کہہ دیا ہے کہ ابھی تو وہ تمہاری ممی کو سنبھالیں۔ ان کی حالت بہت ہی نازک ہے لیکن کل صبح ہم سب ان کے گھر جائیں گے اور ان سے سچ معلوم کریں گے۔ اس سلسلے میں انہوں نے تمہیں یہاں آنے کو کہا ہے۔

"اور میں بھی تم سے یہی التجا کرتی ہوں کہ انکار نہ کرنا۔ کل صبح ہوتے ہی یہاں چلے آنا۔ ہم سب مل کر تمہارے گھر جائیں گے اور جو سچ ہے وہ تمہاری ممی اور ڈیڈی کی زبان سے سنیں گے۔"

"میں نے بہت پہلے اپنے ممی ڈیڈی سے یہی کہا تھا کہ وہ جلال انکل کے گھر آئیں اور جو سچ ہے' ان کے سامنے بیان کریں کیونکہ جلال انکل کے گھر سے میرا مستقبل وابستہ ہے۔ عینی میری شریکِ حیات بنے گی اور اس سے جو ہماری اولاد ہو گی' اس کا تعلق اپنے دادا دادی کے سچ سے بہت گہرا ہو گا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "عدنان! آئی لَو یو۔ میں تم سے جتنی بھی محبت کروں' کم ہے۔ تم میرے بارے میں اور ہم سے ہونے والی اولاد کے بارے میں کتنی سچائی اور ایمانداری

سے سوچ رہے ہو' اور جو سوچ رہے ہو' اس پر عمل کر رہے ہو۔ کل ہمارے بزرگوں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی تھی لیکن اب غلطی نہیں کریں گے۔ کل صبح یہاں آ رہے ہو ناں؟"

"ضرور آؤں گا۔"

"جب تک تم نہیں آؤ گے' میں ناشتہ نہیں کروں گی۔"

"میں ٹھیک ناشتے کے وقت تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

☆======☆======☆

وہ دوسرے دن ٹھیک ناشتے کے وقت پہنچ گیا۔ عینی کے ممی پاپا نے اس کا استقبال کیا اور کہا۔ "بیٹے! ہم تمہیں غلط سمجھ رہے تھے لیکن تم ہماری توقع سے زیادہ سچے مسلمان ہو۔ تم نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تم دینی احکامات کے مطابق اپنے والدین کا محاسبہ کر رہے ہو؟"

"انکل! اگر میں پہلے سے ان کے خلاف کچھ بولتا تو یہ میرے والدین کی توہین ہوتی۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا اور میں چاہتا تھا کہ میرے والدین خود بخود آپ کے سامنے سچ بولیں اور انشاء اللہ آج وہ سچ ضرور بولیں گے۔"

وہ سب ناشتہ کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے اور فرمان کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ جلال اکبر نے فون کر دیا تھا کہ وہ عدنان کے ساتھ آ رہا ہے۔ بیٹے کا بڑی بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا۔

وہ سب کوٹھی کے اندر آئے تو عدنان دور دور رہا۔ جلال انکل کے پیچھے کھڑا رہا۔ اس نے دور سے ہی باپ کو سلام کیا پھر سر جھکا کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ بیگم جلال نے پوچھا۔ "اسماء بھابی کہاں ہیں؟"

"ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ بیڈ روم میں ہیں۔"

بیگم جلال صوفے پر بیٹھ گئی تھیں' پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔ "مجھے بھابی کے پاس رہنا چاہئے۔"

فرمان نے کہا۔ "نہیں بھابی! آپ یہاں تشریف رکھیں۔ پہلے ہمارے درمیان باتیں ہوں گی۔ باتیں ایسی ہیں کہ اسماء یہاں بیٹھ کر کسی سے نظریں نہیں ملانا چاہتی۔ اسی لئے

اپنے بیڈروم میں ہے۔ جب بات مکمل ہو جائے گی' سارا سچ سامنے آجائے گا اور ہمارے لئے کوئی سزا مقرر ہو جائے گی یا معاف کر دیا جائے گا' بیٹے کا دل صاف ہو جائے گا اور یہ ماں سے ملنا چاہے گا' تب میں بیڈروم میں جا کر اسماء کو یہاں لے آؤں گا۔"

وہ سب مختلف صوفوں پر بیٹھ گئے۔ جلال اکبر نے کہا۔ "یار! تو میرا بچپن کا دوست ہے۔ آج تک ہم نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپائی اور تو مجھ سے ایسی بات چھپاتا رہا جس کی میں توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

فرمان نے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ پھر سر جھکا کر کہا۔ "عدنان نے بھری محفل میں جو کہا تھا' وہ سچ ہے۔ آج سے تقریباً اٹھارہ انیس برس پہلے میں نے اسماء کو طلاق دی تھی۔"

بیگم جلال نے بڑے دکھ سے فرمان کو دیکھا پھر پوچھا۔ "بھائی! ہماری اسماء بھابی تو لاکھوں میں ایک ہیں۔ آپ کو ان سے کیا شکایت پیدا ہوئی تھی؟"

"اسے میرے نصیب کی خرابی سمجھیں۔ میں نے اپنی پاکیزہ بیوی کے کردار پر شبہ کیا تھا اور غلط فہمی میں مبتلا ہو کر طلاق دی تھی۔ بعد میں میری غلط فہمی دور ہوئی۔ میری اسماء کی پارسائی کا ثبوت بھی ملا' گواہ بھی ملے تو میں بہت نادم ہوا۔

"میں نے اس سے معافی مانگی۔ اس نے مجھے معاف تو کر دیا لیکن میرے ساتھ زندگی گزارنے پر راضی نہیں ہو رہی تھی۔ تب میں نے اس کی ممتا سے فائدہ اٹھایا۔ عدنان کا حوالہ دے کر مجبور کیا کہ اسے بیٹے کی خاطر ایک چھت کے نیچے رہنا چاہئے۔

"جب وہ بیٹے کی خاطر میرے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئی تو میں نے اس سے دوبارہ شادی کی خواہش ظاہر کی۔ وہ حلالہ کے مرحلے سے گزرنا نہیں چاہتی تھی لیکن میں نے بھوک ہڑتال کر کے اسے مجبور کیا کہ وہ دوسری بار نکاح پڑھوائے۔"

عدنان اپنے باپ کو شکایت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بیان سے صاف صاف ظاہر تھا کہ باپ ہی اس کی ماں کو مجبور کرتا رہا ہے۔ فرمان کہہ رہا تھا۔ "جب میں نے اس کا نکاح اپنے دوست عاطف سے پڑھوایا تو وہ خودکشی کا ارادہ کر چکی تھی۔ اپنے ساتھ خواب آور گولیاں لے کر اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ گئی تھی۔ اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس کے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی وہ خودکشی کر لے گی۔ مجھے اس کے ارادوں کا پتہ چل گیا تھا۔"

وہ ذرا توقف سے بولا۔ "وہ خودکشی کے ارادے میں ناکام رہی۔ میں نے گولیاں بدل دی تھیں۔ میرا دوست عاطف اس کے پاک خیالات اور شرم و حیا سے بہت متاثر تھا۔ اس نے سہاگ رات کو اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور طلاق دے دی۔ وہ جیسی اچھوتی گئی تھی' اسی طرح واپس آ گئی۔"

جلال اکبر نے کہا۔ "اس طرح تو حلالہ کے احکام پر عمل نہیں ہوا۔"

فرمان نے کہا۔ "اسماء بھی یہی کہتی رہی۔ میں ضد کرتا رہا کہ وہ عدت کے دن گزارنے کے بعد مجھ سے دوبارہ نکاح پڑھوائے لیکن وہ راضی نہیں ہوئی۔ یہی کہتی رہی کہ وہ حلالہ کے مرحلے سے گزر کر نہیں آئی ہے اور اب بھی مطلقہ ہے۔ اس لئے وہ میرے نکاح میں نہیں آئے گی۔"

فرمان نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "ایک دن نہیں دو دن نہیں' میں کئی برس تک اسے اپنی طرف مائل کرتا رہا۔ اسے دوسری شادی پر مجبور کرتا رہا لیکن وہ راضی نہیں ہوئی۔ اپنے بیٹے عدنان کی خاطر اس چھت کے نیچے چاردیواری کے اندر رہنے پر مجبور رہی۔

"اس طرح ہم دن رات گزارتے رہے اور آج تک اسی سچائی اور پارسائی سے اپنے دن رات گزار رہے ہیں۔ ہم یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری نیکی اور پارسائی کا کسی کو یقین نہیں ہو گا کیونکہ ہم نے جھوٹ کہا ہے۔ دنیا والوں کو دھوکہ دیا ہے۔ اپنے دینی احکامات کی نفی کی ہے۔ آج ہمیں اس کی سزا مل رہی ہے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر سر جھکا کر بولا۔ "بیٹے عدنان! ہم نے بڑی غلطیاں کی ہیں۔ تمہاری ماں سے زیادہ غلطیاں میں نے کی ہیں اور میرے مجبور کرنے پر اس سے بھی غلطیاں ہوتی رہی ہیں۔ ان غلطیوں کے برے نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں۔

"کیا یہ نتیجہ کچھ کم ہے کہ ہمارا بیٹا گھر سے بے گھر ہو گیا' مجرموں کے چنگل میں پھنس گیا اور جیل سے سزا کاٹ کر آیا ہے؟ ہم نے ایک سچ کو چھپانے کے لئے اپنے بیٹے کا مستقبل تباہ کر دیا ہے۔"

وہ بیٹے کو التجا آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "بیٹے! تم مجھے معاف کرو یا نہ کرو لیکن اپنی ماں کو معاف کر دو۔ اس سے کہہ دو کہ تم ناراض نہیں ہو اور وہ گناہگار یا

خطاوار نہیں ہے۔"

عدنان نے جلال اکبر کو دیکھا۔ فرمان نے کہا۔ "ایک بات اور کہہ دوں کہ تمہاری ماں بیمار ضرور ہے لیکن اتنی بھی بیمار نہیں ہے کہ یہاں تک چل کر نہ آ سکے۔ وہ یہاں آ سکتی تھی لیکن اتنی حیا والی ہے کہ اپنے بیٹے سے نظریں نہیں ملا سکتی تھی۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ میرے گھر میں میری بہو بھی آنے والی ہے۔ میں اس بہو سے کیسے نظریں ملاؤں جو ہماری آئندہ نسل کو جنم دینے والی ہے؟ ہم بزرگ اپنے آپ کو بہت عقلمند اور تجربہ کار کہتے ہیں لیکن ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہماری جوان نسل گمراہ نہیں ہے۔

"وہ اپنے دین کو اور دنیاوی قوانین کو اچھی طرح سمجھتی ہے اور آج تم نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ جاؤ بیٹے! اپنی ماں کے پاس اور اس سے کہو کہ تمہیں ماں سے کوئی شکایت نہیں ہے اور تم اس کے قدموں میں جھکنے آئے ہو۔"

وہ اسماء کے بیڈروم کی طرف جانے لگا۔ باپ بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ عینی' بیگم جلال اور جلال اکبر بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ آہستہ آہستہ ان کے پیچھے جانے لگے۔

فرمان نے بیڈروم کا دروازہ کھول کر کہا۔ "اسماء! تمہارا بیٹا تم سے ملنے آیا ہے۔"

اسماء ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا گلاس لئے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ دوپٹے میں چھپا ہوا تھا۔ وہ پردہ کئے ہوئے تھی۔ کسی کو اپنا منہ دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔ "وہیں رک جایئے۔ بیٹے عدنان! تم بھی آگے نہ آنا۔ پچھلی بار تمہارے باپ نے میری شیشی سے خواب آور گولیاں بدل دی تھیں لیکن اس بار میں نے ایسا نہیں ہونے دیا ہے۔ میں دس گولیاں کھا چکی ہوں اور اب بھی یہ مٹھی بھر گولیاں میرے پاس ہیں۔ میں آخری بات کہنا چاہتی ہوں کہ موت میرے لئے لازمی ہو چکی ہے۔ مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔

"لیکن جب میں چکرا کر گروں اور موت کی آغوش میں چلی جاؤں تو میرے بچے! آنچل ہٹا کر میرا منہ نہ دیکھنا۔ مجھے یوں ہی چھپا کر رکھنا۔ جب سے مجھے طلاق ہوئی ہے' تب سے میں حیا کی سولی پر لٹکتی آ رہی ہوں۔ میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔ خدا حافظ!"

یہ کہتے ہی اس نے دوپٹے کے اندر ہاتھ لے جا کر مٹھی بھر گولیاں منہ میں ڈالیں۔

پھر گلاس کو منہ سے لگا کر پانی پینے لگی۔ وہ سب تیزی سے چلتے ہوئے آئے پھر فرمان نے اس کے ہاتھ سے گلاس چھین لیا۔

وہ چکرا کر گرنے لگی تو اسے تھام لیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے دوپٹے کو تھام کر منہ کو چھپاتی رہی اور سر کو انکار میں ہلاتی رہی کہ کوئی اس کا منہ نہ دیکھے۔

پھر وہ سر ہلاتے ہلاتے ایک دم ساکت ہو گئی۔

شاید بے ہوش ہو گئی تھی۔

اس کے بدن کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔

شاید حیا کی سولی پر اس نے آخری ہچکی لی تھی۔

☆======ختم شد======☆